

لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ

اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو

اسلام  
اور

انتہا پسندی

ایک تجزیاتی مطالعہ

اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد  
حکومت پاکستان ۲۰۰۹ء





# اسلام اور انتہا پسندی

ایک تجزیاتی مطالعہ

اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد

حکومت پاکستان

۲۰۰۹ء

۲۹۷۶ م  
دہلی

## اسلامی نظریاتی کونسل۔ اسلام آباد

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

سلسلہ مطبوعات نمبر ۸۳

۸۵۲۱۳

ثاقب اکبر	:	ترتیب، تحقیق و تدوین
البصیرہ ٹرسٹ۔ اسلام آباد	:	کمپوزنگ و ڈیزائننگ
شعبہ تحقیق و ادارت، اسلامی نظریاتی کونسل	:	نظر ثانی
۲۰۰۹ء	:	طبع اول
۱۰۰۰ (ایک ہزار)	:	تعداد
۳-۳۱-۸۴۷۵-۹۶۹-۹۷۸	:	آئی ایس بی این
سیکرٹری، اسلامی نظریاتی کونسل	:	ناشر:
انڈسٹری بلیو ایریا، اسلام آباد	:	مطبع

## فہرست

صفحہ		
۲	ڈاکٹر محمد خالد مسعود، چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل	تقدیم:
۱۸۳۳	ثاقب اکبر	مقدمہ:
۲۳ تا ۱۹	جاوید احمد غامدی	باب اول: اصول و مبادی: جہاد، تکفیر اور نبی عن المنکر
۶۳ تا ۲۵	ڈاکٹر محسن مظفر نقوی	باب دوم: انتہا پسندی: دینی اور فقہی مغالطے
۷۳ تا ۶۵	محمد خالد سیف	باب سوم: دہشت گردی: فکری مغالطے
۸۰ تا ۷۵	اسلم سہراب	باب چہارم: دہشت گردی: قانونی مغالطے
۹۸ تا ۸۱	ثاقب اکبر	باب پنجم: خوارج: صدر اسلام میں انتہا پسندی کا ایک نمونہ
۱۰۸ تا ۹۹	ڈاکٹر محسن مظفر نقوی	باب ششم: خارجیت: تاریخ اسلام میں انتہا پسندی کے رجحانات کا جائزہ
۱۲۳ تا ۱۰۹	ثاقب اکبر	باب ہفتم: دہشت گردی: علمائے اسلام کا موقف
۱۵۶ تا ۱۲۵	ثاقب اکبر	باب ہشتم: انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات
۱۶۳ تا ۱۱۵		باب نہم: اسلامی نظریاتی کونسل کی کوششیں
۱۷۳ تا ۱۶۳		باب دہم: سفارشات
۱۸۱ تا ۱۷۳		ضمیمہ: غیر متوقع حالات، تیاری اور اقدامات

## تقدیم

ملکی مسائل کا علمی تجزیہ اور ان مسائل کے حل کے لیے سفارشات پیش کرنا اسلامی نظریاتی کونسل کے فرائض میں شامل ہے۔ بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں پاکستان میں فرقہ وارانہ اور مسلکی اختلافات نے انتہا پسندی کی راہ اختیار کی اور اس میں اتنی شدت آئی کہ اس نے دہشت گردی کی شکل اختیار کر لی۔ اس تشدد کا شکار سب سے زیادہ دینی اور مذہبی ادارے بنے۔ اسلامی معاشرے میں اختلاف رائے کو ہمیشہ صحت مند سمجھا جاتا رہا ہے۔ یہی اختلاف رائے بحث و تمحیص کے بعد اتفاق رائے اور اجماع کی شکل اختیار کرتا ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی اس اختلاف رائے کے عمل کو روکنے کی کوشش کی گئی یا کسی مخصوص رائے یا مسلک کو بزور مسلط کیا گیا تو معاشرے میں برداشت کا رویہ ختم ہو گیا اور مزاحمت نے تشدد کی شکل اختیار کر لی۔ ملک کا حالیہ بحران اس معاشرتی عمل سے بے توجہی کا نتیجہ ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے ۲۰۰۵ء میں وطن عزیز میں انتہا پسندی کے بڑھتے ہوئے ان رجحانات کو محسوس کرتے ہوئے اس کا علمی تجزیہ "اسلام اور دہشت گردی" کے عنوان سے ایک رپورٹ میں پیش کیا تھا اور اس کے بارے میں کونسل کی سفارشات بھی پیش کی تھیں۔ ان سفارشات کو ملک کے دردمند طبقے نے بے حد سراہا۔

مارچ ۲۰۰۸ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کے وفد سے ملاقات کے دوران صدر مملکت نے اس رپورٹ کی اہمیت کا خاص طور پر ذکر کیا اور خواہش ظاہر کی کہ اس موضوع پر کونسل کی جانب سے مفصل تحریر کی ضرورت ہے۔

اس دوران دہشت گردی نے وطن عزیز کو اور بھی شدت سے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ عالمی ذرائع ابلاغ نے ہمیشہ کی طرح دہشت گردی کو پاکستان اور اسلام سے منسوب کر کے اس جرم کو خواہ مخواہ قوم پرستی اور دین پسندی کی بنیادیں فراہم کیں۔

گزشتہ چند سالوں میں دہشت گردی کے بارے میں بہت سی علمی اور تحقیقی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ علماء اور فقہاء کی جانب سے دہشت گردی اور انتہا پسندی کی مذمت میں متعدد فتاویٰ بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اہل علم حضرات نے اسلام کے بارے میں پیدا کردہ غلط فہمیوں پر سے بھی پردہ اٹھایا ہے۔

زیر نظر رپورٹ میں ان تمام تحقیقات، فتاویٰ اور علمی تجزیوں کا مطالعہ پیش کیا ہے اور ان کی روشنی میں کونسل کی جانب سے سفارشات کو ترتیب دیا ہے۔ میں جناب خالد سیف، جناب ڈاکٹر محسن مظفر نقوی، جناب جاوید احمد غامدی اور اراکین کونسل کا ممنون ہوں کہ انہوں نے ان مباحث میں حصہ لیا اور تحریری آراء اشاعت کے لیے مہیا کیں۔ میں جناب ثاقب اکبر صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے ان تمام تحقیقات اور تجزیات کو اس مختصر رپورٹ میں جمع کر دیا ہے اور بہت محنت سے اس رپورٹ کو مرتب کیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلامی نظریاتی کونسل کی کوششوں کو قبول فرمائے اور وطن عزیز کو انتہا پسندی اور دہشت گردی سے محفوظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مقدمہ

ثاقب اکبر  
مرتب

اسلامی نظریاتی کونسل نے ۲۰۰۳-۲۰۰۵ء میں پاکستانی علماء، دانشوروں اور ماہرین نفسیات کے ساتھ طویل مشاورت کے بعد ایک رپورٹ ”اسلام اور دہشت گردی“ کے عنوان سے شائع کی تھی۔ اس دوران میں دہشت گردی کے رجحانات زور پکڑتے گئے۔ یہاں تک کہ دہشت گردی ایک عالمی مسئلہ بن گیا۔ عالم اسلام میں مختلف کانفرنسوں اور مجالس میں ان موضوعات پر بحث ہوئی۔ علماء کی جانب سے دہشت گردی کی مذمت میں اعلامیے شائع ہوئے۔ ضرورت محسوس کی گئی کہ اس موضوع پر ایک جامع رپورٹ شائع کی جائے۔

انتہا پسندی اور دہشت گردی کے بارے میں اس رپورٹ میں دینی اور فکری مغالطوں کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے جن سے دہشت گردی کے حامی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس میں اسلامی ممالک میں دہشت گردی کے خلاف اقدامات کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں دہشت گردی کی مذمت میں علماء کے بیانات، فتاویٰ اور اعلامیوں کا تجزیہ بھی شامل ہے۔ دینی اور فکری مغالطوں کے حوالے سے باب اول میں جہاد، تکفیر اور نبی عن المنکر کے بارے میں اسلام کے مبادی اور اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد دو ابواب میں انتہا پسندی اور دہشت گردی کے حوالے سے اسلامی تعلیمات بیان کی گئی ہیں۔ چوتھے اور پانچویں باب میں تاریخ اسلام میں انتہا پسندی کے رجحانات پر مختصر بحث کی گئی ہے۔

اکیسویں صدی میں علمائے اسلام اور مسلمان ممالک دہشت گردی کے مسئلہ سے کس طرح نیٹ رہے

ہیں چھٹے اور ساتویں باب میں ان کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ آخری باب میں اسلامی نظریاتی کونسل کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے حکومت پاکستان کو کونسل کی پیش کردہ سفارشات شامل کی گئی ہیں۔ دہشت گردی کے واقعات میں عام آدمی سب سے زیادہ نشانہ بن رہا ہے۔ ایک ضمیمہ کے طور پر ایسی ہدایات اور معلومات جمع کر دی گئی ہیں جو دہشت گردی کے حادثات میں تدابیر کے طور پر اختیار کی جاسکتی ہیں۔

رپورٹ کی ترتیب بیان کرنے کے بعد ہم مندرجہ ذیل سطور میں رپورٹ میں پیش کردہ اہم مباحث کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

## انتہا پسندی کیا ہے؟

ہمارے ہاں اردو میں استعمال ہونے والے دو الفاظ انتہا پسندی کو احسن طریقے سے بیان کرتے ہیں، ایک ”افراط“ اور دوسرا ”تفریط“۔ یہ دونوں الفاظ جن کی بنیاد عربی ہے، انتہا پسندی کی دو انتہاؤں کو بیان کرتے ہیں۔ عملی حوالے سے زیادہ روی اور حد سے تجاوز ”افراط“ ہی کو بیان کرتے ہیں۔ مالی حوالے سے اس کیفیت کو ”اسراف“ کے کلمہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ البتہ اس کا معنی مالی وغیر مالی زیادہ روی کے لئے عمومیت رکھتا ہے۔ جبکہ تنگی اور بندش اور مضیق کے کلمات ”تفریط“ کو بیان کرتے ہیں۔ (مالی حوالے سے اس کیفیت کو ”بخل“ کے کلمہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ انتہا پسندی کی اصطلاح ہمارے ہاں انگریزی لفظ (extremism) کے مترادف کے طور پر رائج ہو گئی ہے۔ علامہ وحید الزمان نے لغات الحدیث میں ”فَرَطٌ“ کے معنی میں اسراف کرنا اور زیادتی کرنا لکھا ہے۔ ”تفریط“ کے معنی میں انہوں نے کمی کرنا اور قصور کرنا لکھا ہے۔ (۱) ان دونوں کیفیتوں کے معانی کے لئے انہوں نے مثال کے طور پر امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک قول اور اس کا مفہوم یوں نقل کیا ہے!

لَا يُرَى الْجَاهِلُ إِلَّا مُفْرَطًا أَوْ مُفْرَطًا

جاہل کو جب بھی دیکھو گے یا تو ایک کام میں حد سے بڑھ جانے والا پاؤ گے یا کمی کرنے والا (یعنی ہمیشہ افراط یا تفریط میں مبتلا رہے گا اعتدال کا درجہ کبھی اُس کو نصیب نہ ہوگا۔ ہر کام میں اعتدال کرنا علم اور دانش مندی کی نشانی ہے۔) (۲)

اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ دو انتہاؤں کے مابین نقطہ اعتدال ہوتا ہے۔ اعتدال ہی راہ صواب

ہے۔ یہی درستی کا راستہ ہے۔ اللہ نے ہمیں عدل و احسان ہی کا حکم دیا ہے (النحل: ۱۶: ۶۰)

علامہ وحید الزمان اعتدال کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

”توسط اور تناسب یعنی افراط و تفریط کے بیچ کا درجہ“۔ (۳)



توسط کلمہ بھی یہاں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے امت مسلمہ کو ”امتِ وسط“ ہی قرار دیا ہے۔ ہم اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ امتِ وسط ہی امتِ محمدیہ کہلانے کی حقدار ہے۔ ارشاد پروردگار ہے:

وَ كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ . (البقرہ ۲: ۱۴۳)

”اور یوں ہم نے تمہیں امتِ وسط قرار دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔“

”وسط“ کا معنی اہل لغت نے ہر چیز کا درمیانی حصہ اور وہ نقطہ بیان کیا ہے جو دونوں اطراف سے برابر

کے فاصلے پر ہو۔ (۴)

(افراط و تفریط اور دو انتہاؤں کا وجود اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کے مابین ایک نقطہ اعتدال اور مقامِ وسط موجود ہے۔ یہ نقطہ ہمیشہ موجود ہوتا ہے جسے پہچاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ امتِ وسط سے ادھر ادھر ہو کر تیز رفتاری، کج رفتاری یا ست رفتاری کا شکار ہو جاتے ہیں وہ امت کے حقیقی دھارے سے بچھڑ جاتے ہیں اور ”شهداء علی الناس“ کے مرتبے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

”انتہا پسندی“ کے لئے قرآن و حدیث میں ”غلو“ کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ ڈاکٹر محسن مظفر نقوی نے اپنے مقالے میں اس لفظ کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا ہے۔ علامہ وحید الزمان نے ”غلو“ کا معنی زیادتی، بلندی اور حد سے بڑھ جانا بیان کیے ہیں۔ ”غلو فی الدین“ کا مفہوم انہوں نے یوں بیان کیا ہے:

دین میں تعصب اور تشدد جو حد شرعی سے زائد ہو۔ حد شرعی کیا ہے اس کا مطلب ایک حدیث کا معنی و مطلوب بیان کرتے ہوئے وہ مثال کی مدد سے واضح کرتے ہیں:

إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ (دیکھو، دین میں غلو کرنے سے بچے رہو)۔ اس حدیث کی وضاحت میں

فرماتے ہیں کہ:

(یعنی سختی اور مبالغہ کرنے سے بچو، وہ اس طرح کہ کوئی شخص جائز چیز کو واجب یا حرام

کر لے۔ یا ناجائز چیز کو جائز کر لے۔ سنت کو فرض کی طرح ضروری قرار دے۔۔۔) (۵)

عبارات بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے دینی متون میں پہلے سے انسانی مزاج سے آگاہی کے پیش نظر انتہا پسندی کا صراحت سے ذکر موجود ہے اور قرآن و سنت کے پیروکاروں کو اس کے عواقب کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ یہی انتہا پسندی جو مختلف پہلوؤں سے مختلف نتائج رکھتی ہے جب مذہبی اور دینی شکل اختیار کر لیتی ہے تو نہایت قبیح اور خطرناک ہو جاتی ہے۔ دوسروں کے سامنے بھی دین کا چہرہ بگاڑ دیتی ہے، اپنوں میں افتراق پیدا کر دیتی ہے اور دینی دعوت کے کام کو منفی طور پر متاثر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت نے ہمیں افراط و تفریط اور غلو سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے اعتدال اور وسط کا راستہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت

علی کرم اللہ وجہہ کے مذکورہ قول سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ افراط و تفریط جاہل کا طرز عمل ہے جسے علم و عقل کے ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا۔

## انتہا پسندی اور دہشت گردی کا باہمی تعلق

جیسا کہ گذشتہ سطور میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ ”غلو فی الدین“ کا معنی ہے: ”دین میں تعصب اور تشدد جو حد شرعی سے زائد ہو۔“ (جب انتہا پسندی کی یہ شکل فکر انسانی سے نکل کر عمل انسانی کی صورت اختیار کرتی ہے تو وہ ”دہشت گردی“ کہلاتی ہے اور ”فساد فی الارض“ کا باعث بن جاتی ہے۔ انسان اپنی فکر و نظر میں حکمت و بصیرت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اپنی رائے اور نظریے کے ساتھ اس کی شدت و ابلتگی اسے اختلاف رائے کو برداشت کرنے سے روک دیتی ہے۔ دہشت گردی اور ”فساد فی الارض“ کی اصطلاحات پر سیر حاصل بحث جناب خالد سیف کے مقالے میں پیش کی گئی ہے۔ ”فساد فی الارض“ کو قرآن کریم میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ قرار دیا گیا ہے۔ (سورہ المائدہ: آیت ۳۳)

(آج کے دور میں دہشت گردی کا مفہوم بعض سیاسی اور دینی مغالطوں کی وجہ سے متنازع ہو چکا ہے۔ اقوام متحدہ اور اس کے اداروں کی تمام تر کوششوں کے باوجود اس کی کوئی واضح قانونی تعریف سامنے نہیں آسکی ہے) جیسا کہ خالد سیف صاحب نے واضح کیا کہ دہشت گردی کا مفہوم اس قدر واضح ہونے کے باوجود ابھی تک دنیا میں دہشت گردی کی متفقہ تعریف سامنے نہیں آسکی۔ اقوام متحدہ جس کی جنرل اسمبلی دہشت گردی کی مذمت کر چکی ہے اور سلامتی کونسل جس نے دہشت گردی کے خلاف فوجی مہم تک کی منظوری دی ہے ابھی تک دہشت گردی کی تعریف نہیں کر سکی۔ اس کی کئی اہم وجوہ ہیں۔ بڑی طاقتیں اپنی مرضی کا مفہوم متعین کرنا چاہتی ہیں نیز ان کا اقوام متحدہ میں جس سطح کا اثر و رسوخ ہے اس کی وجہ سے انھیں اس تعریف کی ایسی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے کسی زمانے میں دنیا میں آزادی کی تحریکوں کا بڑا زور تھا۔ (اس دور میں آزادی کے ہیرو اور دہشت گرد عناصر میں کسی حد تک فرق روا رکھا جاتا تھا) دنیا میں اب بھی آزادی کی تحریکیں موجود ہیں لیکن آج جو ورلڈ آرڈر بڑی طاقتوں کے ایما پر قائم ہو چکا ہے اس میں یہ فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ (دنیا میں ظلم، جبر اور استبداد کے خلاف لڑنے والوں کو بھی دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے اور استحصال اور استعمار کے خلاف آواز اٹھانے والی قوموں، ملکوں اور گروہوں کو بھی۔ کونسے اقدامات اور افعال دہشت گردی کی تعریف میں آتے ہیں ان کا تعین نہیں کیا جاتا۔ ریاستی دہشت گردی پر کوئی بحث نہیں ہوتی۔ ان تمام مسائل پر اس رپورٹ میں شامل مقالات میں بحث کی گئی ہے۔

معروف انسائیکلو پیڈیا ویکی پیڈیا کی عبارت بھی دہشت گردی کی تعریف میں موجود تذبذب کو بیان

کرتی ہے:

”دہشت گردی کی کوئی ایسی تعریف کرنا کہ جو ہر لحاظ سے مکمل اور ہر موقع پر سو فیصد اتفاق رائے سے لاگو کی جاسکے، اگر ناممکن نہیں تو کم از کم بحر امکان لاپذیر کے ساحل پر پیادہ رو ضرور ہے۔ اگر ہر قسم کے پس منظر اور اس معاشرے کے حالات کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے تو پھر اس لفظ کی لغوی تشریح یوں ہو سکتی ہے کہ: خوف اور ہراس پیدا کر کے اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر ایسے نپے تلے طریقہ کار یا حکمت عملی اختیار کرنا کہ جس سے قصور وار اور بے قصور کی تمیز کے بغیر، (عام شہریوں سمیت) ہر ممکنہ ہدف کو ملوث کرتے ہوئے، وسیع پیمانے پر دہشت و تکلیف اور رعب و اضطراب (جسمانی نہ سہی نفسیاتی) پھیلایا جائے دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے۔“ (۶)

معروف دانش ور اقبال احمد اپنے مقالہ ”Terrorism, Their and Ours“ میں دہشت گردی کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

Terrorism is the use of terrorizing methods of governing or resisting a government . Terror is an intense, overpowering fear. ”دہشت گردی حکومت کرنے یا کسی حکومت کی مزاحمت کے لئے دہشت زدہ کرنے کے طریقے استعمال کرنے سے عبارت ہے جبکہ دہشت کا مطلب شدید اور ناقابل برداشت خوف ہے۔“ (۷)

منطقی اعتبار سے ان تعریفوں میں خامیوں کے باوصف دہشت گردی کا مفہوم واضح ہو رہا ہے۔ تاہم اسلام کی نظر میں جسے انتہا پسندی اور دہشت گردی کہتے ہیں وہ قرآن و حدیث اور اقوال علماء کی روشنی میں بالکل واضح ہے۔ رپورٹ میں شامل مقالات میں ان کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔

## انتہا پسندی اور اسلامی تعلیمات

انتہا پسندی کی تعریف و تشریح کے پیش نظر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات اس کی تائید کر سکتی ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والے اولین صحابہ کرامؓ مخالفین کے تشدد کا شکار رہے۔ ہجرت حبشہ ہو یا شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کی کئی سالہ کسمپرسی حضرت ثمارؓ کی والدہ سمیہؓ کی المناک شہادت بہا یا شب ہجرت شمشیر بدست گروہ سے بچ کر پیغمبر اکرمؐ کا غارتور میں پناہ لینا، مخالفین ہی کی انتہا پسندی اور دہشت گردی کا نتیجہ

تھا۔ آنحضرتؐ اور آپؐ کے ساتھی دوسروں سے رائے اور عقیدے کی آزادی ہی کے تو طلب گار تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد آنحضرتؐ کو جب ایک گونہ سیاسی حیثیت حاصل ہوئی تو میثاق مدینہ کے ذریعے آپؐ نے وہ تمام حقوق وہاں کے یہودیوں کو دے دیے جو آپؐ کو اپنے لئے مکہ کے بت پرستوں سے نہ مل سکے۔ یہ معاہدہ شاہد ہے کہ آپؐ نے اپنے لئے یہودیوں سے کوئی امتیازی حق بھی طلب نہیں کیا۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات عدل و انصاف، صداقت و ایفائے عہد، آزادی عقیدہ و اظہار، قانونی مساوات، عفو و احسان اور تقویٰ و ایثار پر مبنی ہیں۔ اسلام و ایمان کے ایسے پرچم بردار کے ہاں افراط و تفریط اور دہشت و تشدد کا گزر کہاں ہو سکتا ہے۔ تاہم دنیا ت ظلم و جور کے خاتمے اور جان و مال و ناموس کے تحفظ کے لئے ضروری تھا کہ آپؐ کچھ اصول تعلیم فرماتے۔ اسی طرح انسانیت کی فلاح و نجات پر مبنی تعلیمات کی تبلیغ و دعوت کے لئے بھی کچھ قواعد ناگزیر تھے۔ ان کے بغیر دین جامع ہو سکتا تھا اور نہ پیش رفت کرسکتا تھا۔ اسلام کی فطری تعلیمات کا اعجاز اور آنحضرتؐ کے تربیت یافتگان کے حسن کردار کا کرشمہ تھا کہ اسلام نے بہت جلد دنیا کی ایک بڑی آبادی کے فکر و نظر کو تسخیر کر لیا۔

اس پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ نئے مسائل نے بھی جنم لینا شروع کیا۔ خود مسلمانوں کے اندر بھی ایسے گروہ پیدا ہونے لگے جو افراط و تفریط کا شکار تھے۔ انہوں نے اسلامی متون و اصطلاحات ہی کو اپنی انحرافی تاویلات کا سہارا بنا لیا۔ ایسے گروہوں کے طرز عمل سے اغیار نے بھی غلط فائدہ اٹھایا۔ قومیں داخلی طور پر کمزور ہو جائیں تو اغیار سے رحم کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ سچ تو یہ ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کے اصلی اور بنیادی اسباب کا کھوج خود ان کے اندر سے لگانا چاہیے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے  
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف (۸)

(آج جبکہ دنیا کی بڑی طاقتیں اور ان کے طاقتور ادارے اپنے مقاصد کے لئے اسلام کی شکل بگاڑ کر پیش کر رہے ہیں۔ یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ ان کے منفی مقاصد کی تکمیل کے لئے بہت کچھ اسباب ہمارے ہاں کے کج فہم عناصر ہی فراہم کرتے ہیں۔ آخر مسلمان ملکوں میں خود کش حملے ہمارے اپنے ہی گمراہ عناصر کر رہے ہیں۔ ایسے ہی واقعات اس امر کا باعث بنتے ہیں کہ اسلام کا رشتہ تشدد و دہشت سے جوڑ دیا جائے اور مسلمانوں کو وحشی ثابت کیا جائے) حالانکہ کسی دوسری قوم کے افراد کے انفرادی واقعات کی بنا پر بالعموم قوم اور اس کے مذہب کو ہدف ملامت نہیں بنایا جاتا۔ بہر حال درست حکمت عملی یہی معلوم ہوتی ہے کہ دوسروں پر تنقید کرنے سے پہلے ہم اپنے گھر کی خبر لیں اور اپنی اصلاح کریں۔ اس مقصد کے لئے جہاں دیگر کئی اقدامات ضروری ہیں وہاں

اسلام کی تعلیمات کو درست طور پر سمجھنا بھی ضروری ہے۔

(تشدد کا راستہ اپنانے والے گروہوں نے اسلام کی جن اصطلاحات کی غلط تشریحات کا سہارا لے رکھا ہے ان میں جہاد، نہی عن المنکر اور تکفیر وغیرہ شامل ہیں)۔ ان اصطلاحات کو ان کے درست تناظر میں سمجھنے کے لئے اس رپورٹ کے پہلے مقالے میں جہاں تکفیر اور نہی عن المنکر کے حوالے سے چند اصول و مبادی بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی اہمیت کے پیش نظر ہم یہاں ان کا مختصر ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔

## (۱) نہی عن المنکر

(نہی عن المنکر کے بارے میں علماء نے بالعموم تین مراحل و مراتب بیان کیے ہیں۔ ان میں سے پہلا مرحلہ کسی برائی کو دل سے برا جاننا، اُس سے رخ پھیر لینا ہے اور اپنا دامن باوقار طریقے سے اُس سے بچا لینا ہے۔ دوسرا مرحلہ زبان سے برائی کو روکنا ہے۔ اس کی بھی اپنی شرائط ہیں۔ اس کا تیسرا مرحلہ ہاتھ سے برائی کو روکنا ہے۔ یہ سب سے اہم مرحلہ اور مرتبہ ہے۔ اس سلسلے میں کئی ایک بنیادی سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب جاننا ضروری ہے۔ مثلاً:

- (۱) منکر کس نوعیت کا ہے؟
- (۲) حکومت اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟
- (۳) جو امر ہمارے پیش نظر منکر ہے کیا حکومتی قوانین بھی اس کی ممانعت کرتے ہیں؟
- (۴) نہی عن المنکر کرنے والے کی صلاحیت و طاقت کس قدر ہے اور معاشرے میں اس کی کیا حیثیت ہے؟
- (۵) منکر کو روکنے کے عمل کے نتائج کیا نکلیں گے؟
- (۶) نہی عن المنکر کی حکمت عملی کیا ہونی چاہیے؟
- (۷) حکم شریعت بیان کرنے کے لئے اتھارٹی کون ہے؟

اسی طرح کے اور بھی کئی پہلو ہیں جن کا جواب معلوم ہونا ناہی عن المنکر کے لئے بہت ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک فرد یا گروہ جو اپنی تئیں خدا کی خوشنودی کے لئے اقدام کر رہا ہے دراصل وہ اللہ ہی کے قوانین کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہو۔ اس سلسلے میں علمائے اسلام نے قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ چند اہم امور کی نشاندہی کرتے ہیں:

ریاست اور فرد کی ذمہ داری: نہی عن المنکر کے حوالے سے ریاست اور فرد کی ذمہ داری کی اپنی اپنی حدود ہیں۔ جناب جاوید احمد غامدی نے اس حوالے سے اپنے مقالے میں وضاحت کی ہے جو بعد

کے صفحات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ پروفیسر مرتضیٰ مطہری مروّیہ کے تین مراتب بیان کرتے ہوئے تیسرے مرتبے کے بارے میں کہتے ہیں:

”تیسرا مرحلہ عمل کا ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جسے منکر سے روکا جا رہا ہوتا ہے وہ اس درجے اور حال کو پہنچا ہوا ہوتا ہے کہ نہ اس سے اعراض اور ترک تعلق سے بات بنتی ہے اور نہ زبان و بیان سے اس پر تاثیر ہوتی ہے۔ یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں عمل کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ پھر ایسا موقع آجاتا ہے کہ عملی طور پر تنبیہ کرنا پڑتی ہے اور یہ حکومت اسلامی کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ اسلامی معاشرے کے شہری اپنی طرف سے اس طرح کی تنبیہ اختیار نہیں کر سکتے۔“ (۹)

اس سلسلے میں بعض دیگر علما کے اقوال ڈاکٹر محسن مظفر نقوی کے تفصیلی مقالے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ایک ضروری وضاحت: بعض افراد نہی عن المنکر کے لئے اپنے ہر طرح کے عملی اقدام کے جواز میں حضرت امام حسین کی مثال پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں امام حسین کی شخصیت، آپ کے اقدام کی پوری ماہیت اور آپ کے خطبات و اقوال اور متعلقہ واقعات کا گہرا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر آپ کے لازوال اقدام کی مثال سے ہم صحیح طور پر استفادہ نہیں کر سکیں گے۔ یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ ہم چند نکات کی طرف توجہ دلاتے ہیں، ہماری رائے میں جنہیں اس ضمن میں پیش نظر رہنا چاہیے:

(۱) امام حسین کے نزدیک امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا مفہوم کیا ہے اور آپ کے مروّیہ کا مصداق کیا اہمیت رکھتا ہے۔

(۲) کسی واقعے کی حیثیت کا تعین زمان و مکان کی حدود میں اُس کے مطالعے سے ہوتا ہے، امام حسین کے اقدام کی حیثیت کا تعین بھی اسی معیار کے مطابق کیا جانا چاہیے۔

(۳) علمائے کرام نے مروّیہ کی شرائط و قیود بیان فرمائی ہیں۔ یہ فریضہ انہی حدود و شرائط کے مطابق انجام دینے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے ایک شرط مروّیہ کی ممکنہ تاثیر کو پیش نظر رکھنا ہے۔ مروّیہ کی اپنی حیثیت اور مقام و مرتبہ کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہر شخص اور گروہ کا مروّیہ ایک جیسے نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مخاطب کی حیثیت اور مقام و مرتبہ کو بھی اس میں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مروّیہ میں موضوعات کی ترجیحات اور ”اہم و مهم“ کا معاملہ بھی بڑا اہم ہے۔ امام عالی مقام کے مروّیہ میں ان تمام امور کو پیش نظر رکھا گیا۔

(۴) واقعہ کربلا اور اس کے پس منظر کی تمام تر تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ امام عالی مقام نے کسی مرحلے

میں پہل نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ کربلا میں بھی تلوار اٹھانے کی نوبت آنے تک آپ نے کہیں پہل نہیں فرمائی۔

(۵) آپ کا تمام تر طرز عمل ناصحانہ تھا۔ جب تک حملہ نہیں ہو گیا مخالف فوج سے آپ نے ناصحانہ انداز سے گفتگو فرمائی اور انھیں اپنے قتل سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے انھیں اپنا تعارف کروایا اور نبی کریمؐ سے اپنی نسبت بتائی۔ یہ تک فرمایا کہ میں نے کسی کا خون نہیں بہایا کہ جس کے بدلے میں تم میرا خون بہانے کے درپے ہو۔ (۱۰)

(۶) امام حسین نے اپنے خون کے پیاسوں کی بھی تکفیر نہیں کی بلکہ جب پہلا دستہ حرا بن یزید الریاحی کی قیادت میں آپ کا راستہ روکنے کے لئے پہنچا تو نماز کے وقت ان سے پوچھا کہ کیا تم ہمارے ساتھ مل کر نماز پڑھو گے یا الگ تو انھوں نے بھی اس وقت آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کو ترجیح دی۔ (۱۱)

مختصر یہ کہ امام حسین کا سبق آموز واقعہ اپنے اندر بہت سے پہلو رکھتا ہے اور آنکھیں بند کر کے موقع و بے موقع امر و نہی کے نام پر اس کا حوالہ دے کر قدم اٹھالینا درست نہیں۔ حکمت و بصیرت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔

## (۲) تکفیر

(تکفیر یعنی کافر قرار دینا۔ عالم اسلام کی مشکلات میں سے ایک مسئلہ تکفیر ہے جس کے اثرات شوم اور برے نتائج سے شاید ہی کوئی گروہ اور اہم شخصیت محفوظ رہی ہو۔ تعصب، جہالت، کوتاہ نظری اور پست مقاصد نے معاملہ یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ مختلف گروہوں میں موجود بعض افراد دوسروں کو کافر قرار دینے کے لئے اپنی تحریر و تقریر کی ساری صلاحیتیں گویا اسی کام کے لئے وقف کیے ہوئے ہیں۔ یہی امر ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا باعث بن جاتا ہے۔ اسی سے تفرقہ بازی اور فرقہ واریت جنم لیتی ہے۔ اسی سے تشدد و دہشت گردی کو فروغ ملتا ہے۔ شیطانی قوتوں کے عمل دخل کے لئے شاید یہ راستہ سب سے مختصر اور آسان ہے۔ کفر سازی نے جس اسلامی کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے شاید ہی کسی اور چیز نے پہنچایا ہوگا)

اسلامی تاریخ میں اس کی بنیاد خوارج نے رکھی۔ بعد ازاں کلامی مسائل کے انتہا پسندانہ فروغ نے معاملہ بگاڑ دیا۔ قرآن مخلوق ہے یا نہیں، اس مسئلے پر امت دو حصوں میں بٹی رہی۔ حکمران بھی اپنے مقاصد کے لئے ان مسائل سے غلط فائدہ اٹھاتے رہے۔ ایک دوسرے کو کافر و مشرک قرار دے کر قتل و غارت کا بازار گرم کیے رہے۔ گاہے معمولی معمولی فروعی مسائل پر تکفیر کی جاتی رہی۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اب بھی ایسی

کتابوں کی کمی نہیں جن میں یہی رویہ اختیار کیا گیا ہے۔

اس دوران میں مسلمانین بھی ظہور کرتے رہے۔ امام غزالی گیارہویں صدی عیسوی کے گیارہویں برس میں فوت ہوئے۔ اس کے بعد مسلم معاشرے کی صورت حال روز بروز ابتر ہوتی چلی گئی، اکثر شہروں میں فروعی مسائل پر مناظرے اور مباحثے جاری تھے۔ بات بات پر لوگ مشتعل ہو کر مرنے مارنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور یہ اشتعال بعض مرتبہ فرقہ وارانہ فساد کی صورت بھی اختیار کر جاتا تھا۔ 1258ء میں جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تو بتایا جاتا ہے کہ وہاں فرقہ وارانہ فساد جاری تھے اور نتیجے کے طور پر خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

اسی طرح خلافت عثمانیہ ہو یا سلطنت مغلیہ، ان کے زوال کے اسباب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو تعیش، تجر و جمود، فرقہ واریت اور سطح بنی بی بنیادی اسباب قرار پائیں گے۔ آج بھی عالم اسلام میں انتہا پسندی اور دہشت گردی کی ایک اہم اور بنیادی وجہ فرقہ واریت ہے جس کے ذمہ دار اس مظلوم امت کے غیر ذمہ دار عناصر کے تکفیر کے فتوے ہیں۔ اگرچہ خود تکفیر اور دوسروں کو کافر قرار دینے کا عمل ہی باطل اور قابل مذمت ہے لیکن اس سے بھی خطرناک اور المناک بات یہ ہے کہ ایک گروہ کسی فرد یا گروہ کو کافر قرار دینے کے بعد اس کی تباہی و نابودی اور قتل کے درپے ہو جاتا ہے۔ صدر اسلام میں یہی روش خوارج کی رہی ہے۔ اسی امر کے پیش نظر اس کتاب میں ایک مختصر باب خوارج کے بارے میں شامل کیا گیا ہے۔ ایک شخص کے کافر ہونے کا یہ فوری نتیجہ کیونکر نکل آتا ہے کہ اس کی ہلاکت کے درپے ہوا جائے؟ آخر یہ اسلام کے کس اصول اور قانون کی بنا پر روا ہے؟ اس ہولناک صورت حال کا اکابر علماء نے بڑی شدت سے احساس کیا ہے۔ عصر حاضر میں فتنہ تکفیر کے خاتمے کے لئے علمائے امت نے جو اجتماعی فتاویٰ جاری کیے ہیں وہ نہایت اہم اور پُر تاثیر ہیں۔ ان میں سے متعدد فتاویٰ کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے۔

### (۳) جہاد

جہاد اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ ہر طرح کے قتل و قتال سے عبارت نہیں بلکہ خاص شرائط و حدود کا حامل ہے۔ اس کے بارے میں ضروری تفصیل اس کتاب میں شامل علمائے کرام کے مقالات میں موجود ہے۔ ہم یہاں پر صرف یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ جب ”نبی عن المنکر“ عملی مرحلے میں مسلمانوں کے نظم اجتماعی یا حکومت کی ذمہ داری ہے تو جہاد کی ایسی صورت جس میں مسلح کارروائی ضروری ہو جاتی ہے، کسی صورت بھی انفرادی یا نظم اجتماعی سے ہٹ کر گروہی اختیار میں قرار نہیں پاسکتا مگر یہ کہ سر زمین اسلام اور مسلمانوں کے جان و مال کا دفاع حکومت کے بس میں نہ رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پرائیویٹ لشکر و سپاہ ہمارے لیے دہشت



گردی، فساد فی الارض، خلق خدا کے قتل، خونریز فرقہ واریت اور غیر ملکی مداخلت جیسے تحفوں کے سوا کچھ نہیں لائے گئے

## دہشت گردی کے خلاف عالم اسلام کے علماء کا اتفاق رائے

انتشار و افتراق کی جو بھی کیفیت ہو اور اس سلسلے میں عالم اسلام کی جو بھی تصویر پیش کی جائے لیکن یہ امر باعث اطمینان اور امید افزا ہے کہ عالم اسلام کے تمام اکابر علماء دہشت گردی کے خلاف ہم آواز ہیں۔ مشرق سے مغرب تک تمام اسلامی سرزمینوں کے علماء نے بے گناہوں پر ہونے والے خودکش حملوں کی مذمت کی ہے۔ سب نے فرقہ واریت کی کھل کر مخالفت کی ہے۔ تمام اسلامی مکاتب فکر کے ذمہ دار علماء، مراکز دینی کے سربراہ، حوزات علمیہ کے زعماء اور مراجع عظام نے مسلمانوں کی وحدت و اتحاد کا پرچم بلند کر رکھا ہے۔ جس علاقے میں بھی دہشت گردی کے واقعات پھوٹے ہیں وہاں کے علمائے اسلام صبر و ایثار کی تلقین کرتے ہوئے محبت و اخوت کے پیغام بر بن کر نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اسلامی سرزمینوں پر سے اغیار کی بالادستی کے خاتمے اور اسلام کی انسان دوستی پر مبنی تعلیمات کی تشریح و دفاع کے لئے سب کے درد مند دل ایک ساتھ دھڑکتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

عالم اسلام کے ذمہ دار اداروں کے زیر اہتمام تمام مکاتب فکر کے جید اور اجل علمائے اسلام نے مشترکہ طور پر کئی ایک فتاویٰ جاری کیے ہیں جن میں دہشت گردی کی تمام صورتوں کی مذمت کی گئی ہے اور واضح کیا ہے کہ دین اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں۔ علمائے کبار نے اتحاد بین المسلمین کے لئے بھی تاریخ ساز فتاویٰ جاری کیے ہیں جنہوں نے بہت سے علاقوں میں فرقہ پرست عناصر کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ پاکستان کے علمائے کرام بھی اس سلسلے میں کسی سے پیچھے نہیں۔ انہوں نے تمام جزوی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسلام اور وطن عزیز کے دفاع و استحکام کے لئے متعدد اجتماعی فتوے جاری کیے ہیں اور انتہا پسندی اور خودکش حملوں کی مذمت کی ہے اور انہیں خلاف اسلام قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں بھارت کے علماء بھی عالم اسلام کے ہم قدم ہیں۔

دنیا کے مختلف خطوں میں علمائے کرام نے گذشتہ چند برسوں میں اس ضمن میں جو کاوشیں کیں ہیں ان کا ایک خاکہ اس کتاب میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عراق میں علماء و مجتہدین کے اس کردار کا نہایت مفید اثر ہوا ہے۔ پاکستان میں بھی اس کے مثبت اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

دوسری طرف یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ دنیا بھر میں اسلام کا دعویٰ کر کے دہشت گردی کی کارروائیاں کرنے والے گروہوں کی سربراہی اکثر غیر علماء کے ہاتھوں میں ہے۔ ویسے بھی عالم اسلام کے تمام دینی مراکز کی

مسلمہ مذہبی قیادت کے مقابلے میں چھوٹے اور تشدد پسند گروہوں کو اپنی رائے کا ازسرنو جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ان اکابر علماء کے اتفاق رائے کے مقابلے میں وہ اپنے اللہ کے حضور اپنی حجت کیونکر پیش کر سکیں گے۔

## عالم اسلام کی طرف سے تہذیبوں کے مابین قربت کا پیغام

عالم اسلام کی دینی اور سیاسی قیادت نے مسلمانوں کو باہمی اتفاق و اتحاد کی تلقین پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دیگر ادیان کے ماننے والوں کو بھی مکالمے اور پر امن بقائے باہم کے لیے مشترکات کی بنیاد پر قریب آنے کی دعوت دی ہے۔ ایسے وقت میں جب تہذیبوں کے مابین تصادم کے نظریے کی گونج سنائی دے رہی تھی عالم اسلام نے مشترکات اور انسانی مفادات کی بنیاد پر دیگر ادیان اور تہذیبوں کو مختلف پلیٹ فارموں پر مکالمے اور مل بیٹھنے کی دعوت دی ہے۔ اس سلسلے میں بھی ایک باب اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

### ذمہ داریوں کا تعین اور احساس

انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے کس کی کیا ذمہ داری ہے اور کس کو اپنی ذمہ داری کا کس قدر احساس ہے، اس کا بھی کچھ ذکر ضروری ہے۔ اسلام کے تمام ذمہ دار علماء نے دہشت گردی کے خلاف کھل کر اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔ ذمہ دار سرکاری عہدیدار اور ادارے بھی اس کی مذمت اور اس کے منفی پہلوؤں کے بارے میں بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔ ذرائع ابلاغ نے بھی ایک حد تک اپنا کردار ادا کیا ہے۔ تاہم ہماری رائے میں اب بھی بہت کچھ کیا جانا باقی ہے۔

انتہا پسندی کی مختلف نظری اور عملی صورتوں کے قرآن و سنت کے منافی قرار پانے کے بعد اس کے ”منکر“ ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ خاص طور پر جب اس حقیقت کو ملحوظ رکھا جائے کہ اس سے دین اسلام کا چہرہ مسخ ہوتا ہے، منفی پراپیگنڈا کے لئے دین دشمنوں کے ہاتھ میں دلیل آتی ہے، بے گناہ انسانوں کا خون ہوتا ہے، اسلامی معاشرے اغیار کی مداخلت اور جارحیت کا نشانہ بنتے ہیں اور اسلامی ممالک کی اقتصادی حالت تباہ ہوتی ہے تو پھر اس ”منکر“ کی شدت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ یہ درست ہے کہ اس منکر کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات حکومت ہی کی ذمہ داری ہے لیکن وہ اہل دین و دیانت جو نبی عن المنکر کو زبان کی حد تک اپنی شرعی ذمہ داری سمجھتے ہیں انھیں پورے دینی شعور، شرح صدر اور دینی جذبے سے اس کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ نیز اس سلسلے میں عوام کو بھی ان کی شرعی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔

فلسطین میں ہونے والے ظلم کے خلاف آواز اٹھانا نہ صرف درست ہے بلکہ اسلامی، اخلاقی اور انسانی حوالے سے ضروری بھی ہے۔ لہذا پورے ملک میں مذہبی، سیاسی اور دیگر جماعتوں نیز حکومت نے اپنے فلسطینی مظلوم بھائیوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف مختلف مواقع پر جس ردعمل کا مظاہرہ کیا ہے وہ ہر جہت سے بجا ہے لیکن پاکستان جیسے اہم اسلامی ملک میں دہشت گردی نے جو قیامت ڈھا رکھی ہے، اس کے خلاف اس درجے کا ردعمل دیکھنے میں نہیں آیا۔ فرقہ واریت کے ہولناک مظاہرے ہوں یا دہشت گردی کے خونچکاں مناظر ان کے خلاف جس قدر عوامی مہم چلانے کی ضرورت ہے وہ نہیں چلائی گئی۔ حکومت، سیاسی و مذہبی جماعتیں، انسانی حقوق کی تنظیمیں اور ذرائع ابلاغ سب کو زیادہ منظم ہو کر اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حوالے سے خاص طور پر حکومت اور عوام کے درمیان اعتماد اور ہم آہنگی کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ یہ اعتماد جس قدر قوی ہوگا عوام اسی قدر دہشت گردی کے خاتمے کے لئے حکومت کی مدد کریں گے۔ دہشت گرد عناصر اور دہشت گردی کے نیٹ ورکس تک پہنچنے اور ان کے خاتمے کے لئے عوام کی مدد کے بغیر حکومت اور ریاستی ادارے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ عوام کا بھرپور اعتماد حاصل ہو جائے اور وہ اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری کو ایک انسانی والہی ذمہ داری سمجھنے لگیں تو صورتحال تیزی سے بدل سکتی ہے۔

حکومت کی طرف سے بار بار کہا جاتا ہے کہ انتہا پسند عناصر ایک معمولی اقلیت میں ہیں اور ملک کی اکثریت اعتدال پسند ہے۔ یہ بات درست ہے لیکن اعتدال پسند خاموش اکثریت جس قدر خاموش رہے گی انتہا پسند اقلیت اسی قدر نڈر اور جرات مند ہوتی جائے گی۔ انتہا پسندی آج ہمارے معاشرے کا ایک ہنگامی مسئلہ ہے۔ عوام کی تربیت اور رہنمائی کر کے انہیں حرکت میں لانے کی ضرورت ہے۔ عوام اگر تفرقہ انگیز اور انتہا پسندانہ تقریروں، تحریروں اور اعمال کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو یہ جن واپس اپنی بوتل میں جلد جاسکتا ہے۔

یہ امر تشویش ناک ہے کہ بعض عناصر دہشت گردوں کو اسلامی ہیرو کے طور پر پیش کرتے ہیں یا ان کی رائے کو بھی ایک اختلافی رائے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ انتہا پسند اور دہشت گرد عناصر دین اور ملک و قوم کے دشمن اور مجرم ہیں۔ حدود الہی کو پامال کرنے والے والے ہیں۔ اسلام کا چہرہ بگاڑنے کا جرم بھی ان کے سر ہے۔ ان کی رائے کو عالم اسلام کے ذمہ دار علماء اور مفتیان کرام کی رائے کے مقابلے میں پیش کرنا خطرناک اور منفی طرز عمل ہے۔

## چند معروضات

انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے آخر میں ہم چند معروضات اہل فکر و نظر کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

(۱) جیسا کہ پیش نظر کتاب میں علمائے کبار کے فتاویٰ سے ظاہر ہوتا ہے انہوں نے اختصار کے ساتھ

دین کے اصول اور ارکان بیان کر دیے ہیں جن پر ایک مسلمان کا ایمان لانا ضروری ہے، ہمیں اس فہرست میں اضافہ نہیں کرتے رہنا چاہیے۔ اگر ہم اس بات کو ملحوظ رکھیں تو اس سے نہ صرف امت میں اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا ہے اور انتہا پسندی کا خاتمہ ہوتا ہے بلکہ اسی میں دین کی بقا اور فروغ کا راز مضمر ہے۔ ایک آفاقی اور باقی رہنے والے دین کی ناگزیر تعلیمات یعنی ضروریات دین مختصر اور عمیق ہی ہونی چاہئیں۔

(۲) مختلف مسالک کے افراد کو ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہنا چاہیے۔ باہم رابطے سے غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں۔ قربتیں محبتیں پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

(۳) عام طور پر ہر گروہ میں کچھ انتہا پسند عناصر ہوتے ہیں۔ فرقہ دارانہ کتابیں ایسے عناصر ہی لکھتے اور چھاپتے رہتے ہیں۔ ہر مسلک کے ذمہ دار افراد اور علماء ایسے عناصر سے نالاں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلک کے اندر بھی اصلاحی تحریکیں جاری رہتی ہیں۔ ایسے عناصر کی کتب مسلک کے حقیقی عقائد و نظریات کی آئینہ دار نہیں ہوتیں۔ انھیں بنیاد بنا کر کوئی رائے قائم نہیں کرنا چاہیے۔

(۴) مختلف مکاتب فکر کا وجود ایک حقیقت ہے۔ ہر طرح کے اختلاف رائے کا خاتمہ ناممکن ہے اور شاید مطلوب بھی نہ ہو جیسا کہ بعض علمائے عظام کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے۔ تاہم اختلاف رائے اور اس کے اظہار کو اخلاقی ضوابط کا پابند ہونا چاہیے۔ اختلافی رائے پر عدم برداشت تو ایک سطحی رویہ ہے جبکہ اختلاف کو برداشت کرنا اور اختلاف کے ساتھ اچھے مراسم رکھنا اور مل جل کر زندگی گزارنا ایک ہنر ہے۔ ہمیں یہ ہنر سیکھنے کی ضرورت ہے۔

(۵) علمائے کرام کے فتاویٰ میں اختلاف اچنبھے کی بات نہیں اور نہ اس میں ذم کا کوئی پہلو نکلتا ہے۔ یہ دین شناسی کی انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ علم کے دیگر شعبوں میں بھی ماہرین کی آراء میں اختلاف ہوتا ہے۔ البتہ انفرادی فتاویٰ کا اختلاف گاہے معاشرے میں مشکلات پیدا کر دیتا ہے، خاص طور پر اگر ان کا تعلق سماجی معاملات سے ہو۔ ایسے امور میں ریاستی سطح پر قانون سازی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے انفرادی فتویٰ کو کسی خاص مسئلے میں مفتی کا انفرادی فہم اسلام سمجھنا چاہیے اور عمل درآمد کے لئے ایسے مسئلے کو متعلقہ ریاستی ادارے یا اداروں کے سپرد کیا جانا چاہیے اور انھیں اس ضمن میں قانون سازی کی طرف متوجہ کیا جانا چاہیے تاکہ قوم اختلاف میں مبتلا نہ ہو۔ معاشرے کی بھی اس سلسلے میں مناسب تربیت کی ضرورت ہے چونکہ عوام الناس بعض اوقات

کسی انفرادی فتوے پر شدید ردِ عمل کا اظہار کرتے ہیں۔

(۶) اجتہاد کی ضرورت عملی طور پر تسلیم کی جا چکی ہے۔ اب اجتہاد کے طریق کار اور اس کے عناصر پر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری رائے میں اجتہاد فقط قرآن و سنت سے نظائر تلاش کرنے کا نام نہیں، نظائر کے پیچھے موجود حکمت، مقصد اور ضرورت کا کھوج لگانا بھی اجتہادی عمل کا حصہ ہے۔ اسی طرح جہانِ معاصر اور عصری تقاضوں کی شناخت کو بھی اجتہادی عمل کا حصہ بنانا ناگزیر ہے۔ مختلف مسائل اور معاملات میں انسانی تجربات کو بھی اس سلسلے میں سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ کسی بھی فتویٰ یا فیصلہ کے معاشرے پر پڑنے والے ممکنہ اثرات کو بھی اس حوالے سے نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ قرآن حکیم بھی سابقہ انسانی تجربات اور تاریخ کو ہمارے سامنے دہراتا ہے۔ نبی کریمؐ نے بھی عرف اور معروف کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنے دور میں جاری معاشرتی قوانین سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ایسے ہی پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض علماء کی طرف سے اجتہاد میں تخصص (specialization) کی تجاویز بھی پیش کی جا رہی ہیں۔ اجتماعی اجتہاد اور فقہت شوریٰ کا موضوع جو آج علمی حلقوں میں خاصی اہمیت اختیار کر چکا ہے وہ عصر حاضر میں اجتہادی عمل کی وسعت اور پیچیدگیوں کے ادراک ہی کا نتیجہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کا عمل جس قدر حسن و خوبی اور جامعیت سے آگے بڑھے گا انتہا پسندی اور فرقہ واریت کا خاتمہ ہوتا چلا جائے گا۔

(۷) ہمیں ضروریات دین اور دین کی حقیقی تعلیمات کے مقابلے میں رسم و رواج اور عرف و عادت میں فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے۔ رسم و رواج اور عرف و عادت پر اصرار سے پرہیز کرنا چاہیے۔ علاقائی رسم و رواج آج کا ہویا قدیمی، عرب کا ہویا عجم کا اس پر زور دینے سے بچنا چاہیے۔ یہ معرفت اور طرز عمل ہمیں انتہا پسندی اور اس کے منفی اثرات سے بچنے میں مدد دے گا۔

(۸) حکمرانوں کو بھی امر و نہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ بھی یہ کام کرتے رہتے ہیں۔ علماء بھی ان ذرائع سے اپنا نقطہ نظر پہنچاتے رہتے ہیں۔ منبر سے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس سلسلے کو اچھے انداز سے جاری رہنا چاہیے کیونکہ نصیحت و تذکر ہمیشہ مفید ہوتا ہے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے: **وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ يُنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ**. (الذاریات ۵۱: ۵۵)

## حواشی

- ۱- وحید الزمان، علامہ، لغات الحدیث (کراچی: میر محمد کتب خانہ، سنہ ندارد)، ج ۳، ص ۵۲۔
- ۲- ایضاً، ص ۵۳۔
- ۳- وحید الزمان، علامہ، لغات الحدیث (کراچی: میر محمد کتب خانہ، سنہ ندارد)، ج ۳، ص ۳۸۔
- ۴- لوئیس معلوف، المنجد (کراچی: دارالاشاعت ۱۹۹۴)، ص ۱۰۸۴۔
- ۵- وحید الزمان، علامہ، لغات الحدیث (کراچی: میر محمد کتب خانہ، سنہ ندارد)، ج ۳، ص ۶۷۔
- ۶- <http://ur.wikipedia.org>
- ۷- [www.urduarticles.com/articles](http://www.urduarticles.com/articles)
- ۸- محمد اقبال، ضرب کلیہ، نظم (دین و تعلیم)، (لاہور: ادارہ اہل علم، ہما بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، ۲۰۰۵ء)، ص ۵۹۹۔
- ۹- مطہری، مرتضیٰ، حماسہ حسینی (تہران: انتشارات صدر، سنہ ندارد)، ج ۲، ص ۱۹۷۔
- ۱۰- قتی، شیخ عباس، منتهی الآمال (قم: موسسہ انتشارات ہجرت ۱۳۷۷ھ)، ج ۱، ص ۶۴۱۔
- ۱۱- قتی، شیخ عباس، منتهی الآمال (قم: موسسہ انتشارات ہجرت ۱۳۷۷ھ)، ج ۱، ص ۶۱۵۔

باب اول

## اصول و مبادی: جہاد، تکفیر اور نہی عن المنکر

جاوید احمد غامدی  
رکن اسلامی نظریاتی کونسل

مذہب کے نام پر انتہا پسندی اور دہشت گردی کی جو تحریک اس وقت عالم اسلام بالخصوص پاکستان میں برپا ہے، اس کی بنا تین چیزوں پر قائم ہے: ایک جہاد، دوسرے تکفیر اور تیسرے نہی عن المنکر کا حکم۔ ان تینوں کے بارے میں اپنا نقطہ نظر ہم نے مختصر طریقے پر یہاں بیان کر دیا ہے۔

### جہاد

امن اور آزادی انسانی تمدن کی ناگزیر ضرورت ہے۔ فرد کی سرکشی سے اس کی حفاظت کے لیے تادیب اور سزائیں ہیں، لیکن اگر قومیں شوریدہ سر ہو جائیں تو ہر شخص جانتا ہے کہ ان کے خلاف تلوار اٹھانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ نصیحت اور تلقین جب تک کارگر ہو، تلوار اٹھانے کو کوئی شخص بھی جائز قرار نہ دے گا، مگر جب کسی قوم کی سرکشی اور شوریدہ سری اس حد کو پہنچ جائے کہ اسے نصیحت اور تلقین سے صحیح راستے پر لانا ممکن نہ رہے تو انسان کا حق ہے کہ اس کے خلاف تلوار اٹھائے اور اس وقت تک اٹھائے رکھے، جب تک امن اور آزادی کی فضا دنیا میں بحال نہ ہو جائے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ تلوار اٹھانے کی یہ اجازت اگر نہ دی جاتی تو قوموں کی سرکشی اس انتہا کو پہنچ جاتی کہ تمدن کی بربادی کا تو کیا ذکر، معبد تک ویران کر دیے جاتے اور ان جگہوں پر خاک اڑتی، جہاں اب شب و روز اللہ پروردگار عالم کا نام لیا جاتا اور اس کی عبادت کی جاتی ہے۔

اسلامی شریعت میں جہاد اسی مصلحت سے کیا جاتا ہے۔ یہ نہ خواہش نفس کے لیے ہے، نہ مال و دولت

اصول و مبادی: جہاد، تکفیر اور نہی عن المنکر

کے لیے، نہ ملک کی تسخیر اور زمین کی حکومت کے لیے، نہ شہرت و ناموری کے لیے اور نہ حمیت و حمایت اور عصبیت یا عداوت کے کسی جذبے کی تسکین کے لیے۔ انسان کی خود غرضی اور نفسیات کا اس جہاد و قتال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اللہ کی جنگ ہے جو اُس کے بندے، اُس کے حکم پر اور اُس کی ہدایت کی مطابق اُس کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اُن کی حیثیت اس جنگ میں محض آلات و جوارح کی ہے۔ اس میں اُنھیں اپنا کوئی مقصد نہیں، بلکہ خدا کے مقاصد پورے کرنا ہوتے ہیں۔ لہذا وہ اپنی اس حیثیت سے سرمو کوئی انحراف نہیں کر سکتے۔ اس کا قانون یہ ہے:

## ۱- جہاد کا حکم

جہاد و قتال کا حکم مسلمانوں کو بحیثیت جماعت دیا گیا ہے۔ اس کی جو آیتیں بھی قرآن میں آئی ہیں، مسلمان اپنی انفرادی حیثیت میں اُن کے مخاطب ہی نہیں ہیں۔ حدود و تعزیرات کی طرح ان آیات کے مخاطب وہ بحیثیت جماعت ہیں۔ لہذا اس معاملے میں کسی اقدام کا حق بھی اُن کے نظم اجتماعی کو حاصل ہے۔ اُن کے اندر کا کوئی فرد یا گروہ ہرگز یہ حق نہیں رکھتا کہ اُن کی طرف سے اس طرح کے کسی اقدام کا فیصلہ کرے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

انما الامام جنة، يقاتل من ورائه ويتقى به. (صحیح بخاری، رقم ۲۹۵۷)

”مسلمانوں کا حکمران ان کی سپر ہے، قتال اُسی کے پیچھے رہ کر کیا جاتا ہے اور لوگ اپنے لئے اُسی کی آڑ پکڑتے ہیں۔“

## ۲- جہاد کا مقصد

قرآن میں اس کا حکم اصلاً فتنہ کے استیصال کے لیے آیا ہے۔ فتنہ کے معنی کسی شخص کو ظلم و جبر کے ساتھ اُس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کے ہیں۔ یہی چیز ہے جسے انگریزی زبان میں "persecution" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جان و مال اور عقل و رائے کے خلاف زیادتی کی دوسری تمام صورتیں اسی کے تحت ہیں۔ چنانچہ ظلم و عدوان جس صورت میں بھی ہو، یہ اُس کے خلاف کیا جاسکتا ہے۔

## ۳- جہاد کی فرضیت

جہاد مسلمانوں پر اُس وقت تک فرض نہیں ہوتا، جب تک دشمن کے مقابلے میں اُن کی حربی قوت ایک خاص حد تک نہ پہنچ جائے، لہذا ضروری ہے کہ جہاد و قتال کی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے وہ نہ صرف یہ



کہ اپنے اخلاقی وجود کو محکم رکھنے کی کوشش کریں، بلکہ اپنی حربی قوت بھی اُس درجے تک لازماً بڑھائیں جس کا حکم قرآن نے زمانہ رسالت کے مسلمانوں کو اُس وقت کی صورت حال کے لحاظ سے دیا تھا اور اُن کے اور اُن کے دشمنوں کے درمیان اس کے لیے ایک اور دو کی نسبت قائم کر دی تھی۔

## تکفیر

مسلمانوں کے کسی فرد کی تکفیر کا حق قرآن و سنت کی رو سے کسی داعی کو حاصل نہیں ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ دین سے جہالت کی بنا پر مسلمانوں میں سے کوئی شخص کفر و شرک کا مرتکب ہو، لیکن وہ اگر اس کو کفر و شرک سمجھ کر خود اس کا اقرار نہیں کرتا تو اس کفر و شرک کی حقیقت تو بے شک، اُس پر واضح کی جائے گی، اسے قرآن و سنت کے دلائل کے ساتھ ثابت بھی کیا جائے گا، اہل حق اس کی شاعت سے اُسے آگاہ بھی کریں گے اور اس کے دنیوی اور اخروی نتائج سے اُسے خبردار بھی کیا جائے گا، لیکن اُس کی تکفیر کے لیے چونکہ اتمام حجت ضروری ہے، اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ حق اب قیامت تک کسی فرد یا جماعت کو بھی حاصل نہیں رہا کہ وہ کسی شخص کو کافر قرار دے۔

تاہم اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ داعی حق کے لیے کفر و شرک کے ابطال میں مداخلت کے لیے بھی کوئی گنجائش ہے۔ احقاق حق اور ابطال باطل اُس کی ذمہ داری ہے۔ اُس کا اصلی کام یہی ہے کہ ہر خطرے اور ہر مصلحت سے بے پروا ہو کر توحید و رسالت اور معاد کے متعلق تمام غلط تصورات کی نفی کرے اور لوگوں کو اُس صراطِ مستقیم کی طرف بلائے جو اللہ، پروردگار عالم نے اپنی کتاب میں انسانوں کے لیے واضح کی ہے۔ یہ اُس پر لازم ہے، لیکن اس کے کسی مرحلے میں بھی یہ حق اُس کو حاصل نہیں ہوتا کہ امت میں شامل کسی فرد یا جماعت کو کافر و مشرک قرار دے اور اُن کے جمعہ و جماعت سے الگ ہو کر اور اُن سے معاشرتی روابط منقطع کر کے اپنی ایک الگ امت اس مسلمہ میں کھڑی کرنے کی کوشش کرے۔

## نہی عن المنکر

[اس سلسلے میں ریاست اور فرد کے دائرہ اختیار کو جدا جدا سمجھنے کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید میں امر و نہی

کے حوالے سے ریاست کی ذمہ داری کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے:]

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

اصول و مبادی: جہاد، تکفیر اور نہی عن المنکر

أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (آل عمران ۳: ۱۰۴)

”اور چاہیے کہ تمہارے اندر سے کچھ لوگ مقرر ہوں جو نیکی کی دعوت دیں، بھلائی کی تلقین کریں اور برائی سے روکتے رہیں۔ (تم یہ اہتمام کرو) اور (یاد رکھو کہ جو یہ کریں گے)، وہی فلاح پائیں گے۔“

آیت کے الفاظ سے واضح ہے کہ مسلمان اپنی انفرادی حیثیت میں نہیں، بلکہ اجتماعی حیثیت میں ان کے مخاطب ہیں، لہذا یہ حکم ارباب اقتدار سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو اگر کسی خطہ ارض میں سیاسی خود مختاری حاصل ہو جائے تو اپنے اندر سے کچھ لوگوں کو اس کام پر مقرر کریں کہ وہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائیں، برائی سے روکیں اور بھلائی کی تلقین کریں۔

یہ ذمہ داری، ظاہر ہے کہ بعض معاملات میں تبلیغ و تلقین کے ذریعے سے اور بعض معاملات میں قانون کی طاقت سے پوری کی جائے گی۔ پہلی صورت کے لئے جمعہ کا منبر ہے جو اسی مقصد سے ارباب حل و عقد کے لئے خاص کیا گیا ہے۔ دوسری صورت کے لئے پولیس کا محکمہ ہے جو مسلمانوں کی ریاست میں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے قائم کیا جاتا ہے اور اپنے لئے متعین کردہ حدود کے مطابق اس کام کو انجام دینے کے لئے ہمہ وقت سرگرم عمل رہتا ہے۔

[بھلائی کی طرف دعوت دینے کے لئے فرد کی ذمہ داری اس آیت میں بیان کی گئی ہے:]

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (التوبہ ۹: ۷۱)

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ باہم دگر بھلائی کی نصیحت کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔“

اس آیت میں بھلائی کی تلقین کے لئے ’امر‘ کا لفظ آیا ہے۔ عربی زبان میں یہ جس طرح حکم دینے کے لئے آتا ہے، اسی طرح تلقین، نصیحت، مشورے اور ترغیب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ، کے الفاظ سے آیت کی ابتدا دلیل ہے کہ یہاں یہ اسی مفہوم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسانی فطرت میں جو باتیں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں، ان کی تلقین کی جائے اور جن کو فطرت ناپسند کرتی ہے، ان سے لوگوں کو روکا جائے۔

تلقین و نصیحت سے آگے بڑھ کر معروف کو فی الواقع قائم کر دینے اور منکر کو قوت سے مٹا دینے کا حق

بھی اللہ تعالیٰ نے کسی داعی کو نہیں دیا۔ قرآن مجید اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ داعی حق کی حیثیت سے خدا کے کسی پیغمبر کو بھی تذکیر اور بلاغ مبین سے آگے کسی اقدام کی اجازت نہیں دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۚ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ۝ (الغاشیہ ۸۸: ۲۱-۲۲)

”تم نصیحت کرنے والے ہو، تم ان پر کوئی داروغہ نہیں ہو۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”من رای منکم منکرا“ کے بارے میں یہ بات ہر شخص پر واضح رہنی چاہیے کہ قرآن کی تصریحات، دین کے مسلمات، رسولوں کی سیرت اور روایت کے اپنے الفاظ کی روشنی میں اس کی صحیح تاویل یہ ہے کہ اس کا تعلق ہر مسلمان کے دائرہ اختیار سے ہے۔ شوہر، باپ، حکمران، یہ سب اپنے اپنے دائرہ اختیار میں یقیناً اسی کے مکلف ہیں کہ منکر کو قوت سے مٹادیں۔ اس سے کم جو صورت بھی وہ اختیار کریں گے، اگر دین ہی کی کوئی مصلحت مانع نہ ہو تو بے شک، ضعف ایمان کی علامت ہے، لیکن اس دائرے سے باہر اس طرح کا اقدام کوئی جہاد نہیں، بلکہ بدترین فساد ہے جس کے لیے دین میں ہرگز کوئی گنجائش ثابت نہیں کی جاسکتی۔

وَلَوْ لَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهَدَمَتْ  
صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ  
اللَّهِ كَثِيرًا. وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ. إِنَّ اللَّهَ  
لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ.

اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو  
(راہبوں کے) صومے اور (عیسائیوں کے) گرجے  
اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں  
کی) مسجدیں جن میں خدا کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے  
ویران ہو چکی ہوتیں اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے  
خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔

(سورۃ الحج آیت ۴۰)

باب دوم:

## انتہا پسندی: دینی اور فقہی مغالطے

ڈاکٹر محسن مظفر نقوی  
رکن اسلامی نظریاتی کونسل

(ہمارے عزیز ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس وقت ”انتہا پسندی“ عروج پر ہے۔ انتہا پسندی کے بنیادی معنی کسی ایک امر کے بارے میں انتہائی افراط یا انتہائی تفریط کا مظاہرہ کرنا ہے) اگر یہ کسی نظریے کے متعلق ہو تو نظریاتی، مذہبی، سیاسی، لسانی اور قومیتی انتہا پسندی وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس صورت میں انسان صرف اپنے نظریے کو صحیح اور دوسرے کو غلط سمجھتا ہے، صرف اپنے مذہب اور سیاسی نظریے کو بالکل صحیح اور دوسرے مذہب اور سیاسی نظریے کو بالکل غلط سمجھتا ہے۔ اپنی زبان کو سب سے اعلیٰ اور دوسری زبانوں کو کم تر اور اسی طرح اپنی قوم کو اعلیٰ وارفع جبکہ دوسری قوموں کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے۔ اس قسم کی انتہا پسندی انسان سے صحیح فکر اور درست تجزیے کی صلاحیتیں سلب کر لیتی ہے اور وہ اپنی گفتگو میں غیر متوازن نظر آنے لگتا ہے۔

(جب انسان کی نظریاتی انتہا پسندی ”عملی انتہا پسندی“ میں تبدیل ہوتی ہے تو پھر اس کا اولین اظہار دوسرا نظریہ، مذہب، سیاسی فلسفہ، زبان اور قومیت رکھنے والے سے اظہار نفرت سے ہوتا ہے۔ بعد ازاں یہ نفرت جسمانی گزند، تشدد اور پھر قتل پر منتج ہو سکتی ہے۔ ایسا انتہا پسند انسان یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسی کے نظریے کو قبول کر لیں اور اسی پر عمل کریں، اسی کا مذہب اختیار کر کے اس پر عمل پیرا ہوں وغیرہ اور جب لوگ اس کی رائے اور راہ سے اختلاف کرتے ہیں تو پھر اس کی انتہا پسندی اسے غیظ و غضب، تشدد اور قتل پر ابھارتی ہے۔

انتہا پسندی: دینی اور فقہی مغالطے

گویا یوں کہنا درست ہوگا کہ زیادہ تر ”نظریاتی انتہا پسندی“ ہی ”عملی انتہا پسندی“ کا سبب بنتی ہے۔ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ میرا نظریہ، میری تعبیر، میرا فہم بھی غلط اور دوسرے کا نظریہ، دوسرے کی تعبیر اور دوسرے کا فہم بھی درست ہو سکتا ہے۔ گو کہ ایسا فکری رویہ نظریاتی طور پر مشکل سے تشکیل پاتا ہے جبکہ یہ رویہ ”مذہب“ کے بارے میں ”انتہائی مشکل“ سے تشکیل پاتا ہے بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کے ایسے ہی انتہا پسند رویوں کے بارے میں فرمایا ہے۔

”یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے مذہب کی کوئی بنیاد نہیں، نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی کوئی بنیاد نہیں، حالانکہ دونوں ہی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔“ (البقرہ ۲: ۱۱۳)

## غلو کی ممانعت

یہی حال اسلامی ممالک میں مسلمان فرقوں کا ایک دوسرے کے بارے میں ہے۔ سب قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور حدیث رسولؐ پر عمل کرنے کو عین دین و ایمان سمجھتے ہیں لیکن ایک دوسرے کے بارے میں ان کا رویہ وہی ہے جو یہود و نصاریٰ کا ایک دوسرے کے بارے میں تھا یعنی ”ان کے مذہب کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔“ ایسا رویہ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اس کا جواب بھی قرآن مجید نے دے دیا ہے، ارشاد الہی ہے:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَا لَا تَقْوُلُوْا عَلٰی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ. (النساء ۴: ۱۷۱)

”اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کے سوا کچھ نہ کہو۔“

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَا لَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَا ضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِیْلِ. (المائدہ ۵: ۷۷)

”اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو حق کے سوا اور جو لوگ تم سے قبل گمراہ ہو چکے ان کی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی نہ کرو، انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور خود بھی سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔“

”دین کے بارے میں غلو“ کرنے کے کیا معنی ہیں؟ یہ دراصل دین کے بارے میں شخصی یا گروہی فہم کے اٹل اور حتمی ہونے کا بیان ہے۔ دوسرے کے فہم دین کے مقابلے میں ”اپنی بات“ پر اڑ جانے کا نام ”غلو فی الدین“ ہے پھر اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے انتہا پسند نظریات و اعمال کو ہی حق ماننے کا نام ”غلو فی الدین“ ہے۔

راغب اصفہانی نے ”غلو“ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ صرف غیر حق ہی ہوتا ہے (۱) اور ”غلو“ کے ساتھ اس آئیہ مبارکہ میں ”غیر الحق“ کی قید لگائی گئی ہے تو وہ تاکید کے لئے ہے۔ علامہ زنجیری نے الکشاف میں کہا ہے کہ غلو دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک حق اور دوسرے باطل۔ حق کے بارے میں غلو یہ ہے کہ اس کے حقائق کی تلاش کی جائے اور اس کے بعید ترین معنی کی تفتیش کی جائے نیز اس کے دلائل حاصل کرنے کے لئے انتہائی کوشش کی جائے جیسا کہ اہل توحید و عدل کرتے ہیں، دوسرا ”غلو باطل“ ہے۔ یہ حق سے تجاوز کرنا نیز دلائل سے صرف نظر کر کے اسے ملیا میٹ کرنا ہے نیز شبہات کا اتباع کرنا ہے جیسا کہ بدعتی اور ہوا و ہوس کے پیرو کرتے ہیں۔ (۲) غلو کی پہلی قسم رحمت و حلم ہے جبکہ دوسری قسم زحمت، شدت اور تشدد ہے۔ ”غلو باطل“ کی بنیاد اکثر دینی شخصیت کے بارے میں غلو کرنے پر ہوتی ہے۔ اللہ کے کلام کے بارے میں اور دین کی حقیقتوں کو سمجھنے کے لئے بعض مخصوص شخصیات کے فہم کو ”سب کچھ“ سمجھ لیا جاتا ہے اور یوں لوگ اس شخصیت کے فہم پر اپنے فہم دین کی اساس رکھتے ہیں۔ انھیں ”اربابا من دون اللہ“ بنا لیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے:

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ. (التوبہ: ۳۱)

”انھوں نے اپنے علما اور عزالت نشینوں کو، اللہ کو چھوڑ کر اپنا رب بنا لیا ہے۔“

(قرآن مجید میں اس مقام پر ”احبار“ یہودی علماء کے لیے اور ”رہبان“ عیسائی علماء کے لیے استعمال ہوا ہے۔)

قرآن مجید کی یہ تعلیمات بتاتی ہیں کہ نہ علما کے بارے میں غلو سے کام لینا چاہیے نہ دین کے بارے میں اپنے فہم پر غلو کرنا چاہیے کہ یہ راہ شدت اور انتہا پسندی تک لے جاتی ہے۔

اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو اس افراط و تفریط سے بچا کر دین اور علماء کے بارے میں غلو سے محفوظ رکھ کر اس امت کو ”درمیانی“ امت قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ. (البقرة: ۱۴۳)

”اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت قرار دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔“

مسند احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق نبی کریم نے ”وسط“ کی تشریح عدل سے فرمائی ہے۔ (۳) گویا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امت کو وسط، عدل اور انصاف پر عمل کرنے والی امت قرار دیا ہے جس کے معنی بدیہی طور پر یہ ہیں کہ یہ امت انتہا پسند اور تشدد پسند نہیں ہو سکتی۔

پاکستان میں سیاسی و مذہبی انتہا پسندی کے نتیجے میں ہزاروں جانیں تلف ہو چکی ہیں۔ بیشتر واقعات

میں ”نامعلوم“ افراد نے قیمتی جانیں اپنے مخصوص نظریات کے تحت لے لی ہیں۔ ان نامعلوم افراد کو عموماً صحیح یا غلط طور پر کسی انتہا پسند اور غیر قانونی تنظیم سے وابستہ بتایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ گزشتہ چند برسوں میں جانی نقصانات سیاسی سے زیادہ مذہبی بنیادوں پر پہنچائے گئے ہیں۔ مذہبی انتہا پسندی، تشدد اور پھر دہشت گردی کے پس پشت تین اہم مذہبی اصطلاحوں کی غلط تعبیر و تشریح اور اطلاق ہے یعنی تکفیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ۔ اس حقیقت کے ساتھ ایک اور اہم امر انسانی جان کی قدر و قیمت سے عدم واقفیت اور قتل جیسے جرم کی شریعت کے نزدیک انتہائی ناپسندیدگی و حرمت سے نا آشنائی ہے۔ چنانچہ ان امور پر ہم یکے بعد دیگر گفتگو کرتے ہیں۔

## انسانی جان کی اہمیت

اسلام میں انسانی جان کو بہت اہمیت حاصل ہے اور اس کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ ایک انسانی جان کو بچانا گویا پورے عالم انسانیت کو بچانا ہے اور ایک انسانی جان کو لے لینا پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے مگر حق کے ساتھ۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

۱- مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا. (المائدہ ۵: ۳۲)

”جس نے کسی جان کو قتل کیا بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد پھیلانے کے لیے، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی جان کو زندہ کیا اس نے گویا پورے عالم انسانیت کو زندہ کیا۔“

۲- وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهُ وَ أَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا. (النساء: ۴: ۹۳)

”جو کسی صاحب ایمان کو اراداً قتل کر دے اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب اور لعنت کرتا ہے اور اس نے ایسے قتل کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔“

۳- وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ. (الانعام ۶: ۱۵۱)

”اور دیکھو جس جان کو قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔ اس کی تمہیں وصیت کی گئی ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔“



۴۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ

سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنصُورًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳)

”جس جان کو قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہو اسے سوائے حق کے قتل نہ کرو اور جو مظلوم قتل

کیا گیا اس کے ولی کے لئے ہم نے بدلے کا اختیار قرار دیا ہے پس اسے چاہیے کہ قتل

کے معاملے میں اسراف سے کام نہ لے یقیناً اس کی مدد کی جائے گی۔“

۵۔ رَحْمٰنِ كِى صِفٰتِ كُنُوٰتِى هُوَ سُوْرَةُ فِرْقَانِ كِى آخِرِى رُكُوْعِ مِى فِرْمَايَا:

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ. (الفرقان ۲۵: ۶۸)

”اور یہ لوگ حق کے سوا ایسی کسی جان کو قتل نہیں کرتے جسے قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہو۔“

۶۔ وَاِذَا الْمَوْءُؤٰةٌ سُوِّتَتْ ۙ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ. (الکوہ ۸۱: ۸-۹)

”جب زندہ درگور بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی؟“

ان چھ آیات کریمہ اور ان جیسی دیگر آیات سے انسانی جان کی قدر و قیمت اور اہمیت پتہ چلتی

ہے۔ اس دنیا میں پیدا ہونے والا ہر شخص معزز و محترم ہے اور اس کی جان لے لینا حرام ہے سوائے اس

کے کہ اس نے ایسا کوئی جرم کیا ہو کہ قانون اسے سزائے موت دے دے۔ (الابالحق)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے لہذا کرنا بنی آدم. (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰) کہہ کر تمام بنی نوع انسان کو محترم

و مکرم ٹھہرایا ہے اور بہ حیثیت انسان ان میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی ہے، ہر شخص معزز و محترم ہے۔

البتہ اس سے آگے کے درجے میں صاحبان ایمان یعنی مومنین کو دوسروں پر فوقیت و فضیلت حاصل

ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ”مومنین“ اپنی زندگیاں ”مقصد تخلیق“ کے مطابق گزارتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کامل

اطاعت و بندگی ہے۔ (الذاریات ۵۱: ۵۶)

## مومن کی جان کی حرمت

مملکت خداداد پاکستان میں آئے دن بم دھماکوں اور فائرنگ کے نتیجے میں مومنین شہید کیے جا رہے

ہیں اور یہ گھناؤنا جرم بزعم خویش اسلام کے نام پر بنائی گئی تنظیمیں ”اسلام کی سربلندی“ کے لئے کر رہی ہیں۔ جبکہ

احادیث مبارکہ میں بھی مومن کے قتل کی شدید مذمت وارد ہوئی ہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّرُوْعَ مُسْلِمًا. (۴)

”کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان

کرے۔“

۲۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه. (۵)

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور اصلاً مهاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔“

۳۔ ترى المؤمنين في تراحمهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى. (۶)

”ایمانداروں کو باہم رحم دل، باہمی محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں تم ایسا دیکھو گے جیسے ایک جان، ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا اور بیداری کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔“

۴۔ المؤمن في اهل الايمان بمنزلة الرأس من الجسد يألم المؤمن لأهل الايمان كما يألم الجسد لما في الرأس. (۷)

”مومن اہل ایمان کے درمیان ایسا ہوتا ہے جیسے جسم سے سر کا تعلق ہو۔ مومن تو دیگر اہل ایمان کے لئے اسی طرح تکلیف محسوس کرتا ہے جیسی تکلیف سر کی وجہ سے جسم کو ہوتی ہے۔“

۵۔ ان المؤمن مألّف ولا خير فيمن لا يألف ولا يؤلف. (۸)

”ایمان دار آدمی تو وہ ہے جو پیکر محبت ہو، جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ کوئی اس سے الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی بوجہ نہیں۔“

۶۔ المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة. (۹)

”ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے کسی مصیبت میں ڈالتا ہے۔ جو اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا رہتا ہے اور جو کوئی کسی مسلمان کی مشکل آسان کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی مشکلات میں سے اس کی ایک مشکل آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی قیامت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔“

۷۔ حضرت اسامہ بن شریکؓ سے مروی ایک حدیث میں نبی کریمؐ سے یہ الفاظ روایت ہوئے ہیں:

لا حرج الا علی رجل اقترض عرض رجل مسلم وهو ظالم، فذلک الذی حرج  
وهلک. (۱۰)

”حرج تو بس اس میں ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی ظلم کی راہ سے آبروریزی  
کرے۔ یہ وہ شخص ہے جو حرج میں پڑا اور ہلاک ہو گیا۔“

۸۔ رسول کریمؐ کی معروف حدیث ہے:

سباب المسلم فسق وقتاله کفر. (۱۱)

”مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے لڑنا تو کفر ہے۔“

۹۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے سنا:

لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض. (۱۲)

”میرے بعد کافروں کی سی حرکتیں نہ کرنے لگنا کہ آپس میں ایک دوسرے ہی کی گردنیں  
مارنے لگو۔“

۱۰۔ اذا قال الرجل لأخيه ”یا کافر“ فقد باء به أخذهما. (۱۳)

”اگر کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو ”اے کافر“ کہے تو دونوں میں سے کسی ایک پر وہ  
ضرور پلٹتا ہے۔“

مشہور محدث بدر عالم میرٹھی نے اس حدیث پر حاشیے میں تحریر فرمایا ہے: کسی کو کافر کہنا کچھ ہنسی مذاق  
نہیں بڑی ذمہ داری کی بات ہے یہ کلمہ معمولی بول چال میں بھی زبان پر لانے کے قابل نہیں۔ ”یا کافر“ صرف  
ایک مزاحیہ کلمہ ہے کوئی فتویٰ نہیں ہے لیکن بے محل اس کلمہ کا استعمال بھی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا۔ (۱۴)

۱۱۔ قتل المؤمن أعظم عند الله من زوال الدنيا. (۱۵)

”کسی مومن کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے زوال سے بڑھ کر ہے۔“

۱۲۔ المؤمن أكرم على الله من بعض ملائکته. (۱۶)

”حقیقی مومن اللہ کے نزدیک بعض ملائکہ سے افضل ہے۔“

احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ جو کسی مومن کو عمداً قتل کرے گا روز قیامت اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی  
بخشش نہیں فرمائیں گے۔ حضرت ابوورداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:

كل ذنب عسى الله أن يغفره الا من مات مشركاً أو مومن مؤمناً متعمداً. (۱۷)

”اللہ عزوجل شاید ہر گناہ کو بخش دے سوائے اس کے جو حالت شرک میں مرایا جس مومن نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا۔“

نبی کریمؐ کے ایسے سینکڑوں ارشادات نقل کرنے کی سعادت حاصل ہو سکتی ہے لیکن جو اس امر پر عقیدہ رکھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری اور مفترض الطاعتہ نبی ہیں اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد ہی کافی ہے۔

## جانوروں سے حسن سلوک

”انسان“ کی عظمت اور اس کے قتل کی حرمت واضح ہے، بعد ازاں مقتول اگر مسلمان ہو تو اس کے قتل کا گناہ اور زیادہ ہے۔ اسے تو ناحق قتل کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام سلامتی کا مذہب ہے اور اس کے پیغمبر ”رسول رحمت“ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جنہوں نے اپنی حیات طیبہ میں انسان تو انسان جانوروں پر بھی ظلم کو روا نہیں رکھا۔ چند روایات ملاحظہ ہوں۔

۱- ان النبی مرّ علیہ حمار قد وُسم فی وجہہ فقال: لعن اللہ الذی وسمہ. (۱۸)

نبی کریمؐ کے سامنے سے ایک گدھا گزرا جس کے چہرے کو داغا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

”اللہ اس پر لعنت کرے جس نے اس کے چہرے کو داغا۔“

۲- نہی رسول اللہ عن التحریش بین البہائم. (۱۹)

”رسول اللہؐ نے جانوروں کو باہم لڑوانے سے منع فرمایا ہے۔“

۳- زندہ جانور کا گوشت کاٹنے سے منع فرمایا اور اس گوشت کو مردار قرار دیا:

ماقطع من البہیمۃ وہی حیة فہی میتة. (۲۰)

”جو کچھ زندہ جانور سے کاٹا جاتا ہے وہ مردار ہے۔“

۴- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنی بکری کو کان سے پکڑ کر کھینچ رہا تھا، نبی

پاکؐ کا گزر اس کے پاس سے ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

دُع اذنیہا وخذ بسالفتہا (۲۱)

”اس کا کان چھوڑ دو اور گردن کی طرف سے پکڑو۔“

۵- بعض واقعات ہمارے ملک میں ایسے بھی بیان کیے گئے ہیں جن میں قاتل نے مقتول کو ہاتھ پیر باندھ

کر گولی یا تیز دھار آلے سے قتل کر دیا۔ آنحضرتؐ نے اس طرح کا سلوک جانوروں کے لئے بھی روا

نہیں رکھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

نہی رسول اللہ أن يتخذ شئ في الروح غرضاً. (۲۲)

”نبی رحمت نے کسی ذی روح کو ”نشانہ“ بنانے سے منع فرمایا ہے۔“

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں:

نہی رسول اللہ أن تصبر البهائم. (۲۳)

”رسول اللہ نے جانوروں کو باندھ کر نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔“

کسی بھی جاندار کو اغوا کرنا، پھر انہیں بھوکا اور پیاسا رکھ کر مار ڈالنا بار بار سننے میں آتا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:

عذبت امرأة في هرة أو ثقتها فلم تطعمها ولم تسقها ولم تدعها تاكل من

خشاش الأرض. (۲۴)

”ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب ہوا کیونکہ اس نے بلی کو باندھا تھا، نہ اسے کھلاتی

پلاتی تھی اور نہ ہی چھوڑتی تھی کہ وہ زمین پر پڑی چیزیں کھا سکے۔“

اسلام کا رب کسی قوم یا گروہ کا رب نہیں وہ رب العالمین ہے۔ اسلام کا پیغمبر ”رحمة للعالمین“

ہے یعنی ہر قسم کی گروہ بندی اور طبقاتی اونچ نیچ سے بالاتر ہو کر تمام عالمین کے لئے رحمت ہے۔ اس لئے اس کی

تعلیمات انسانوں ہی نہیں جانوروں کے لئے بھی رحمت کا پیغام دیتی ہیں۔ لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں

کسی مسلمان یا غیر مسلم پر تشدد، اس کا قتل اور دہشت گردی کسی طرح جائز قرار نہیں دیے گئے۔

ان اہم تصریحات کے بعد ہم روئے سخن تین اہم نکات کی وضاحت کی طرف کرتے ہیں جن کی غلط یا

ناقص تعبیر لوگوں کو ہتھیاراٹھانے پر آمادہ کرتی ہے یا سادہ لوح مسلمان تشدد پسند اور دہشت گرد تنظیموں کے ہاتھوں

استعمال ہوتے ہیں۔

(۱) امر بالمعروف ونہی عن المنکر

(۲) جہاد

(۳) تکلیف

## (۱) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

یعنی اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا امت مسلمہ کا اہم فریضہ ہے لیکن یہ فرض کفایہ ہے۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ یہ کام کر رہے ہوں تو باقی افراد پر سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں غلط فہمی یہ ہے کہ بعض افراد اور گروہ یہ سمجھتے ہیں کہ ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ کا مطلب زبردستی احکام اسلامی پر عمل کروانا اور زبردستی لوگوں کو برائیوں سے روکنا ہے اور اس ضمن میں ہر قسم کا تشدد روا ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو قتل کرنے اور اس کے لئے جہاد کا اعلان کرنے اور عملاً جنگ کرنے کا بھی اختیار ہے۔ علما کی تصریحات کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نہ یہ معنی ہیں اور نہ ہی مسلمان حکومت میں ریاست کی اجازت کے بغیر ایسا کوئی اقدام جائز ہے۔ اس امر کے بنیادی طور پر دو اہم پہلو ہیں:

(۱) مسلمان ریاست میں رہتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قواعد۔

(۲) جہاں مسلمان حکومت نہ ہو وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طریقہ اور حدود۔

اس تفصیل میں جانے سے قبل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعریف نہایت ضروری ہے۔ چند اہم تعریفات ملاحظہ ہوں:

۱- امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

الامر بالمعروف والنہی عن المنکر الذی انزل اللہ بہ کتبہ وأرسل بہ رسلہ من الدین. (۲۵)

”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کا جز ہے جس کے ساتھ اللہ نے اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور اپنے رسول بھیجے۔“

۲- امام فخر الدین الرازی کہتے ہیں:

الدعوة الی الخیر جنس تحتہ نوعان أحد ہما الترغیب فی فعل ما ینبغی وهو الامر بالمعروف والثانی الترغیب فی ترک ما لا ینبغی وهو النہی عن المنکر. (۲۶)

”یعنی دعوت الی الخیر ایک وسیع حکم ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کاموں کو کرنے کی ترغیب دی جائے جو مطلوب ہیں اسی کا نام امر بالمعروف ہے اور دوسرے یہ کہ ان چیزوں کو چھوڑنے کی ترغیب دی جائے جو نامطلوب ہیں ان کو نہی عن المنکر کہا جاتا ہے۔“

۳- علامہ ابو حیان الاندلسی کہتے ہیں:

الظاهر العموم فی کل معروف مأمور بہ فی الشرع وفی کل منہی نہی عنہ فی الشرع. (۲۷)

”ظاہراً معروف ہر اس امر پر مشتمل ہے جس کا شرع نے حکم دیا اور ہر وہ امر جس سے شریعت نے منع کیا وہ المنکر میں شامل ہے۔“

ابوبکر الجصاصؒ فرماتے ہیں:

المعروف هو أمر الله... والمنكر هو ما نهى الله عنه. (۲۸)

”معروف“ اللہ تعالیٰ کا امر ہے اور ”منکر“ وہ ہے جس سے اللہ نے منع کیا ہو۔

علامہ محمود آلوسیؒ کہتے ہیں:

والمبتادر من المعروف الطاعات ومن المنكر المعاصي التي انكرها الشرع.

”بظاہر ”معروف“ سے مراد اطاعتیں ہیں جبکہ منکر سے مراد وہ سب نافرمانیاں ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔“ (۲۹)

علامہ ابن حجر الہیتمیؒ لکھتے ہیں:

المراد بالأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الأمر بواجبات الشرع والنهي عن

محرماته. (۳۰)

”امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے مراد ہے ان چیزوں کا حکم دینا جنہیں شریعت نے واجب

کیا ہے اور ان چیزوں سے منع کرنا جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔“

امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی اچھائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا یقیناً فرض کفایہ ہے لیکن اس میں

افراد کی طرف سے جبر و تشدد شرعاً درست نہیں البتہ جنہیں قدرت حاصل ہے یعنی حاکم و سلطان جبراً معاشرے کو برائیوں

سے روک سکتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ اس موقع پر فرماتے ہیں: امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ہر صاحب قدرت

مسلمان پر واجب ہے اگرچہ یہ فرض کفایہ ہے لیکن صاحب قدرت پر یہ فرض عین ہے اگر اس کے سوا کوئی دوسرا یہ

فریضہ ادا نہ کر رہا ہو۔ یہاں قدرت سے مراد سیاسی اقتدار (سلطان) اور اختیار (ولایت) ہے۔ لہذا ارباب اقتدار کو

دوسرے لوگوں کی نسبت امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر زیادہ قدرت حاصل ہے چنانچہ ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی

ہیں دوسروں پر عائد نہیں ہوتیں۔ (۳۱-۳۲)

علماء عظام کی تصریحات کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق تشدد اور زبردستی کے

بجائے ”الفت و محبت“ سے ہے۔ امام فخر الدین الرازیؒ اس ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

انہ تعالیٰ لما امر بالمعروف والنهي عن المنكر وذالك مما لا يتم الا اذا كان

الامر بالمعروف قادراً على تنفيذ هذه التكليف على الظلمة والمتعالمين ولا

تحصل هذه القدرة الا حصلت الألفة والمحبة بين أهل الحق والدين لا جرم  
حذرهم تعالى من الفرقة والاختلاف لكي لا يصير ذلك سبباً لعجزهم عن القيام  
بهذا التكليف. (۳۳)

”اللہ تعالیٰ نے جو اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا حکم دیا ہے وہ اس وقت تک  
مکمل نہیں ہوتا جب تک حکم دینے والا اس کو اہل ظلم اور حد سے متجاوز لوگوں پر نافذ کرنے پر  
قادر نہ ہو اور یہ قدرت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ اہل حق اور اہل دین کے  
درمیان الفت و محبت ہو اس لئے کہ بلاشبہ اللہ نے انھیں فرقہ فرقہ ہونے اور اختلاف کرنے  
سے ڈرایا ہے تاکہ وہ اس کی وجہ سے اس اہم فریضہ کی انجام دہی سے عاجز نہ رہ جائیں۔“  
یہ نکتہ علامہ نظام نیشاپوری نے بھی بیان کیا ہے۔ (۳۴) امام ابن تیمیہ نے اس نکتے کو یوں بیان کیا ہے:  
من الامر بالمعروف الامر بالائتلاف والاجتماع والنهي عن الفرقة. (۳۵)  
”امر بالمعروف میں سے یہ بھی ہے کہ الفت واجتماع کا حکم دیا جائے اور افتراق پیدا نہ کرنے کا حکم دیا جائے۔“  
ہمارے معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے کے دعویدار حضرات باہمی الفت و محبت  
کے فروغ کے بجائے فرقہ وارانہ نفرتیں پیدا کرنے اور اپنے نقطہ نظر کے غلبے اور استیلاء کے لئے تشدد، دہشت  
پسندی اور دہشت گردی پر اتر آئے ہیں اور اسی کام کا نام انھوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر رکھا ہوا ہے۔  
امام جعفر صادق علیہ السلام سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ تمام  
امت پر واجب ہے؟

فقال: لا، فقيل: ولم؟ قال: انما هو على القوى المطاع، العالم بالمعروف عن  
المنكر، لا على الضعيفة الذين لا يهتدون سبيلاً إلى أى من أى. يقول من الحق  
الى الباطل. (۳۶)

”آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تمام امت پر واجب نہیں۔ پوچھا گیا: کیوں؟ فرمایا: یہ  
ایسے قوی لوگوں پر فرض ہے جن کی اطاعت کی جاتی ہے جو معروف کو منکر سے پہچان سکے۔  
یہ امر کمزوروں پر واجب نہیں ہے جو گمراہی کے راستوں سے ہی واقف نہیں یعنی جو حق کو  
باطل سے تمیز نہیں کر سکتے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں مسلمان حکومت قائم ہو وہاں امر بالمعروف و نہی عن المنکر حکومت کا کام  
ہے جو نظام حسبہ قائم کر کے ان امور پر توجہ دے گی جن میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ جہاں تک انفرادی سطح کا



تعلق ہے تو افراد میل و محبت اور الفت کے ساتھ اس امر کو انجام دیں گے۔ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر تو مومن کو کیا جاتا ہے وہ یا تو نصیحت پکڑتا ہے یا پھر اچھائی اور برائی سے جاہل ہو تو اسے علم ہو جاتا ہے لیکن تلوار اور کوڑے سے یہ کام نہیں ہوتا۔ (۳۷)

امام غزالی نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

و أما المنع بالقهر فليس ذالك لأحد الرعية مع السلطان فان ذالك يحرك الفتنة ويهيج الشر ويكون ما يتولد منه من المحذور أكثر. (۳۸)

”زبردستی برائی سے روکنا حکومت کے ہوتے ہوئے کسی کے لئے روا نہیں ہے کیونکہ اس سے فتنے کو تحریک ہوتی ہے اور شر برا بیچتے ہوتا ہے اور اچھائی کے بجائے وہ باتیں زیادہ پیدا ہوتی ہیں جن سے بچنا چاہیے۔“

فقہ امامیہ میں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ اپنی جان و مال، عزت و آبرو کو کوئی نقصان نہ پہنچے ورنہ نقصان کا احتمال ہونے پر بھی یہ واجب نہیں رہتا۔ اسی طرح فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق:-

با احتمال وقوع ضرر جسمانی یا عرضی و آبروی یا مالی موجب حرج بربعضی مومنین است واجب نمی شود بلکه در بسیاری موارد حرام است. (۳۹)

”بلکہ اگر یہ احتمال ہو کہ بعض مومنین کی عزت و آبرو یا مال کو ضرر پہنچے گا جو موجب حرج ہے تو بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب نہیں بلکہ بعض مواقع پر حرام ہے۔“

اسی طرح اس ضمن میں ایک اور فتویٰ یہ ہے:

اگر جلو گیری از منکرات و اقامہ واجبات موقوف باشد بر جرح و قتل، جائز نیست مگر بہ اذن مجتہد جامع الشرائط با حصول شرائط آن۔ (۴۰)

”یعنی اگر منکرات سے روکنا اور واجبات کا قائم کرنا زخمی کرنے یا قتل کرنے پر موقوف ہو تو یہ جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی مجتہد جامع الشرائط اس کی اجازت دے تو جن شرائط کے ساتھ اس نے اجازت دی ہے ان کے حصول کے بعد یہ جائز ہے۔“

مجتہد جامع الشرائط وہ ہے جو مرد، بالغ، عاقل، حلال زادہ، زندہ و عادل ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں علمائے کرام سے جو تصریحات منقول ہیں ان کا مطالعہ کرتے اور حوالہ دیتے وقت ایک امر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ علماء نے اپنے وقت کے حالات اور معاشروں کو نیز سیاسی صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے احکام بیان کیے ہیں۔ مثلاً معاشرے میں بدی پھیلی ہوئی ہے اور اسلامی حکومت موجود نہیں تو انہوں نے اس فریضے کی ادائیگی کو عمومیت دے دی ہے، اگر معاشرہ معتدل ہے تو اس پر زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ اگر اسلامی حکومت موجود ہے تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ریاست کے ہاتھ میں دیا گیا ہے تاکہ نظم اجتماعی برباد نہ ہو۔

اسلامی جمہوریہ ایران کے مذہبی سربراہ آیت اللہ علی خامنہ ای نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے: ”اسلامی حکومت کے سایہ اور تسلط کے زمانے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مراتب میں سے زبانی امر و نہی کے بعد والے طریقوں کو انتظامیہ اور عدلیہ کے سپرد کیا جانا چاہیے خصوصاً ان موارد پر جہاں منکر کو وقوع سے روکنے کے لئے تسلط اور طاقت کی ضرورت ہے۔ مثلاً جہاں برا کام کرنے والے کے اموال پر تصرف کرنے، اس شخص پر تعزیر جاری کرنے یا اسے قید کرنے میں طاقت کا استعمال ضروری ہو۔ لہذا مکلفین پر واجب ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں صرف زبانی امر و نہی پر اکتفا کریں اور ضرورت کے وقت اس امر کو انتظامیہ و عدلیہ کے عہدے داروں کے سپرد کر دیں۔ جس زمان و مکان میں اسلامی حکومت کا تسلط نہ ہو اور نہ نفوذ ہو تو ایسی جگہوں پر مکلفین پر واجب ہے کہ جب شرائط فراہم ہوں وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو تدریجی مراتب سے انجام دیں یہاں تک کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مقصد حاصل ہو جائے۔“ (۴۱)

جہاں تک حکومت کے سوا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق ہے تو اس کی پہلی ذمہ داری علماء اور دانشوروں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی تقریروں اور لیکچروں کے ذریعے اچھائی اور برائی کی تمیز معاشرے میں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ اگر علماء کا طبقہ وعظ و نصیحت سے کام نہیں لیتا اور اپنے خطابات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتا تو اس ضمن میں حکومتی اور ادارتی کوششیں بے کار ثابت ہوتی ہیں۔

حکومت و ریاست کی طرف سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے محکمے کو محکمہ احتساب کہتے ہیں اور جو شخص خود سے یہ کام زبانی انجام دے وہ گویا ”متطوع“ کہلائے گا۔ امام ابو الحسن ماوردی نے اپنی کتاب ”الاحکام السلطانیة“ میں محتسب و متطوع کے درمیان نو (۹) فرق بیان کیے ہیں جن کا مطالعہ ضروری ہے۔ کتاب کے آخری

- باب (۲۰) میں جو محکمہ احتساب کے متعلق ہے وہ ان فروق کو اس طرح بیان کرتے ہیں: (۴۲)
- ۱- محتسب پر یہ کام ایک متعین فرض کی حیثیت سے لازم ہے جبکہ عام مسلمانوں کے لئے فرض کفایہ ہے۔
  - ۲- محتسب اپنی اس ذمہ داری کو چھوڑ کر دوسرے کام میں مشغول نہیں ہو سکتا جبکہ عام آدمی کے لئے یہ شرط نہیں۔
  - ۳- محتسب کو برے کاموں کے ارتکاب کی اطلاع دی جاتی ہے جبکہ عام آدمی سے شکایت نہیں کی جاسکتی۔
  - ۴- محتسب پر فرض ہے کہ وہ شکایت پر کان دھرے، مگر متطوع پر یہ لازم نہیں۔
  - ۵- محتسب برائیوں کی جستجو کر سکتا ہے تاکہ انھیں مٹا سکے، عام آدمی کے لئے تجسس جائز نہیں۔
  - ۶- محتسب برائیوں کو مٹانے کے لئے حکومتی کارندوں کو طلب کر سکتا ہے تاکہ قوت کے ساتھ یہ کام کر سکے جبکہ متطوع ایسا نہیں کر سکتا۔
  - ۷- محتسب کھلی برائی کے ارتکاب پر تعزیری سزا دے سکتا ہے جبکہ متطوع ایسا نہیں کر سکتا۔
  - ۸- محتسب کو بیت المال سے تنخواہ ملتی ہے جبکہ متطوع کو نہیں ملتی۔
  - ۹- جن امور کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ رواج سے ہے ان کے بارے میں وہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ انھیں باقی رکھے یا بند کر دے یعنی جیسا مناسب ہو وہ کرے۔ عام آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔
- امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر قدرے تفصیلی کلام اس لئے کیا گیا ہے کہ بہت سی تنظیمیں اور مدارس اسی کے سہارے معاشرے میں فساد پھیلا رہے ہیں اور لوگوں پر تشدد کرنا اور قتل کر دینا تقریباً معمول کی باتیں بن گئی ہیں جبکہ یہ سارے کام ”امر بالمعروف“ و ”نہی عن المنکر“ کے سہارے کیے جا رہے ہیں حالانکہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر میں اس فریضے کی ادائیگی میں دو فریقوں کو غلط قرار دیا ہے ایک وہ گروہ جو سورہ مائدہ کی آیت (۱۰۵) کا سہارا لے کر کہتا ہے کہ میں ہدایت پا گیا تو پھر اب میں صرف اپنے کو دیکھوں گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اس آیت کو غلط موقع پر استعمال کرتے ہو کیونکہ میں نے نبی کریمؐ کو کہتے ہوئے سنا کہ: ان الناس اذا رأوا المنکر فلم یغیروہ اوشک ان یرمہم اللہ بعقاب منہ (۴۳) لوگ جب منکر کو انجام ہوتا دیکھیں مگر اسے تبدیل نہ کریں تو مجھے خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان منکرات پر عمل کرنے والوں پر عذاب کرتے ہوئے انھیں بھی شامل نہ کر لے۔ دوسرا فریق وہ ہے جو چاہتا ہے کہ وہ اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے خواہ اپنی زبان سے خواہ مطلقاً ہاتھ سے ”من غیر فقہ ولا حکم، ولا صبر ولا نظر فی ما یصلح من ذالک و ما یصلح وما یقدر علیہ و ما لا یقدر“
- بغیر فقہم کے اور بغیر حکمت کے، بے صبری کی حالت میں ایسے میں اس پر بھی نظر نہیں ہوتی کہ کیا درست ہو رہا ہے

اور کیا خراب، نیز یہ کہ کس کام پر ہم قادر ہیں اور کس پر نہیں (۲۴) اس مقام پر پہنچ کر وہ نبی کریم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو ابو ثعلبہ الخشنیؓ سے مذکورہ آیت (مائدہ: ۱۰۵) کی تفسیر میں منقول ہے: میں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا کہ کیا امر بالمعروف کی ضرورت اس آیت سے باقی نہیں رہی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہیں ہے، تم اچھی بات بتلاؤ اور برے کام سے منع کرو یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ بخیل کی تابعداری کی جارہی ہے، خواہش نفس کی متابعت ہو نیز دنیا اختیار کی جائے، ہر صاحب رائے اپنی رائے پر غرور کرے تو تم اپنی ذات کو لازم پکڑو اور اپنی طرف سے عوام کو چھوڑ دو اس لیے کہ پھر تمہارے آگے صبر کے دن ہیں اور ان دنوں میں صبر ایسا ہے جیسے چنگاری ہاتھ میں رکھے اور ان دنوں میں عمل کرنے والے کے لیے ثواب پچاس افراد کے برابر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یہ پچاس شخصوں کا ثواب جو ہے وہ شخص انہیں میں سے ہے فرمایا نہیں، بلکہ تم میں سے پچاس شخص۔ (۲۵)

ایسے گروہ کے بارے میں ابن تیمیہ صاف کہتے ہیں: فیأتي بالأمر والنهي معتقداً انه مطيع في ذلك الله ورسوله وهو معتد في حدوده. (۲۶) ”یعنی یہ گروہ امر و نہی اس اعتقاد کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر رہا ہے، حالانکہ وہ ان کی حدود کو توڑ رہا ہوتا ہے۔“

## (۲) جہاد

دوسرا اہم مسئلہ، جو دراصل امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرع ہے، مسئلہ جہاد ہے جس کا آج کل بہت شور و غوغا ہے۔

”جہاد“ اسلامی احکام میں سے ایک اہم حکم ہے اور یہ تاقیامت باقی رہے گا۔ اس کے اصول اور فروع دونوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں۔ نیز یہ کہ مختلف گروہ اور تنظیمیں ”جہاد“ کے نام پر جو کچھ کر رہی ہیں وہ جہاد نہیں دہشت گردی ہے۔ کن مواقع اور کن حالات میں یہ جہاد ہے اور کن مواقع اور حالات میں ”دہشت گردی“ ہے یہ ایسے مسائل ہیں جن کا تعین بہت ضروری ہے کیونکہ ان امور کے واضح نہ ہونے کے سبب حالات روز بہ روز خراب سے خراب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس ضمن میں چند اہم سوالات بنیادی اہمیت رکھتے ہیں:

- ۱- غیر مسلموں کے بارے میں اسلام کا جو رویہ عہد رسالت میں تھا کیا وہ کوئی ”مطلق اور یک معنوی“ ہے یا سیاسی اور معاشرتی حالات کے تابع ہے؟
- ۲- مسلمان ریاستیں امت کے وسیع تصور کے بجائے اب ”قومیت“ کے تصور پر قائم ہیں۔ ان حالات

میں ایک مسلمان ریاست پر غیر مسلموں کے حملے کی صورت میں ہمسایہ مسلمان ممالک اور ان میں بسنے والے مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے؟

- ۳۔ اسلامی ممالک میں باقاعدہ سرکاری فوجیں موجود ہیں۔ کیا ان کی موجودگی میں افراد، گروہ، تنظیمیں اپنے طور پر کسی ”جہاد“ کو شروع کر سکتی ہیں یا مسلح ہو کر کارروائیاں کر سکتی ہیں؟
- ۴۔ مسلمان حکمران کے دور میں اگر دین پر عمل کرنے کی آزادی ہو تو کیا کوئی گروہ یا تنظیم محض اس لئے جدوجہد کر سکتی ہے کہ اس کے خیال میں ”حکمران طبقہ“ پورے طور پر اسلام پر عمل نہیں کر رہا ہے؟
- ہمارے خیال میں ان اصولی امور کے تعین کے بعد بعض ضمنی مسائل خود بہ خود حل ہو جاتے ہیں مثلاً کیا خودکش حملہ جائز ہے؟ کیا مسلمانوں کے اجتماعات کو نشانہ بنانا درست ہے؟ کیا کسی اسلامی فرقے کے پیروکاروں کو جو توحید، رسالت، ختم نبوت اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں کسی دوسرے فرقے کے لوگ اس لئے قتل کر سکتے یا تشدد کا نشانہ بنا سکتے ہیں کہ ان کے خیال میں دوسرا فرقہ تعبیر کی غلطی میں مبتلا ہے؟ وغیرہ۔ اس آخری نکتے پر ہم علیحدہ سے بھی گفتگو کریں گے۔

اب ہم ان سوالات پر ترتیب سے گفتگو کرتے ہیں:

پہلا سوال: غیر مسلموں کے بارے میں اسلام کا جو رویہ عہد رسالت میں تھا کیا وہ کوئی مطلق اور یک معنوی مفہوم رکھتا ہے یا سیاسی اور معاشرتی حالات کے تابع ہے؟ قرآن مجید اور سیرت نبوی سے اس کا واضح جواب یہ حاصل ہوتا ہے کہ عہد رسالت اور خاص طور پر مدنی دور میں مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے متعلق ہدایات ”مطلق اور یک معنوی“ نہیں ہیں۔ بلکہ سیاسی اور معاشرتی حالات کے تابع ہیں۔ انہیں ”مطلق اور یک معنوی“ قرار دینا قرآنی تعلیمات کے معاشرتی ارتقا اور سیرت نبوی سے اس کے تعلق سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔

یہودی اور عیسائی ایک طویل عرصے سے مدینہ اور خیبر میں آباد تھے نیز شام اور مصر کے راستے ان کے تعلقات یمن اور حبشہ کی ریاستوں سے بھی تھے جہاں ان دونوں مذاہب کے ماننے والے رہتے تھے۔ قرآن مجید یہودیوں، عیسائیوں، صائبین اور مجوسیوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ (۴۷) اور یہ مژدہ سناتا ہے کہ اگر یہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں تو ان کا اجر اللہ کے پاس ہے، وہی ان کا فیصلہ کرے گا۔ مکہ والوں کے اہل مدینہ سے بھی تعلقات تھے اور اہل مکہ ان اختلاف عقائد سے واقف تھے جو ان کے اور اہل مدینہ کے درمیان پائے جاتے تھے۔ لیکن پورے مکی دور میں قرآن مجید کی کوئی آیت ان مذاہب یا ان کے پیروکاروں کے خلاف نازل نہیں ہوئی بلکہ قرآن مجید اس بات پر زور دیتا ہے کہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ یہ وہی دین ہے جو آدم علیہ

السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام پیغمبر لاتے رہے۔ اگر یہودیت اور یہودی، مسیحیت اور مسیحی حضرات قرآن کی نظر میں مطعون اور مسلم دشمن ہوتے تو ابتدا ہی سے ایسی آیات نازل ہوتیں جو ان کی مسلمان دشمنی اور ان سے مسلمانوں کی دشمنی کو واضح کرتیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا۔

بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ کے واقعات میں کہیں منقول نہیں کہ آنحضرتؐ نے یہودیوں اور مسیحیوں کی طرف سے انتہائی خدشات کا اظہار کیا ہو یا مدینہ میں بسنے والی دوسری قوموں کی طرف سے آپؐ نے بدگمانی کی ہو۔ آنحضرتؐ کے جملے اس موقع پر بہت عمومی ہیں۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انصار سبھی اوس و خزرج سے تعلق رکھتے تھے جو اکثر یہودی تھے اور جو ان میں یہودی نہیں تھے وہ ان سے گہرا ربط رکھتے تھے اور ان کے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ عرب میں یہودیوں کی آمد کے متعلق متعدد اقوال ہیں جن سے ہمیں بحث نہیں لیکن اوس و خزرج کا داخلہ سیل عرم کے بعد ہوا ہے یہ جب مدینہ آئے تو یہودیوں کا مذہبی غلبہ تھا اور دونوں کے باہمی تعاون سے ان کی جمعیت بڑھتی چلی گئی۔ قرآن مجید میں ”والذین ہادوا“ (البقرہ: ۶۲، الحج: ۱۷) (جو لوگ یہودی ہو گئے) جیسی تعبیرات فلسطین سے آنے والے یہودیوں کے لیے نہیں قبائل عرب اور دیگر ہجرت کرنے والوں کے لیے استعمال ہوئی ہے جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ مدینہ کے یہودی مذہبی تعلیم اور تعلم میں بہت پختہ تھے جبکہ بعض افراد تو سربر آوردہ بھی ہوئے ہیں۔ ہمیں تلمود میں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے سو سال قبل لکھی جا چکی تھی، شمعون تیمانی (Simeon Temanite) کا پتہ چلتا ہے جس کی شہرت ایک فقیہ اور مسلم الثبوت یہودی عالم کی تھی۔ اس کا ذکر مدراس میں بھی ہے۔ (۴۸)

آیہ مبارکہ ”لا اکراہ فی الدین“ (البقرہ: ۲۵۶) کی تفسیر میں علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ انصار اسلام لانے سے قبل یہودیت کو سب سے افضل دین سمجھتے تھے اور اپنے بچوں کو یہودی بناتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اس نے اس طرح زبردستی یہودی بنانے سے منع کر دیا۔ (۴۹) یہودیوں کے دینی مدرسے جنہیں مدراس کہا جاتا تھا مدینہ میں موجود تھے اور وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحابؓ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے جس کا ذکر صحیح بخاری میں تین مقامات پر آیا ہے۔ (۵۰)

انصار یا اہل مدینہ کی پہلے بیعت، پھر بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریمؐ نے ان سے چند باتوں پر بیعت لی تھی جو یہ ہیں: شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور انتر پردازی کے مرتکب نہیں ہوں گے اور رسول اللہؐ جو اچھی بات کہیں گے اس سے سرتابی نہیں کریں گے۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ دوسری بیعت اس پر لی گئی تھی کہ انصار آپؐ کی جان کی حفاظت کریں گے۔ اسی طرح مدینہ کو ہجرت کرنے کے بعد جو دستاویز تیار کی گئی تھی اور جو عام طور پر میثاق مدینہ کہلاتی ہے

یہودیوں سے دوستی اور باہمی امداد کی شقوں پر مبنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہودیوں وغیرہ سے کوئی دینی دشمنی نہیں تھی بلکہ ابراہیمی نسل سے ہونے کے سبب وہ دینی طور پر مسلمانوں کے رشتہ دار ہیں اور ان سے ازلی نفرت کی کوئی بنیاد موجود نہیں۔ رسول اللہ کی مدنی زندگی کا بغور مطالعہ کریں، خاص طور پر مسلمانوں کے مدینہ میں مضبوط ہونے کے بعد ان کی مسلمانوں کے خلاف سازشیں تفصیل سے پڑھیں، ان کے کفار قریش سے مجرمانہ تعلقات کو ذہن میں رکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ آیات جن میں یہود و نصاریٰ سے قطع تعلق، انھیں پکا دشمن سمجھنے اور انھیں موقع ملتے ہی قتل کر دینے کے احکام دیئے گئے ہیں، یہ سب سیاسی اور معاشرتی دباؤ اور حالات کا نتیجہ تھے۔ آیات اس طرف واضح اشارہ کرتی ہیں۔

عہد رسالت میں مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات پر تحقیق کرنے والے پہلے مسلمان اسکالر برکات احمد (۵۱) نے اپنی کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے:

”غیر مسلموں کے بارے میں بعض معروف ذہنی رجحانات کو مسلم فقہاء اور مورخین نسلاً بعد نسل اس طرح دہراتے آئے ہیں کہ اس نے ایک متعین شکل اختیار کر لی ہے۔ مسلم یہود تعلقات کی تاریخ میں ذمیوں کے خلاف تعصب اور امتیاز کا موضوع خاص طور پر فقہی کتابوں کے باعث ایک طرح سے دیباچے کا کام کرتا ہے۔ بد نصیبی یہ ہے کہ اس رویے کی وجہ سے تاریخ کو اکثر و بیشتر فقہ کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے اور ان روایات کے حق میں تاریخی حقائق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ مذہبی رنگ میں رنگ گئی ہیں۔“ (۵۲)

ابھرتی ہوئی مسلمان مملکت کے خلاف اس وقت کے یہودی عمائدین کے کفار قریش سے تعلقات اور ان سے مل کر سازشیں کرنا تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی سازشیں کرنے والوں اور جنگیں مسلط کرنے والوں کو برداشت یا معاف نہیں کیا جاسکتا تھا اور ان کی سرکوبی ضروری تھی۔ اسی پس منظر میں وہ آیات نازل ہوئی ہیں جنہیں پیش کر کے آج بھی یہود و نصاریٰ کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو یہودی یا مسیحی یا کسی اور مذہب و ملت سے تعلق رکھنے والے افراد یا ریاستیں مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں اور جنگیں مسلط کریں ان پر انہی آیات کا اطلاق ہوگا اور جن کا رویہ مثبت ہوگا ان پر ان آیات کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

دوسرا سوال بھی اس دور میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ امت کا تصور نہ صرف روحانی بلکہ سیاسی سطح پر بھی ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے وابستہ کرتا تھا خواہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنی ہی دور رہتے ہوں لیکن

مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کی توسیع نے جہاں نئے علاقوں کو اپنی گرفت میں لیا اور بڑی سلطنتیں وجود میں آئیں اور ایک دوسرے کے خلاف نیز غیر مسلم طاقتوں کے خلاف بھی نبرد آزما ہوئیں لیکن ان جنگوں کو ”جہاد“ نہیں کہا گیا اور نہ ہی ایک مسلمان مملکت کی غیر مسلم طاقت سے جنگ کو دوسری مسلمان مملکت نے جہاد سمجھ کر اس کا ساتھ دیا۔ مسلمان ممالک پہلے بھی اپنی تنخواہ دار فوج رکھتے تھے اور اب بھی فوجیں تنخواہ دار ہوتی ہیں، ”تفیر عام“ کی اصطلاح صرف کتابوں تک محدود ہے اور تنخواہ دار فوج کے وجود نے شرعی جہاد کی صورت، اگر کبھی پیدا ہو تو، اسے ”فرض کفایہ“ بنا دیا ہے۔ اگر کسی مسلمان ملک کی فوج کسی سے لڑ رہی ہو تو غیر فوجی حضرات کی ان کے کاموں میں مداخلت جرم تصور ہوتا ہے نہ کہ جہاد۔ اب فوجیں ”ممالک اور ریاستوں“ کی فوجیں ہوتی ہیں اور ان میں تمام مذاہب اور قومیتوں سے تعلق رکھنے والے ہمدے دار ہوتے ہیں جو بہ حیثیت فوجی اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں۔

اس صورت حال کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جنگ حکومت کی ایما اور حکم سے تنخواہ دار فوج لڑا کرتی ہے عوام اسے جہاد تصور کریں یا جنگ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عراق ایران جنگ دو ملکوں کی دو فوجوں کے درمیان جنگ تھی اور اسی طرح کویت پر عراق کے قبضے کے بعد اتحادی فوجوں سے مل کر عربوں نے جو جنگ کی وہ بھی سیاسی جنگ ہی تھی۔

پہلی جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ کا اتحاد مسیحی آسٹریلیا، ہنگری اور جرمنی کے ساتھ تھا مسلمانوں نے اسے جہاد تسلیم نہیں کیا حالانکہ سلطنت عثمانیہ ”خلافت“ تصور کی جاتی تھی۔ (۵۳)

اسی طرح ترکان عثمان اور ایرانیوں کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں دونوں طرف سے لاکھوں مسلمان لقمہ اجل بنے، دونوں طرف سے اعلان جنگ تھا اور اسے جہاد کسی بھی صورت سے نہیں کہا جاسکتا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب چونکہ مسلمان ریاستیں بھی پہلے ”قومی ریاستیں“ ہیں اور بعد میں ”مسلمان ریاستیں“ لہذا ایک جگہ کے مسلمانوں پر دوسری جگہ کے مسلمانوں کی اخلاقی مدد کی ذمہ داری تو موجود ہے ”عسکری امداد“ کی ذمہ داری خود اس حکومت پر عائد ہوتی ہے جو جنگ میں ملوث ہے۔ امت مسلمہ کا دفاع یقیناً سب کی ذمہ داری ہے مگر صرف اس وقت جب قومی ریاستیں نہ ہوں بلکہ امت کا تصور ہو۔ پہلی صورت میں دفاع کی ذمہ داری صرف حکومت اور اس کی فوج پر ہے۔ اس مقام پر یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ مسلمان ریاستوں کا ایک دوسرے سے نبرد آزما ہونا اس لیے بھی جہاد نہیں کہا جاسکتا کہ تعلیمات اسلامی کی رو سے ایک مسلمان دوسرے کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھا سکتا جیسا کہ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا باقاعدہ فوجوں کی موجودگی میں کوئی فرد، گروہ، جماعت وغیرہ مسلح ہو کر اپنے



طور پر جہاد کے نام پر کارروائیاں کر سکتی ہے تو اس کا جواب شرعاً اور عقلاً دونوں طرح نفی میں ہے کیونکہ:

۱۔ گروہ یا فرد کو اس امر کی اجازت مل جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے طور پر صورتحال کو اس قدر نازک قرار دے دے جو جہاد کی متقاضی ہو یا ایک گروہ یا جماعت کسی وقت جہاد کو ضروری اور دوسرے وقت غیر ضروری قرار دے۔ اس طرح لاقانونیت پھیلتی ہے اور لوگوں کی زندگی چند ہاتھوں میں کھلونا بن جاتی ہے جیسا کہ پاکستان میں ہو رہا ہے۔

۲۔ جہاد صرف شرعی اور سماجی بصیرت ہی کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ اپنے اثرات کے لحاظ سے بھی اہم ہے۔ اس کے نتیجے میں مرد اور جوان مارے جاتے ہیں، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوتے ہیں جن کی کفالت اور تربیت کی ذمہ داری اعلان جہاد کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے۔ معاشرے کو بغیر ان تمام انتظامات کے جہاد کے نام پر کسی جنگ میں نہیں دھکیلا جاسکتا۔

۳۔ جہاد ایک شرعی فریضہ ہے جو اپنی تمام شرائط کے ساتھ کسی پر واجب ہوتا ہے۔ ان میں حصہ لینے والے افراد کے حالات و رہن سہن کا بھی اس میں دخل ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں کئی واقعات ایسے ملتے ہیں جن میں آپؐ نے بعض حضرات کو جہاد میں حصہ لینے سے روک دیا ہے۔ یہ فیصلہ اعلیٰ ترین دینی بصیرت اور شرعی اتھارٹی کا متقاضی ہے۔ اس کی نزاکتوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

۴۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمان حکومت کی موجودگی میں اس کی باقاعدہ فوج حکومت کی اجازت سے جہاد یا جنگ کر سکتی ہے کوئی گروہ اس اتھارٹی کو نظر انداز کر کے ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کی تشریح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد مبارک میں خوارج کے ساتھ معاملات میں ہوئی جنہوں نے اپنے طور پر نہ صرف معاشرے کے سدھار کی ذمہ داری لے لی تھی بلکہ خود ہی جہاد اور اس کی ضرورتوں کی تشریح کرنی شروع کر دی تھی۔ اس بارے میں علماء و فقہاء کا نظریہ ”قرآن و سنت“ کی روشنی میں بالکل واضح ہے۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک گروہ نے اپنی تاویل کے مطابق ان کے خلاف بغاوت کی لیکن اس گروہ کو محض ان کی تاویل کی بنا پر کوئی برسر حق نہیں کہتا۔

فاسق حکمرانوں کے بارے میں جمہور فقہائے اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ ان کے خلاف خروج اور مسلح جدوجہد جائز نہیں تاہم ان کی اصلاح کے لئے وعظ و نصیحت، دعوت و ارشاد اور جہاد باللسان سے کام لیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ رائے عامہ کے دباؤ اور دوسرے پرامن ذرائع سے اسے معزول کرنے کی سعی کی جائے گی۔ (۵۴) اس کی دلیل میں صحیح مسلم میں موجود عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی نبی کریمؐ کا یہ فرمان پیش کیا جاتا ہے: ”تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور جن کے لئے تم

دعا کرو اور وہ تمہارے لئے دعا کریں اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں، تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔“

فقلنا: يا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم افلا تنابذهم بالسيف عند ذلك، قال لا ما أقاموا فيكم الصلاة. الامن ولي عليه وال فراه يأتي شيئاً من معصية الله فليكره ما يأتي من معصية الله ولا ينزعن يدأمن طاعة. (۵۵)

”ہم نے پوچھا اے اللہ کے رسول کیا ایسی حالت میں ہم تلوار کے ذریعے ان کا مقابلہ نہ کریں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں۔ سنو! جس شخص پر کوئی فرد حکومت کر رہا ہو اور وہ اس میں اللہ کی نافرمانی دیکھے تو اللہ کی اس معصیت کو برا سمجھے لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔“

اسی طرح صحیح مسلم ہی کی حدیث ہے جنادة بن ابی امیة کہتے ہیں کہ ہم عبادۃ بن صامت (رضی اللہ عنہ) کے پاس ان کی حالت مرض میں گئے اور ان سے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے رسول اللہ سے سنی ہو۔ عبادۃ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں طلب کیا تو ہم نے آپ کی بیعت کی۔ جن باتوں پر آپ نے ہم سے بیعت لی ان میں یہ تھا کہ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے خواہ ہم حکم سے خوش ہوں خواہ ناخوش، خواہ تنگی ہو خواہ فراخی اور خواہ ہم پر دوسرے کو ترجیح دی جائے نیز یہ کہ ہم کسی امر میں اس کے اہل سے نہ جھگڑیں گے سوائے اس کے کہ تم اس سے ایسا کھلا کفر صادر ہوتے ہوئے دیکھو جس کے خلاف تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح برہان ہو۔ (۵۶) واضح ہو کہ یہ جنادہ بن ابی امیة تابعی ہیں اور ان کے والد کا نام کبیر ہے۔ (۵۷)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فتح الباری فی شرح صحیح البخاری میں لکھا ہے:

وقد أجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وأن طاعته خير من الخروج عليه، لما في ذلك حقن الدماء وتسكين الدهماء وحثهم هذا الخبر وغيره مما يساعده، ولم يستثنوا من ذلك إلا إذا وقع من السلطان الكفر الصريح فلا تجوز طاعته في ذلك، بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها. (۵۸)

”یعنی فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جو غلبہ سے حاکم بن جائے اس کی اطاعت اور اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا واجب ہے نیز یہ کہ اس کی اطاعت کرنا اس پر خروج کرنے سے بہتر

ہے کیونکہ اس میں بڑے پیمانے پر خون خرابے کا خطرہ ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث اور اس کی تائید کرنے والی دوسری احادیث ہیں۔ ان فقہاء نے اس سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے سوائے اس کے کہ حاکم وقت سے کفر صریح ظاہر ہو تو پھر اس کی اطاعت جائز نہیں، بلکہ جس میں قدرت ہو اس پر ایسے حاکم کے خلاف جہاد واجب ہے۔“

صحیح مسلم ہی میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس وقت تم پر ایسے لوگ حکومت کریں گے جن کے کچھ کام تمہیں اچھے لگیں گے اور کچھ کام برے پس جس نے ان کے برے کام کو برا سمجھا وہ بچ گیا لیکن جس نے ان کو پسند کیا اور ان کی پیروی کی وہ تباہ ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کیا ہم ان سے لڑائی شروع نہ کریں، فرمایا نہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔ (۵۹) سے ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (۶۰)

انام نوویؒ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے:

ففيه معنى 'ما سبق أنه لا يجوز الخروج على الخلفاء بمجرد الظلم أو الفسق ما لم يغيروا أشياء من قواعد الإسلام'. (۶۱)

”یعنی اس حدیث میں وہی مفہوم بیان ہوا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ امراء کے خلاف محض ان کے ظلم و فسق کی وجہ سے خروج جائز نہیں ہے جب تک وہ اسلام کے اصول و قواعد میں تبدیلی نہ کریں۔“

شیخ محمد تقی عثمانی نے لکھا ہے:

”اگر ایک مسلمان حاکم ہے تو وہ حاکم کتنا ہی برا کیوں نہ ہو مباحات کے دائرے میں اس کا بنایا ہوا قانون واجب الاطاعت ہے جب تک وہ قانون کسی گناہ پر مجبور نہ کرے اس کی تعمیل ضروری ہے۔ یہ بات اب ہمارے ذہنوں سے نکل گئی ہے کہ قانون کی خلاف ورزی بھی کوئی گناہ کی بات ہے اب تو اچھے خاصے بڑے بڑے علمائے کرام بھی اس کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اس طرز عمل کی واضح تردید کرتی ہے۔“ (۶۲)

پتہ چلا کہ مسلمان حاکم وقت کے خلاف اٹھنا اور مسلح جدوجہد کرنا، اس کی اجازت کے بغیر ایسی کارروائیاں کرنا اور اس کے بنائے ہوئے قوانین کو نہ ماننا اور انہیں توڑنا سب غیر شرعی ہے۔ فقہائے کرام نے باغیوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

ہم الخارجون عن الامام الحق بغیر الحق۔

”یہ وہ لوگ ہیں جو برحق حکومت کے خلاف بغیر حق کے بغاوت کرتے ہیں۔“ (۶۳)

امام مالکؒ کی رائے نقل کرتے ہوئے امام سخون مصری کہتے ہیں:

”جنگ صرف امام عادل کی قیادت میں کی جاسکتی ہے خواہ پہلا امام عادل ہو خواہ وہ جس

نے خروج کیا ہو۔ اگر دونوں غیر عادل ہوں تو دونوں سے الگ رہنا چاہیے۔ ہم اسی عادل

وصالح شخص کی قیادت میں جنگ کریں گے جسے اہل حق نے امامت کے لئے آگے بڑھایا

ہو۔“ (۶۴)

اس تمام تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان حکومت کے خلاف جنگ نہیں کی جاسکتی جب تک ملک میں احکام اسلامی پر عمل کی اجازت ہے اور حلال خدا کو حرام، حرام خدا کو حلال قرار نہ دیا جائے اور نہ ہی مسلمان حکومت کی اجازت کے بغیر لوگ مسلح ہو کر نفاذ شریعت یا جہاد کے نام پر تحریکیں چلا سکتے ہیں اور نہ ہی حکومت کی اجازت کے بغیر پڑوسی ملک پر قابض غیر مسلموں سے جنگ کر سکتے ہیں۔

### (۳) مسئلہ تکفیر

مسلح جہادی تحریکیں جس خون خرابے کی مرتکب ہو رہی ہیں، خود کش حملے، بموں اور راکٹوں سے حملے، کلاشنکوفوں کا اجتماعات پر استعمال، قتل ہدف (Target killing) وغیرہ ان تمام اعمال شنیعہ کی ایک بڑی وجہ لوگوں کو کافر سمجھنا، کافر قرار دینا اور پھر نتیجے کے طور پر ”واجب القتل“ قرار دینا ہے اور اس مقصد کے لئے جن لوگوں کو استعمال کیا جاتا ہے زیادہ تر نا سمجھ، سن رشد کونہ پہنچے ہوئے اور غیر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ انھیں اس امر کا یقین دلایا جاتا ہے کہ اس عمل کے نتیجے میں انھیں ”جنت“ فوری طور پر حاصل ہو جائے گی۔ اس تصور کی تبلیغ اور اس کے لئے سادہ لوح افراد کو ذہنی اور فکری طور پر آمادہ کرنے کے لئے بڑی محنتیں کی جاتی ہیں اور عموماً ”جذباتی“ افراد کو جذباتی باتیں کر کے ”بم دھماکے کرنے اور دہشت گردی کی دیگر صورتوں کو انجام دینے پر“ آمادہ کر لیا جاتا ہے۔

”تکفیر“ یعنی کسی کو کافر قرار دینا انتہائی اہم موضوع اور انتہائی نازک کام ہے۔ اس کی سب سے پہلے دو جہتیں ہیں۔ (۱) ”کافر“ کو کافر کہنا یا لکھنا جب کہ قرآن و سنت کی رو سے وہ کافر ہو۔ (۲) کسی مسلمان کو کافر کہنا۔ اس بحث میں داخل ہونے سے قبل ہمیں مختصراً یہ دیکھنا چاہیے کہ قرآن مجید میں ”کفر“ کا اطلاق کن کن صورتوں پر کیا گیا ہے۔

- قرآن مجید میں ”کفر“ کا اطلاق پانچ وجوہ پر ہے:
- ۱۔ کفر بمعنی انکار کرنا جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا:
- إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ. (۶:۲)
- ”اور جن لوگوں نے انکار کیا ان کے لئے برابر ہے خواہ آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“
- ۲۔ بمعنی چھپانا: جیسا کہ سورۃ الحج، آیت ۲۵ میں فرمایا:
- إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ.
- ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے توحید کو چھپایا (پردہ ڈالنے کی کوشش کی) اور یہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔“
- ۳۔ پہچاننے سے انکار کر دینا۔ سورہ بقرۃ میں ارشاد فرمایا:
- فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ. (۸۹:۲)
- ”یعنی جب وہ بات آگئی جس کو یہ جانتے تھے تو انہوں نے پہچاننے سے انکار کر دیا۔“
- ۴۔ ناشکری کے معنی میں یہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ، آیت ۱۵۲ میں ارشاد ہوا:
- وَاشْكُرُوا لِي وَ لَا تَكْفُرُونِ.
- ”میرا شکر ادا کرو، ناشکری نہ کرو۔“ یا سورہ لقمان میں ارشاد فرمایا:
- وَ مَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَ مَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ حَمِيدٌ. (آیت نمبر ۱۲)
- ”جو شکر ادا کرتا ہے وہ خود اپنے نفع کے لئے اور جو ناشکری کرتا ہے تو جان لے کہ میرا رب بے نیاز اور بہت قابل حمد ہے۔“
- ۵۔ کفر بمعنی بیزار ہونا ہے۔ چنانچہ سورۃ ابراہیم (آیت ۲۲) میں فرمایا:
- إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونَ مِنْ قَبْلُ.
- ”شیطان کہے گا کہ جو اس سے قبل تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا میں اس سے بری الذمہ ہوں۔“
- اسی طرح سورہ عنکبوت میں فرمایا:
- ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ. (آیت نمبر ۲۵)

”روزِ قیامت تم ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کرو گے۔“ (۶۵)

تکفیر ہمارے زیر بحث موضوع میں پہلے معنی سے متعلق ہے یعنی کسی مسلمان کو مسلمان ماننے سے انکار کرنا، یہ کہنا کہ وہ اللہ، اس کے رسول خاتم النبیین، آسمانی کتابوں میں خاص کر قرآن مجید، یومِ آخرت وغیرہ ضروریاتِ دین پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہ کلمہ زبان پر ہلکا لیکن اپنے اثرات میں انتہائی خطرناک ہے۔ اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا. (النساء: ۴: ۹۴)

”اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو کوئی تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کیا کرے تو اس سے دنیوی زندگی کی خواہشوں میں پڑ کے یوں نہ کہہ دیا کرو کہ تم مومن نہیں ہو۔ جبکہ اللہ کے پاس بہت سے مال ہیں۔ پہلے بھی تم ایسے ہی تھے (دنیا کے حرص کرنے والے) پس اللہ نے تم پر احسان کیا پس تحقیق کر لیا کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

حضرت ابودرداءؓ کسی لشکر کے ساتھ جارہے تھے وہ قضاء حاجت کے لئے ایک گھاٹی میں اترے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو لے کر جا رہا تھا۔ حضرت ابودرداءؓ نے اس پر تلوار سے حملہ کیا۔ اس نے کہا: لا الہ الا اللہ لیکن حضرت ابودرداءؓ نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر اپنے اصحاب کے پاس آگئے، پھر ان کے دل میں اضطراب ہوا اور انہوں نے رسول اللہؐ سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا۔ اس نے اپنی زبان سے اپنے اسلام لانے کی تم کو خبر دی اور تم نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ حضرت ابودرداءؓ نے رسول اللہؐ سے پوچھا: اب میرا کیا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا: اب ”لا الہ الا اللہ“ کا کیا ہوگا۔ میں بار بار حضور انورؐ سے یہی پوچھتا اور آپؐ یہی جواب دیتے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ یہ واقعہ میرے اسلام لانے سے پہلے ہوا ہوتا۔ (۶۶)

اسی قسم کا ایک واقعہ صحیح مسلم، صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اسامہؓ کہتے ہیں یا رسول اللہؐ اس نے حملے کے خوف سے ”لا الہ الا اللہ“ کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا کہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کہا ہے کہ نہیں۔ (۶۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو سلیم کا ایک شخص اصحابِ رسولؐ کے پاس سے

بکریاں چراتے ہوئے گزرا تو اس نے سلام کیا۔ صحابہؓ نے کہا کہ اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لئے سلام کیا ہے۔ انھوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر نبی کریمؐ کے پاس پہنچے۔ اس موقع پر یہ آیت (النساء: ۹۴) نازل ہوئی۔ (۶۸) اسامہ بن زیدؓ والی روایت شیعہ ماخذ میں بھی وارد ہوئی ہے۔ (۶۹)

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص ظاہری طور پر مسلمان ہو اور اپنے اسلام کا اظہار کرتا ہو اسے مسلمان تسلیم کیا جائے گا اور ظاہری حکم اسی پر ہوگا۔ ملا علی قاریؒ نے فرمایا:

«دخل كافر في الملة الاسلامية أو اخرج مسلم عنها عظيم في الدين. (۷۰)

”کافر کو ملت اسلامیہ میں شامل کر لینا اور ایک مسلمان کو اسلام سے خارج کر دینا دین کی نظر میں سخت ترین ہیں۔“

کسی مسلمان کو کافر قرار دینا دراصل اسے ”مرتد“ قرار دینا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص دین کی ضروریات اور قطعیات کا باوجود علم ہونے کے منکر ہے۔ دینی ضروریات قطعی الثبوت بھی ہوتی ہیں یعنی قرآن و حدیث میں ان کا واضح بیان ہوتا ہے اور قطعی الدلالة بھی کہ ان کے الفاظ سے ”مراد“ تک پہنچنے میں کوئی خلجان اور الجھن موجود نہ ہو۔ ایسے قطعی احکام جن کے لئے یہ عذر پیش نہ کیا جاسکے کہ ہم نے پڑھا نہیں، ہمیں بتایا نہیں گیا بلکہ وہ اس قدر مشہور ہوں کہ ہر مسلمان انھیں جانتا ہو مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا فرض ہونا جبکہ چوری، شراب خوری اور زنا وغیرہ کا گناہ ہونا۔ ایسی باتیں ضروریات دین کہلاتی ہیں۔ ان سے انکار کرنا کفر ہے۔ اس انکار سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے اور جو اس درجہ مشہور و معروف نہ ہوں وہ قطعیات کہلاتی ہیں۔ ان کا عدم واقفیت کی وجہ سے انکار کفر نہیں ہے۔ البتہ مناسب مقدار میں تبلیغ کے بعد بھی وہ اپنی بات پر مصر رہتا ہے تو احناف کے نزدیک وہ کافر ہے۔ (۷۱)

## اہل قبلہ کی تکفیر

ایک اور اہم بات یاد رکھنے کی یہ ہے جسے ہمارے زمانے میں بالکل نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ رسول اکرمؐ نے واضح طور پر فرمایا:

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ثلث من أصل الايمان:

الكف عمن قال لا اله الا الله ولا تكفره بذنوب ولا تخرجه من الاسلام بعمل (۷۲)

”حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تین باتیں ایمان کی جڑ ہیں جو شخص ”لا الہ الا اللہ“ کہے اس سے جنگ و محاصمت ختم کر دو، اسے کافر مت کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے

اسے اسلام سے خارج کرو۔“

اس حدیث کی شرح میں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان نے لکھا ہے:

”کسی مسلمان کو کافر کہنے کی ممانعت اس حدیث نے واضح طور پر ثابت کر دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اچھے کام کرنے والے کافر کو مسلمان کہنا منع ہے تا وقتیکہ وہ توحید و رسالت کا اقرار نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کو صرف اس کی بد اعمالیوں کی بنا پر کافر کہنا بھی سخت جرم ہے جب تک وہ عقیدہ کفریہ نہ اختیار کر لے۔۔۔ حتیٰ قال۔۔۔ موجودہ دور کے ان مسلمانوں کو بھی اس حدیث کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہیے جو کفر سازی کے کارخانے چلاتے ہیں اور اپنے مکتب فکر کے علاوہ دوسرے تمام مسلمانوں کو بے دریغ کافر قرار دیتے ہیں۔“ (۷۳)

اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث ہے:

عن أنس أنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله في ذمته. (۷۴)

”رسول اللہ نے فرمایا: جو ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلے کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ ایسا مسلمان ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں ہے۔ پس تم بھی اس پناہ و عہد کو نہ توڑو۔“

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفيه أن أمور الناس محمولة على الظاهر فمن أظهر شعار الدين أجريت عليه أحكام أصله مالم يظهر منه خلاف ذلك. (۷۵)

”اس حدیث میں اس امر پر دلالت ہے کہ لوگوں کے امور ظاہری حالت پر محمول ہوں گے پس جس نے دینی شعائر کے مطابق اپنا عمل ظاہر کیا تو اس پر اہل دین کے احکام جاری اور لاگو ہوں گے تا وقتیکہ اس سے خلاف دین کچھ ظاہر نہ ہو۔“

امام ابن تیمیہ نے ایک مقام پر لکھا ہے:

اذ قلنا أهل السنة متفقون على أن لا يكفر بالذنب فانما نريد به المعاصي كالزنا والشرب. (۷۶)

”یعنی جب ہم کہتے ہیں کہ اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ گناہ کا مرتکب ہونے کی وجہ سے کسی کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا تو اس سے ہماری مراد نافرمانیاں ہیں جیسے زنا کرنا



اور شراب پینا وغیرہ۔“

علامہ قونوی نے بھی شرح عقیدہ طحاویہ میں وضاحت سے یہی لکھا ہے۔

علامہ کرمائی نے شرح صحیح البخاری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

وفیه أن أمور الناس فی معاملة بعضهم بعضاً إنما تجری علی ظاہر من أحوالهم دون باطنها. وأن من أظهر شعارالدين وتشکل بشمائل أهله أجرى علیه احکامهم ولم یکشف عن باطن أمره. فلو لم يعرف رجل غریب فی بلد من بلد أن اهل الاسلام بدين ومذهب غیر أنه یری علیه زی المسلمین حمل ظاهراً أمره علی أنه مسلم حتی یظهر خلاف ذالک. (۷۷)

”اس حدیث میں اس امر پر دلالت موجود ہے کہ لوگوں کے آپس کے معاملات کی بنیاد ظاہری احوال پر ہے ان کے باطنی احوال پر نہیں، نیز یہ کہ جو دینی شعائر کو ظاہر کرتا ہے اور اسی راہ پر چلنے کو اختیار کرتا ہے جو اس دین کے ماننے والوں کی ہے تو اس پر انہی کے احکام جاری ہوں گے اور اس کے باطن کو کھولنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ اگر مسلمانوں کے علاقوں میں سے کسی علاقے میں کوئی اجنبی موجود ہو، اس کا دین و مذہب معلوم نہ ہو سوائے اس کے کہ اس کی ظاہری حالت مسلمانوں جیسی ہو تو اس کے ظاہری احوال کا لحاظ کیا جائے گا کہ وہ مسلمان ہے جب تک کہ اس کے برخلاف کچھ ظاہر نہ ہو۔“

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے ساتھ جس قسم کے بھی عقائد و اعمال رکھے جائیں وہ درست ہیں اور ایسا شخص ہر حال میں مسلمان رہے گا۔ علامہ تفتازانی نے شرح المقاصد، المبحث السابع، میں ایک مقام پر لکھا ہے:

فلا نزاع فی کفر أهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفی الحشر ونفی العلم بالجزئیات ونحو ذلک و کذلک بصدور شئی من موجبات الکفر عنه. (۷۸)

”ایسے اہل قبلہ کے بارے میں جو پوری عمر طاعت میں گزار دے مگر اس کا اعتقاد یہ ہو کہ عالم قدیم ہے اور حشر کوئی چیز نہیں، نیز اللہ جزئیات کا علم نہیں رکھتا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ کافر ہے۔ اسی طرح اگر اس سے موجبات کفر میں سے کچھ ظاہر ہو تو بھی وہ کافر ہے۔“

ملا علی القاری کی شرح الفقہ الاکبر میں یہ عبارت موجود ہے:

وان المراد بعدم تکفیر أحد من أهل القبلة عند أهل السنة أنه لا یکفر أحد مالم

یوجد شئی من امارات الکفر و علاماتہ ولم یصدر عنہ شئی من موجباتہ. (۷۹)  
 ”یعنی اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان  
 میں سے کسی کو اس وقت تک کافر نہیں کہیں گے جب تک اس سے کوئی ایسی چیز سرزد نہ ہو  
 جو علامات کفر یا موجبات کفر میں سے ہے۔“

نبی کریمؐ کے ارشادات اور علماء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو جو نماز،  
 روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ کی فرضیت کا قائل ہے، اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے، اس کے واحد ہونے پر ایمان رکھتا ہے، اس  
 کے صفات ثبوتیہ و سلبیہ کا قائل ہے، انبیاء علیہم السلام اور کتابوں پر ایمان رکھتا ہے، خاص کر نبی کریمؐ کے خاتم  
 النبیین ہونے اور قرآن مجید کے آخری کتاب ہونے پر نیز آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمان ہے اور اس کو کافر  
 قرار دینا اور پھر اس کے نتیجے میں مرتب ہونے والے نتائج جن میں سب سے اہم ہمارے دور میں جان اور عرض  
 پر حملہ کرنا ہے، شرعاً ناجائز اور اسے باعث ثواب سمجھنا شرعاً غلط ہے۔

مکتب امامیہ کی کتب میں نبی کریمؐ کے درج بالا فرامین کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول  
 موجود ہے:

”الاسلام یحقن بہ الدّم و تؤدی بہ الأمانة، ویستحل بہ الفرج، والثواب علی الایمان“ (۸۰)  
 ”اسلام کے ذریعے خون محفوظ ہوتے ہیں، امانتیں ادا ہوتی ہیں، نکاح حلال ہوتے ہیں  
 جبکہ ثواب ایمان کے مطابق ملتا ہے۔“

علامہ مجلسیؒ ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وان ترتبت الأحکام علی الاقرار الظاہری بناء علی الحکم بالظاہر، مالم یظہر،  
 خلافہ لعدم امکان الاطلاع علی القلب، کما قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ  
 وسلم لأسامۃ: فہلاً شققت قلبہ، ولذا قال علیہ السلام، وعلی ظاہرہ جماعة  
 الناس، بل مدار الأحکام علی الظاہری فی سائر الأمور القلبیۃ. (۸۱)

”حالانکہ احکام انسان کے اقرار ظاہری پر مرتب ہوتے ہیں کیونکہ اصول یہ ہے کہ حکم ظاہر  
 پر لگایا جائے گا جب تک اس کے خلاف ظاہر نہ ہو کیونکہ کسی کی قلبی حالت پر اطلاع ہونے  
 سکتی جیسا کہ نبی کریمؐ نے حضرت اسامہؓ سے کہا تھا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا  
 تھا؟ اسی لئے امام جعفر صادقؑ نے یہاں فرمایا ہے، اس کے ظاہری معنوں کو لوگوں کی  
 جماعت نے قبول کیا ہے۔ بلکہ تمام ایسے امور جن کا تعلق قلب سے ہے ان کا حکم ظاہری  
 حالت کے اعتبار سے ہوگا۔“

## ایک اہم ضابطہ

دیکھا یہ گیا ہے کہ لوگ کسی بھی مسئلے میں اپنے سے مختلف مذہب یارائے رکھنے والے کو کافر قرار دے دیتے ہیں اور اس میں ذرا بھی نہیں چوکتے۔ اول تو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مسلمانوں کے مذاہب، مسالک اور فرقے دو طرح کے ہیں: (۱) اعتقادی یا کلامی، (۲) فقہی۔ اعتقادی اور کلامی فرقوں میں سے اکثر کے بارے میں علماء کرام کا رجحان یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور ان کے بیشتر عقائد قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح فقہی مسالک حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، امامیہ، زیدی، اباضیہ، ظاہریہ وغیرہ کے مسائل بھی قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں الا چند مسائل کے جن کی بناء پر انہیں ”کافر“ قرار نہیں دیا جاتا اور ان کے اقوال میں تاویل کی گنجائش ہو تو پھر تکفیر ناممکن ہے۔ ملا علی قاری نے اس اصول کو یوں بیان کیا ہے:

وقد ذکر ان المسألة المتعلقة بالكفر اذا كان لها تسع وتسعون احتمالاً للكفر و احتمال واحد في نفيه فالاولى للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النفي لأن الخطاء في القاء الف كافرأهون من الخطاء في افناء مسلم واحد... الخ. (۸۲)

”یعنی کسی مسئلے میں جبکہ ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال نفی کفر کا ہو تو مفتی وقاضی کو چاہیے کہ احتمال کفر کی نفی پر عمل کرے کیوں کہ ایک ہزار کافروں کو کفر پر باقی رکھنے میں غلطی کر جانا اس سے ہلکا ہے کہ ایک مسلمان کو کافر بنانے میں غلطی ہو جائے۔“

اس لئے امام احمد رضا خان بریلوی نے اپنے فتاویٰ میں ایک مقام پر تحریر کیا ہے:

”ان میں ضروریات دین میں سے کسی شئی کا جو منکر ہے یقیناً کافر ہے اور جو قطعیات کے منکر ہیں ان پر بحکم فقہاء لزوم کفر ہے اور اگر کوئی غیر مقلد ایسا پایا جائے کہ صرف انہی فروعی اعمال میں مخالف ہو اور تمام عقائد قطعہ میں اہل سنت کا موافق ہو یا وہ شیعہ کہ صرف تفضیلی ہے ایسوں پر حکم تکفیر ناممکن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔“ (۸۳)

یہاں بھی وہی ضابطہ اصلی جو اوپر بیان ہوا کارآمد ہے کیوں کہ ان تمام صورتوں میں جن میں لوگ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں کفر نہ ہونے کے احتمالات زیادہ اور کفر ہونے کے احتمالات یا تو موجود نہیں ہوتے یا پھر انتہائی کم اور موہوم ہوتے ہیں۔

وہ حضرات جو اسلام کے نام پر لوگوں کو کافر قرار دے کر سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے خلاف اقدام قتل اور خودکش حملوں پر اکسار رہے ہیں اور قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا ہے وہ ان دینی حقائق کو سمجھیں اور قرآن و سنت کی طرف رجوع کریں۔ نیز علمائے سلف کے بیانات کو مد نظر رکھیں۔

## پس چہ باید کرد!

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں مختلف جہادی گروہ پیدا ہو گئے ہیں اور لسانیت و مسلک کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کرنا نہ صرف جائز بلکہ باعث ثواب قرار دیا ہوا ہے جس کی جزا بلا واسطہ جنت ہے۔ یہ عموماً تخریب کار اور دہشت گرد گروہ اور تنظیمیں ہیں جو اپنے آپ کو جہادی قرار دیتی ہیں اور یہ خود مسلمانوں ہی کے خلاف کشت و خون کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت کو کیا کرنا چاہیے اور عوام کو اس میں کیا کردار ادا کرنا چاہیے، یہ اس عہد کا انتہائی اہم اور جواب طلب سوال ہے اور اس کا واضح و مبرہن جواب ضروری ہے۔ اس کشمکش میں مسلمانوں کے لائحہ عمل کے تعین کے لئے ہمیں سورہ حجرات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ. (۸۴)

”اگر مومنوں کے کوئی دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرادو، اگر ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس باغی گروہ سے تم سب لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر اس طرح وہ پلٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کرادو (معاملات طے کرادو)۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

یہ آیت مبارکہ چند اہم اصولی نکات کو بیان کرتی ہے اور اس کی عملی تشریح و تفسیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد میں جا کر ہوئی جسے علماء نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور خود حضرت علی علیہ السلام سے اس ضمن میں تفصیلی ارشادات بہ صحت منقول ہیں۔

سورۃ الحجرات کی یہ آیت مبارکہ صاف بتلا رہی ہے کہ:

۱۔ مومنوں کے دو گروہ اگر آپس میں لڑیں تو ان میں سے کوئی بھی کافر نہیں ہوتا البتہ یہ لڑائی بغاوت ضرور شمار ہوتی ہے۔

۲۔ سب سے پہلے یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ان دونوں کے درمیان صلح کروادی جائے۔

۳۔ ان میں سے جو گروہ اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی صلح و امن کی طرف نہ آئے اس سے سب مل کر لڑیں جس کی شرعی صورت مسلمان حکومت کی موجودگی میں یہ ہے کہ حکومت باغی گروہ سے لڑے

اور عوام حکومت کا ساتھ دیں ”حتی لا تکون فتنة“ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ (البقرہ ۲: ۱۹۳)۔  
۴۔ اب اگر باغی گروہ مغلوب ہو جائے اور اللہ کے احکام کی طرف پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل اور مساوات کے ساتھ صلح کروادی جائے۔

۵۔ کیوں کہ اللہ عدل و انصاف کو دوست رکھتا ہے۔

یہ صورت تو افراد اور گروہوں کے درمیان باہمی تصادم کی ہے اگر کوئی گروہ مسلمان حکومت کے خلاف بغاوت کرے تو اس کے لئے بھی یہی صورت ہے کہ:

۱۔ پہلے تو اسے سمجھانے اور اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

۲۔ اور اگر وہ بغاوت سے باز نہ آئے اور حکومت کو الٹنے اور ملک میں فتنہ و فساد برپا کرنے پر تیار ہے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ حکومت کے ساتھ مل کر اس گروہ سے لڑیں اور اس کا قلع قمع کر دیں۔

۳۔ اگر وہ ہار مان لیں اور ہتھیار ڈال دیں تو ان کے ساتھ اس حدیث کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔

روي كوثر ابن حكيم عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه

وآله وسلم يا بن ام عبد كيف حكم الله فيمن بغى من هذه الأمة قال الله

ورسوله أعلم، قال: لا يجهز على جريحها ولا يقتل أسيرها ولا يطلب هاربها.

”كوثر بن حكيم روایت کرتے ہیں نافع سے اور وہ ابن عمرؓ سے کہ رسول اللہ نے حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا اے ابن ام عبد! جانتے ہو اس امت کے باغیوں کے بارے

میں اللہ کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے

فرمایا: ان کے زخمیوں پر ہاتھ نہ ڈالا جائے گا، ان کے اسیر کو قتل نہیں کیا جائے گا اور ان

میں سے بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔“

المستدرک میں امام حاکم نیشاپوری نے اسے قدرے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (۸۵) حافظ ذہبی

نے المستدرک کے ذیلی حواشی میں کوثر بن حکیم کو متروک کہا ہے جبکہ بیہی نے سنن کبریٰ میں اس روایت کو نقل

کر کے کوثر کو ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن اس روایت پر ہر زمانے میں عمل ہوتا رہا ہے اور یہ ایک دینی ضابطے کے

طور پر معمول بہ رہی ہے۔

جب جمل کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے بصرہ میں اپنے منادی سے اعلان کروایا:

لا يتبع مدبر ولا يذفف على جريح ولا يقتل أسير، ومن أغلق بابہ فهو آمن ومن

ألقى سلاحه فهو آمن ولم يأخذ من متاعهم شيئاً. (۸۶)

”بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا، زخمی کو حملہ کر کے قتل نہیں کیا جائے گا، قیدی کو قتل

نہیں کیا جائے گا، جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے، جس نے ہتھیار پھینک دیئے وہ بھی امن میں ہے اور ان کی کوئی شے لوٹی نہیں جائے گی۔“  
نیز ملاحظہ فرمائیں: (۸۷)

اس ضمن میں تقریباً تمام احکام حضرت علی علیہ السلام کے دور میں پیش آنے والے فتن اور ان کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کے اقدامات سے ماخوذ ہیں۔

سورۃ حجرات کی آیہ مبارکہ (۹) کے حوالے سے جو معروضات گذشتہ سطور میں پیش کی گئی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے والے افراد اور گروہ شرعاً ”باغیوں“ کے زمرے میں آتے ہیں۔ انہیں سب سے پہلے سمجھانا چاہیے ان پر اتمام حجت کی جانی چاہیے، اگر پھر بھی وہ نہ مانیں تو حکومت کو ان کے خلاف اقدام کرنا چاہیے اور اس پر مستزاد یہ کہ عوام الناس کو حکومت کا بھرپور طریقے سے ساتھ دینا چاہیے تا وقتیکہ فتنہ ختم نہ ہو جائے۔

وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ . (البقرة ۲: ۱۹۳)

”ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین گل کا گل اللہ کے لیے ہو جائے۔“

## حواشی

واضح ہو کہ صحاح ستہ کے حوالے ”الکتب الستة“ سے لیے گئے ہیں جو ریاض دارالسلام للنشر والتوزیع سے ۲۰۰۰ء میں شائع

ہوئی ہے۔

(۱) اصفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن (ایران: مطبعة خدمات چاپی، ۱۴۰۳ھ)، مادہ ”غلا“

(۲) زنجری، الکشاف (بیروت: محمد علی بیضون، ۱۹۹۵ء)، ج ۱، ص ۶۵۲۔

(۳) احمد بن حنبل، المسند (بیروت: الملک الاسلامی، الخامسة، سنہ ندارد، مع التعليقات الالبانی)، ج ۳، ص ۳۳۔ والترذی، السنن

(الکتب الستة)، تفسیر سورہ ۲، رقم الحدیث ۲۹۶۱، (ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء)

(۴) ابوداؤد، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۵۰۰۴، احمد بن حنبل، المسند (بیروت: الملک الاسلامی، الخامسة، سنہ ندارد)،

ج ۵، ص ۳۶۲۔ المنذری، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف (بیروت: محمد علی بیضون، ۱۴۲۳ھ)، باب الترہیب من ترویج

المسلم، ج ۳، ص ۳۱۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ)، ج ۱۰، ص ۲۳۹۔

(۵) بخاری، الجامع الصحیح (الکتب الستة)، کتاب الایمان، باب ۴، رقم الحدیث ۱۰، مسلم، الجامع الصحیح (الکتب

الستة)، کتاب الایمان، باب تفاضل الاسلام، رقم الحدیث ۱۶۳، ۱۶۱، وزاد النسائی فی سننہ (الکتب الستة)، کتاب الایمان،

باب صفة المؤمن رقم الحدیث ۴۹۹۸۔

والمومن من آمنه الناس على دمانهم وأموالهم.

کامل مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان و مال کے سلسلے میں امانت دار سمجھیں۔

- (۶) مسلم، الجامع الصحيح، (الكتب الستة)، كتاب الايمان، رقم الحديث ۶۵، الترمذی، السنن (الكتب الستة)، رقم الحديث ۲۶۲۷، ابوداؤد، السنن (الكتب الستة)، رقم الحديث ۲۳۸۱، الہندی، علی متقی، کنز العمال، رقم الحديث ۷۵۸، (ملتان: ادارہ تالیفات الشرفیہ، سندھ دارو)
- (۷) احمد بن حنبل، المسند (بیروت: المکتب الاسلامی، الخامسة، سندھ دارو)، ج ۵، ص ۳۳۰۔
- (۸) احمد بن حنبل، المسند (بیروت: المکتب الاسلامی، الخامسة، سندھ دارو)، ج ۲، ص ۴۰۰، الطبرانی، المعجم الكبير، رقم الحديث ۵۷۴۴، (وزارة الاوقاف العراقية، الثانية، ۱۴۰۵ھ)، الحاکم، المستدرک (مکتبہ المکتزہ: دارالباز ۱۴۱۴ھ)، ج ۱، ص ۲۳۔
- (۹) بخاری، الجامع الصحيح (الكتب الستة)، باب ۳، رقم الحديث ۱۶۸، باب ۹، رقم الحديث ۲۸، مسلم، الجامع الصحيح (الكتب الستة)، البر والصلة، رقم الحديث ۳۲-۵۸۔
- (۱۰) دارقطنی، السنن (المختص: الطباعة الفنية، ۱۴۲۳ھ)، ج ۲، ص ۲۵۔ خطیب العری، المشکوٰۃ، رقم الحديث ۲۶۵۸، (بیروت: المکتب الاسلامی، الثالث، ۱۴۰۵ھ)، الطبرانی، المعجم الكبير، رقم الحديث ۵۷۴۵، (وزارة الاوقاف العراقية، الثانية، ۱۴۰۵ھ)
- (۱۱) بخاری، الجامع الصحيح (الكتب الستة)، باب ما ينهى من السباب واللعن، رقم الحديث ۶۰۴۳، مسلم، الجامع الصحيح (الكتب الستة)، الايمان، باب ۲۸، رقم الحديث ۱۱۶، احمد بن حنبل، المسند (بیروت: المکتب الاسلامی، الخامسة، سندھ دارو)، ج ۱، ص ۳۸۵-۴۱۱۔
- (۱۲) بخاری، الجامع الصحيح (الكتب الستة)، كتاب العلم، باب الانصاف للعلماء، رقم الحديث ۱۳۱، مسلم، الجامع الصحيح (الكتب الستة)، كتاب الايمان، باب لا ترجعوا بعدي كفاراً، رقم الحديث ۲۲۳، ۲۲۶۔
- (۱۳) مسلم، الجامع الصحيح (الكتب الستة)، باب بيان حال ايمان، رقم الحديث ۲۱۶، بخاری، الجامع الصحيح (الكتب الستة)، كتاب الأدب، باب من كفر أخاه بغير تاويل، رقم الحديث ۶۱۰۳، ۶۱۰۴۔
- (۱۴) میرنخی، بدر عالم، ترجمان السنن (لاہور: ادارہ اسلامیات سندھ دارو)، ج ۲، ص ۴۰۹۔
- (۱۵) المنذری، الترغیب و الترهیب (بیروت: دارالفکر، ۱۴۱۳ھ)، ج ۳، ص ۲۹۴۔ الہندی، علی متقی، کنز العمال، رقم الحديث ۳۹۸۸۰، (ملتان: ادارہ تالیفات الشرفیہ، سندھ دارو)، سیوطی، جلال الدین، الجامع الصغير (بیروت: دارالکتب العلمیہ، سندھ دارو)، ج ۲، ص ۷۱۔ النساء، السنن (الكتب الستة)، كتاب الحاربة، باب تعظیم الدم، رقم الحديث ۳۹۹۱، ۳۹۹۵۔
- (۱۶) الہندی، علی متقی، کنز العمال، رقم الحديث ۷۱۲، (ملتان: ادارہ تالیفات الشرفیہ، سندھ دارو) ابن ماجہ، السنن (الكتب الستة)، رقم الحديث ۳۹۴۷، حشمی، ابوبکر الحافظ، مجمع الزوائد (بیروت: مؤسسۃ المعارف، ۱۴۰۶ھ)، ج ۱، ص ۸۲۔
- (۱۷) ابوداؤد، السنن (الكتب الستة)، رقم الحديث ۳۲۷۰، نسائی، السنن (الكتب الستة)، رقم الحديث ۸۱۱۷، احمد بن حنبل، المسند (بیروت: المکتب الاسلامی، الخامسة، سندھ دارو)، ج ۳، ص ۹۹۔ حشمی، ابوبکر، مجمع الزوائد (بیروت: مؤسسۃ المعارف، ۱۴۰۶ھ)،

ج ۷، ص ۲۹۶۔

- (۱۸) ابوداؤد، السنن (الکتاب الستة)، کتاب الجہاد، باب النهی عن الوسم فی الوجه، رقم الحدیث ۲۵۶۳۔
- (۱۹) ابوداؤد، السنن (الکتاب الستة)، کتاب الجہاد، باب فی التحریش بین البہائم، رقم الحدیث ۲۵۶۲، الترمذی، السنن (الکتاب الستة)، کتاب الجہاد، باب ماجانکراہیۃ التحریش، رقم الحدیث ۱۷۰۸، ۱۷۰۹۔
- (۲۰) ابوداؤد، السنن (الکتاب الستة)، کتاب الصيد، باب اذا قطع من الصيد قطعة، رقم الحدیث ۲۸۵۸، ابن ماجہ، السنن (الکتاب الستة)، کتاب الصيد، باب ما قطع من البہیمۃ وہی حیۃ، رقم الحدیث ۳۲۱۶، ۳۲۱۷۔
- (۲۱) ابن ماجہ، السنن (الکتاب الستة)، ابواب الذبائح، باب اذا ذبحتم فاحسنوا الذبح، رقم الحدیث ۳۱۷۱۔
- (۲۲) الترمذی، السنن (الکتاب الستة)، ابواب الصيد، باب ماجاء فی کراہیۃ اکل المصبورة، رقم الحدیث ۱۷۷۵۔
- (۲۳) مسلم، الجامع الصحیح (الکتاب الستة)، ابواب الصيد، باب نہی عن صبر البہائم، رقم الحدیث ۵۰۵۷۔
- (۲۴) مسلم، الجامع الصحیح (الکتاب الستة)، کتاب السلام، باب تحریم قتل الہرة، رقم الحدیث ۵۸۵۲۔
- (۲۵) ابن تیمیہ، الحسبۃ فی الاسلام (بیروت: محمد علی بیضون، سنہ نداد)، ص ۶۳۔
- (۲۶) الرازی، فخر الدین، التفسیر الکبیر (ملتان: دار الحدیث، سنہ نداد)، ج ۳، ص ۲۰۔
- (۲۷) الاندلسی، ابو حیان، البحر المحیط (مکتۃ المکتبۃ التجاریہ، سنہ نداد)، ج ۳، ص ۲۱-۲۰۔
- (۲۸) الجصاص، ابوبکر، احکام القرآن (لابور: سہیل اکیڈمی، سنہ نداد)، ج ۲، ص ۲۱۔
- (۲۹) آلوسی، محمود، روح المعانی (احیاء التراث العربی، الرابع، ۱۴۰۵ھ)، تحت الآیۃ
- (۳۰) الشیخ، ابن حجر، الزواجر عن اقتراف الكبائر، [تحقیق: محمود وسید ابراہیم]، (قاہرہ: دار الحدیث، ۱۴۱۴ھ)، ج ۲، ص ۱۳۶۔
- (۳۱) ابن تیمیہ، الحسبۃ فی الاسلام، الفصل الاول (بیروت: محمد علی بیضون، سنہ نداد)
- (۳۲) ابن تیمیہ، الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، (بیروت: دار ابن حزم)، ص ۷۳۔ وما بعد۔
- (۳۳) رازی، فخر الدین، التفسیر الکبیر (ملتان: دار الحدیث، سنہ نداد)، ج ۳، ص ۲۱۔
- (۳۴) نیشاپوری، نظام، غرائب القرآن (انشارات ناصر خسرو، ۱۳۲۲ھ)، ج ۳، ص ۳۳۔
- (۳۵) ابن تیمیہ، مجموعۃ الرسائل الکبریٰ (بیروت: محمد علی بیضون، ۱۴۲۶ھ)، الرسالة السابعة، الوصیۃ الکبریٰ، ج ۱، ص ۳۰۹۔ ابن تیمیہ، الامر بالمعروف والنہی عن المنکر (بیروت: دار ابن حزم، ۱۴۲۲ھ)، ص ۸۶۔ وما بعد۔
- (۳۶) کلینی، شیخ محمد بن یعقوب، اصول الکافی (ایران: دارالکتب الاسلامیہ، سنہ نداد)، ج ۵، ص ۵۹-۶۰۔ الکاشانی، محسن فیض، المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء (بیروت: مؤسسۃ الأعلیٰ، سنہ نداد)، ج ۴، ص ۱۰۷۔
- (۳۷) کلینی، شیخ یعقوب، اصول الکافی (ایران: دارالکتب الاسلامیہ، سنہ نداد)، باب انکار المنکر بالقلب، ج ۵، ص ۶۰۔
- (۳۸) الکاشانی، محسن فیض، المحجۃ البیضاء فی تہذیب الاحیاء (بیروت: مؤسسۃ الأعلیٰ، سنہ نداد)، ج ۷، ص ۱۱۳-۱۱۳۔
- (۳۹) لکنانی، آیت اللہ العظمیٰ، محمد فاضل، التوضیح (ایران: انشارات سرور، ۱۴۱۶ھ)، المسأله ۲۸۶۷، امام الخمينی، التوضیح (سازمان تبلیغات اسلامی، ۱۴۰۴ھ)، المسأله: ۲۷۸۷۔



- (۴۰) لکرائی: ۲۸۸۷، الخیمتی: ۲۸۱۹۔
- (۴۱) خامنہ ای، آیت اللہ علی، اردو ترجمہ الاستفتات، باب امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ج ۱، ص ۱۰۹۰۔
- (۴۲) ماوردی، ابوالحسن، الاحکام السلطانیة، اردو ترجمہ (لاہور: اسلاک پبلیکیشنز، ۱۹۹۰ء)، باب ۲۰۔
- (۴۳) ابو داؤد، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۵۳۳۸، والترذی، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۲۱۸۷، النسائی، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۱۱۱۵۷۔
- (۴۴) ابن تیمیہ، الامر بالمعروف والنہی عن المنکر (بیروت: دار ابن حزم ۲۰۰۲ء)، ص ۸۳-۸۴۔
- (۴۵) ابو داؤد، السنن (الکتب الستة)، کتاب الملاحم والفتن، باب الامر والنہی، رقم الحدیث ۳۳۳۱۔
- (۴۶) ابن تیمیہ، الامر بالمعروف والنہی عن المنکر (بیروت: دار ابن حزم ۲۰۰۲ء)، ص ۸۵۔
- (۴۷) البقرة: ۶۰، الحج: ۴۰۔
- (۴۸) Bab. Talmud, Zebachim, 32, b. Baba Gamms, 90 b; Mishna Yadayim, 4, 13, Tosephta Berachoth, 4, 24, Sanhedran 12, 3; Besa 2, 19)
- (۴۹) القرطبی، التفسیر الکبیر (انشارات ناصر خسرو، سنہ ندارد)، ج ۳، ص ۱۰، وما بعد، ج ۳، ص ۲۸۰۔ وما بعد
- (۵۰) بخاری، الجامع الصحیح (الکتب الستة)، کتاب الجزیة، رقم الحدیث ۳۰۶۷، کتاب الاکراء، رقم الحدیث ۶۹۲۲، کتاب الاعتصام، باب ۱۸، رقم الحدیث ۷۳۳۸۔
- (۵۱) سید برکات احمد کی تعلیم قانون، لسانیات اور تاریخ پر مشتمل ہے، عرب تاریخ پر انہوں نے امریکن یونیورسٹی آف بیروت سے پی ایچ ڈی اور ادب میں تہران یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہے۔ ڈاکٹر سید برکات احمد انڈین کونسل فار ہسٹوریکل ریسرچ کے فیلو اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ایگزیکٹو کونسل کے بھی رکن ہیں۔
- (۵۲) سید برکات احمد، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و یهود حجاز [Muhammad and The Jews]، ترجمہ: مشیر الحق (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۸۵ء)، ص ۱۹۔
- (۵۳) David Cook, Understanding Jihad (OUP, 2005) p. 3; David Frankin A Peace to End All Peace, Phoenix, U.K (2000) p.45.
- (۵۴) سرخسی، المبسوط (بیروت: دارالمعرفة، سنہ ندارد)، باب الخوارج، ج ۱۲، ص ۲۸۸، الطحاوی، شرح العقیدة الطحاویة (دمشق: مکتبہ البیان، ۱۴۰۵ھ)، ج ۱۰، ص ۱۲۲۔
- (۵۵) مسلم، الجامع الصحیح (الکتب الستة)، کتاب الامارة باب خيار الأئمة و شرارهم رقم الحدیث ۳۸۰۵۔
- (۵۶) مسلم، الجامع الصحیح (الکتب الستة)، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصية، رقم الحدیث ۴۷۳۵۔
- (۵۷) ابن حجر، تہذیب التہذیب (حیدرآباد: عثمانیہ، ۱۳۲۵ھ)، ج ۶، ص ۱۱۶۔ ابن حجر، الاصابة فی تمیز الصحابة (بیروت: دارالکتب العربی، سنہ ندارد)، ج ۱، ص ۲۴۷۔

- ۵۸- ابن حجر، فتح الباری (لاہور: دارنشر الکتب الاسلامیہ، سنہ ندارد)، کتاب الفتن، باب سترون بعد اموراً تنکرونها، ج ۱۳، ص ۷۔
- (۵۹) مسلم، الجامع الصحیح (الکتب الستة)، وجوب الانکار علی الامراء، رقم الحدیث ۴۷۶۳۔
- (۶۰) الترمذی، السنن (الکتب الستة)، کتاب الفتن، باب ۶۳، رقم الحدیث ۲۳۶۷، ابوداؤد، السنن (الکتب الستة)، باب فی قتل الخوارج، رقم الحدیث ۴۷۶۳۔
- (۶۱) النووی، شرح صحیح مسلم، باب وجوب طاعة الامراء، رقم الحدیث ۱۸۵۴، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، سنہ ندارد)، ج ۱۲، ص ۲۰۴۔
- (۶۲) عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی (کراچی: مین اسلامک پبلشرز، ۱۹۹۹ء)، حصہ معاملات، ج ۸، ص ۳۱۵۔
- (۶۳) ابن عابدین، رد المختار (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، سنہ ندارد)، باب البغاة، ج ۶، ص ۳۹۸، نقلاً عن فتح القدير و البحر الرائق۔
- (۶۴) ابن العربی، أحكام القرآن (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۸ھ)، ج ۴، ص ۱۵۳، الحجرات الآیہ ۹۔
- (۶۵) تفتلیسی، ابوالفضل، وجود القرآن ترجمہ فارسی (ایران: اشارات حکمت ۱۳۹۶ھ)، مادہ ”کفر“۔
- (۶۶) الطبری، محمد بن جریر، تفسیر جامع البیان (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ھ)، ج ۵، ص ۲۷۸۔
- (۶۷) مسلم، الجامع الصحیح (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۹۶، بخاری، الجامع الصحیح (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۴۲۰۱، ۶۴۷۸، ابوداؤد، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۲۶۴۳۔
- (۶۸) بخاری، الجامع الصحیح (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۴۵۹۱، مسلم، الجامع الصحیح (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۳۰۲۵، ابوداؤد، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۳۹۷۴، الترمذی، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۳۰۴۱، النسائی، السنن الكبرى، رقم الحدیث ۱۱۱۶، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ) احمد بن حنبل، المسند، رقم الحدیث ۲۰۲۳، (المکتب الاسلامی، سنہ ندارد)، ابن حبان، الصحیح، رقم الحدیث ۴۷۵۲، (المدينة المنورة: المکتبہ السلفیہ، سنہ ندارد)، الحاکم، المستدرک (مکتبہ المکرمة: دارالباز، ۱۴۱۲ھ)، ج ۲، ص ۲۹۲۔ التبیہتی، السنن الكبرى (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ھ)، ج ۹، ص ۱۱۵۔
- (۶۹) اشمی، ابن بابویہ، التفسیر (بیروت: دار السور، ۱۴۱۱ھ)، تحت الآیہ، البحرانی، ہاشم، تفسیر البرهان (بیروت: مؤسسۃ الأعلیٰ للمطبوعات، ۱۴۱۹ھ)، ج ۲، ص ۳۰۶۔ الحویزی، جمع، تفسیر نور الثقلین (لبنان: مؤسسۃ التاریخ العربی، ۱۴۲۲ھ)، ج ۲، ص ۱۲۔
- (۷۰) القاری، ملا علی، شرح شفاء (بیروت: دارالصادر، سنہ ندارد)، فصل تحقیق القول فی اکفار المتاولین، ج ۲، ص ۵۰۰۔
- (۷۱) ابن الھمام، کمال الدین و ابن ابی شریف کمال، المسائرة شرح المسامرة (حیدرآباد: سندھ، سنہ ندارد)، ص ۱۴۹۔
- (۷۲) ابوداؤد، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۲۳۵۲، بیہقی، السنن الكبرى (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ھ)، ج ۹، ص ۱۵۹۔
- الزیلعی، نصب الراية (بیروت: مؤسسۃ الریان، ۱۴۲۳ھ)، ج ۳، ص ۳۷۷۔ الھندی، علی متقی، کنز العمال، رقم الحدیث ۴۳۲۲۶، (ملتان: ادارہ تعلیقات الشرفیہ، سنہ ندارد)، سعید بن منصور، السنن، رقم الحدیث ۲۳۶۷ (مکتبہ: دارالباز، ۱۴۰۵ھ)، العمری، خطیب، المشکوٰۃ، رقم الحدیث ۵۲، (بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۵ھ)
- (۷۳) سلیم اللہ خان، نفحات التفتیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (کراچی: مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، ۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶ء)

(ج ۱، ص ۲۵۸-۲۵۹۔)

- (۷۴) بخاری، الجامع الصحیح (الکتب الستة)، کتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة، رقم الحدیث ۳۸۶۔
- (۷۵) ابن حجر، فتح الباری (لاہور: دار نشر الکتب الاسلامیہ، سنہ ندارد)، ج ۱، ص ۴۹۷۔
- (۷۶) ابن تیمیہ، الایمان (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ)، ص ۲۵۹۔
- (۷۷) الکرمانی، شرح صحیح بخاری (بیروت: دار الفکر، سنہ ندارد)، ج ۴، ص ۵۴۔ پرہاروی، عبدالعزیز، شرح عقائد نسفی (ملتان: المکتبہ الامدادیہ، سنہ ندارد)، ص ۲۱۱۔
- (۷۸) تفتارانی، علامہ، شرح المقاصد (استنبول: ۱۳۷۷ھ)، المبحث السابع
- (۷۹) القاری، ملا علی، شرح الفقہ الاکبر (مصر: مصطفیٰ البالی و اولادہ، ۱۳۷۵ھ)، ج ۲، ص ۳۵۸۔ شامی، ابن عابدین، رد المختار، کتاب الامامة، (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، سنہ ندارد)
- (۸۰) البرقی، المحاسن (قم: مجمع العالمی لأهل البيت، ۱۴۱۶ھ)، ص ۲۷۵۔
- (۸۱) مجلس، علامہ، بحار الانوار، کتاب الایمان و الکفر، باب الفرق بین الایمان و الاسلام، رقم الحدیث ۸، (ایران: دار الکتب الاسلامیہ، سنہ ندارد)، ج ۲۸، ص ۲۴۸
- (۸۲) القاری، ملا علی، شرح الفقہ الاکبر (مصر: مصطفیٰ البالی و اولادہ، ۱۳۷۵ھ)، ص ۱۹۹۔
- (۸۳) بریلوی، احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ (کراچی: دارالعلوم امجدیہ، سنہ ندارد)، ج ۶، ص ۳۳۔
- (۸۴) الجصاص، احکام القرآن، سورۃ الحجرات، باب الحکم فی أسرا أهل البغی و جرحہم، (لاہور: اسمیل آئیڈی، سنہ ندارد)، ج ۳، ص ۴۰۳۔
- (۸۵) الحاکم، المستدرک، کتاب قتال أهل البغی، باب حکم البغاة من هذه الأمة، (مکتبہ المکتزۃ: دارالباز ۱۴۱۲ھ)، ج ۲، ص ۱۵۵۔
- (۸۶) بیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب قتال أهل البغی، باب اهل البغی اذا لم يتبع مدبرهم... (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ھ)، ج ۸، ص ۱۸۱۔ نوری، حسین، علامہ، مستدرک الوسائل، رقم الحدیث ۱۴۲۰۷، (ایران: دار الکتب الاسلامیہ، سنہ ندارد)، ج ۱۱، ص ۵۱۔ قاضی نعمان، دعائم الاسلام (مصر: دار المعارف ۱۳۷۹ھ)، ج ۱، ص ۳۹۴۔ کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، سنہ ندارد)، ج ۵، ص ۳۳۔ العالی، الحز، وسائل الشیعہ (ایران: دار الکتب الاسلامیہ، سنہ ندارد)، ج ۱۱، ص ۵۵۔
- (۸۷) نوری، حسین، مستدرک الوسائل (ایران: دار الکتب الاسلامیہ، سنہ ندارد)، باب ۲۲ کی احادیث ۵، ۴، ۲، ج ۲، ص ۱۵۱۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ  
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

(مومنو! جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں  
تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور  
برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

(سورة آل عمران آیت ۱۱۰)

باب سوم:

## دہشت گردی: فکری مغالطے

محمد خالد سیف

سینئر ریسرچ آفیسر، اسلامی نظریاتی کونسل

حالات کی یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ اسلام جو امن و سلامتی کا دین ہے اور دنیا کو امن، چین، سکون اور اطمینان سے بھر دینے کے لیے آیا ہے، دنیا کے بڑے بڑے دہشت گردوں نے اپنی قوت و طاقت کے سہارے، اسے اور اس کے ماننے والوں ہی کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے خلاف عالمی میڈیا پر پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دہشت گردی کے واقعات میں بعض مسلمان ملوث رہے ہیں لیکن اسلام کے معنی ہی اطاعت و سپردگی اور امن و سلامتی کے ہیں لہذا مسلمان اپنے بنیادی نظریہ و عمل کے مطابق جہاں اطاعت الہی کا نمونہ ہیں، وہاں دنیا کے لیے امن و سلامتی کے پیکر بھی ہیں۔ قرآن مجید میں اسلام کی حکومت کو امن کی حکومت قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا  
اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ  
بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ  
الْفَاسِقُونَ. (۱)

”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، مستحکم و پائیدار کر دے گا اور خوف کے بعد انہیں امن

دہشت گردی: فکری مغالطے

بخشنے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے، تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔“

اسلام میں ظلم و ستم کی کسی طرح کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام نے تو مسلمانوں کو واضح طور پر یہ تعلیم دی ہے کہ کسی قوم کی عداوت و دشمنی بھی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم نا انصافی کرنے لگو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ  
أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ. (۲)

”اے ایمان والو! اللہ کے لیے گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔“

اسلام تخریب کاری، دہشت گردی یا معصوم انسانوں کے قتل و غارت کی کس طرح اجازت دے سکتا ہے کہ اس نے تو انسانیت کے احترام، تقدس اور عظمت کا یہ تصور دیا ہے کہ ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کے قتل اور ایک انسان کی جان بچانا، ساری انسانیت کی جان بچانے کے مترادف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ  
أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا. (۳)

”جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی، اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔“

پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ نے انسانیت کے ساتھ جس طرح محبت و شفقت اور رحمت کا درس دیا ہے، وہ آپ کے حسب ذیل ارشادات سے واضح ہے:

۱۔ خبردار جس نے ذمی کافر پر ظلم کیا یا اسے نقصان پہنچایا، اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لیا یا اس کی کوئی تھوڑی سی چیز بھی اس کی رضا کے بغیر لی، تو کل قیامت کے دن میں ایسے شخص سے جھگڑوں گا۔ (۴)

۲۔ اسلام میں سختی اور تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں۔ (۵)

۳۔ جو کسی جاندار (انسان یا حیوان) کی شکل و صورت بگاڑے، اس پر لعنت ہے۔ (۶)

۴۔ زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والوں پر رحم فرمائے گا۔ (۷)

۵۔ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا سبب ہوگا۔ (۸)

۶۔ ایک عورت جہنم میں گئی صرف ایک بلی کی وجہ سے، جسے اس نے باندھے رکھا، بلی کو نہ خود کھانے کے لیے کوئی چیز دی اور نہ اُسے چھوڑا کہ زمین کا گرا پڑا یا جو چیز ملتی، اُسے کھا لیتی۔ (۹)

اسی طرح رحمۃ للعالمین ﷺ کے بے شمار ارشادات کتب حدیث و سیرت میں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کی تعلیمات و ہدایات میں انسانی زندگی کے لیے امن و آشتی، رحمت و شفقت اور صلح و سلامتی کی ضمانت ہے۔

## اسلام دین امن: تاریخ کی روشنی میں

اسلام امن و آشتی کا دین ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے۔ اسی طرح اسلامی تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانوں نے صلح و سلامتی اور امن و آشتی ہی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ تاریخ اسلام سے چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے تمام غزوات اور سرایا کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کفار کے جارحانہ رویوں کے جواب میں تھے۔ مشرکین مکہ، یہود اور نصاریٰ سے آپ نے جس قدر جنگیں کیں، وہ ان کی جارحانہ کارروائیوں کی وجہ سے تھیں۔ شام کے سرحدی علاقوں میں عیسائیوں کی جارحانہ کارروائیوں کے انسداد ہی کے لیے ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے ایک دستہ روانہ فرمایا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حارث بن عمیر کو دعوتِ اسلام کا خط دے کر شرجیل بن عمر غسانی کے پاس بھیجا، اس نے آپ کے اس قاصد کو جب قتل کر دیا تو اس کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے آنحضرت ﷺ نے جنگی مہم کا پروگرام بنایا تھا۔

اسی طرح جب شام کی سرحد پر دشمنوں کی فوجوں کے جمع ہونے اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبریں عام ہو گئیں، تو آنحضرت ﷺ نے اپنے دفاع کا اہتمام فرمایا، الغرض آنحضرت ﷺ کے تمام غزوات اور سرایا دشمنوں کی جارحانہ کارروائیوں کے جواب میں تھے اور ان میں فریقین کا جانی نقصان اس قدر کم ہوا کہ اس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے واضح ہے:

نام فریق	ایر	زخمی	مقتول	کل
مسلمان	۱	۱۲۷	۳۵۹	۳۸۷
مخالف	۶۵۶۳	---	۳۵۹	۷۳۲۳
میزان	۶۵۶۵	۱۲۷	۹۱۸	۷۷۱۰

دہشت گردی: فکری مغالطے

جب کہ دوسری طرف دیگر اقوام کی لڑائیوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کروڑوں انسان کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ مثلاً ”مہابھارت کے مقتولین کی تعداد کروڑوں سے کم نہیں، یورپ کی مقدس مذہبی انجمنوں نے جس قدر نفوس کو ہلاک کیا، ان کی تعداد لاکھوں سے زائد ہے۔ جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب ”اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن“ میں مذہبی عدالت کے احکام سے ہلاکتِ نفوس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے، جو عیسائیوں کے ہاتھوں سے عیسائیوں کی ہوئی تھی۔ اکیلی سلطنتِ سپین نے تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو قتل کیا تھا، جن میں سے بتیس ہزار آدمی زندہ آگ میں جلانے گئے تھے۔“ (۱۰)

آنحضرت ﷺ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی امن و سلامتی کے مشن کو جاری رکھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا، وہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے، آپ نے فرمایا:

”ایہا الناس قد ولیت أمرکم و لست بخیر کم، ایہا الناس انما أنا متبع و لست بمبتدع، فان احسنت فأعینونی، وان زغت فقومونی،.... وان اقواکم عندی الضعیف حتی اخذ له بحقه وان أضعفکم عندی القوی حتی اخذ منه الحق.“ (۱۱)

”لوگو! مجھے تمہارا حاکم بنایا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، لوگو! میں متبع (سنت) ہوں، بدعتی نہیں ہوں، اگر میں امور و معاملات کو اچھے طریقے سے سرانجام دوں تو میری مدد کرو اور اگر میں بھٹک جاؤں، تو مجھے سیدھا کر دو، تم میں سے جو طاقت ور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے، جب تک میں اس سے حق وصول نہ کر لوں اور جو تم میں سب سے کمزور ہے، وہ میرے نزدیک بہت طاقتور ہے، جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں۔“

مسلم اور غیر مسلم کے امتیاز کے بغیر امن و امان اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے یہ آپ کی باقاعدہ طے شدہ پالیسی تھی جس کی وجہ سے معاشرہ امن، چین اور سکون کا گہوارہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب ملک شام کی طرف ایک جہادی لشکر روانہ کیا تو اپنی اسی پالیسی اور اسلامی تعلیمات کے مطابق اسے یہ نصیحت فرمائی:

”عمورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت نہ کاٹنا، بستیاں ویران نہ کرنا، کوئی بکری یا اونٹ کھانے کے سوا ذبح نہ کرنا، کھجور کے درخت نہ کاٹنا اور نہ جلانا، خیانت نہ کرنا اور بزدلی نہ دکھانا۔“ (۱۲)

حضرت عمر فاروقؓ کا عدل تو ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں ہم ان چند معاہدات کو بطور



مثال پیش کریں گے، جو مختلف ممالک کی فتح کے وقت آپؐ نے ان کے باشندوں کے ساتھ کیے تھے۔ ان معاہدات کے مطالعہ سے جہاں اس بات کی تصدیق ہوگی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سکونت پذیر غیر مسلم رعایا کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا معاملہ کیا، جس سے معاشرہ امن و آشتی کا ایسا گہوارہ بن گیا کہ جس کی دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، وہاں اس بات پر غور کرنے کا بھی موقع ملے گا کہ کیا یورپ نے بایں ہمہ دعویٰ تہذیب اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو دیئے ہیں اور یاد رہے کہ ہر قسم کی رعایا کو مکمل حقوق دینے ہی سے معاشرہ میں امن و سلامتی کا فروغ ہو سکتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے معاہدات میں سے بیت المقدس کا وہ معاہدہ بہت مشہور ہے، جو خود آپؐ کی موجودگی میں اور آپؐ ہی کے الفاظ میں لکھا گیا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

”یہ ہے وہ امان جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے۔ اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہیں رہیں گے، ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکل جائے گا، اس کی جان اور مال کو امن ہے۔ حتیٰ کہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہنا پسند کرے تو اس کو بھی امان ہے۔ البتہ اسے جزیہ دینا ہوگا اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ جانا چاہے، تو ان کو اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے، اس پر اللہ کا، اس کے رسولؐ کا اور مومنوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقرر کردہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان ہیں اور یہ ۱۵ھ میں لکھا گیا۔“ (۱۳)

دوسری طرف جب ۱۰۹۹ء میں اسی بیت المقدس پر عیسائیوں نے قبضہ کیا تو:

”مفتوح و مغلوب مسلمانوں کے ساتھ انھوں نے وہ برتاؤ کیا کہ الامان والحفیظ۔ شہر کے

گلی کوچوں میں کشتوں کے پتے لگ گئے، بے دست و پا مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، انھیں آگ میں جلایا گیا اور مسجد اقصیٰ کی چھت اور بنیادوں پر بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا گیا۔“ (۱۴)

اور پھر اسی بیت المقدس کو جب دوبارہ صلاح الدین ایوبی نے فتح کیا تو: ”کسی عیسائی (غیر مقاتل) کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی گئی اور ہلکا سا ٹیکس (جزیہ) لگانے کے بعد سب کو مذہبی آزادی دے دی گئی۔ دوران جنگ عیسائیوں کا سپہ سالار رچرڈ اول بیمار ہوا، تو صلاح الدین ایوبی اسے کھانا، پھل اور دیگر مفرحات بھجواتا رہا۔“ حضرت عمرؓ کے اس نوع کے اور بھی بہت سے معاہدات معروف ہیں، آپؓ نے اپنی وفات کے قریب اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لیے ایک مفصل وصیت بھی لکھوائی تھی، اس وصیت کو محدثین میں سے امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ کے علاوہ بہت سے مؤرخین نے بھی ذکر کیا ہے، اس وصیت کا آخری فقرہ یہ ہے:

اوصیہ بدمۃ اللہ... (۱۵)

”میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں، جن کو اللہ اور ان کے رسولؐ کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ ان سے کیا گیا عہد پورا کیا جائے اور ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔“

خلفاء راشدینؓ آنحضرت ﷺ کے صحیح جانشین تھے، انھوں نے ایسا پر امن ماحول قائم کیا، جسے عالمی تاریخ میں ایک مثالی حیثیت حاصل ہے، اس بارے میں مشہور مغربی مؤرخ ڈاکٹر گستاوی بان کی شہادت سنئے:

”خلفاء راشدینؓ جس ملکی خوش تدبیری کو کام میں لائے، وہ ان کی سپہ گری اور اس فن حرب سے مافوق تھی، جسے انھوں نے آسانی سے سیکھ لیا تھا، شروع ہی سے انھیں ایسی اقوام سے کام پڑا، جن پر سالہا سال سے مختلف حکومتوں نے نہایت بے رحمی سے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ ان نئے ملک گروں کو قبول کر لیا، جن کی حکومت میں انھیں بہت زیادہ آسائش تھی۔ مفتوح اقوام کا طریقہ عمل کیا ہونا چاہیے، نہایت صریح طور پر مقرر کر دیا گیا اور خلفاء اسلام نے ملکی اغراض کے مقابل میں ہرگز بزور شمشیر دین حق کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ بعض اس کے کہ وہ بجز اپنے دین کی اشاعت کرتے، وہ صاف طور پر ظاہر کر دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب و رسوم اور اوضاع کی پوری طرح سے حرمت کی جائے گی اور اس آزادی کے معاوضے میں وہ ان سے ایک بہت خفیف

ساخراج لیتے تھے، جو ان مطلوبات کے مقابل میں جو ان اقوام کے پرانے حکام ان سے وصول کیا کرتے تھے، نہایت ہی کم تھا۔“ (۱۶)

اسی طرح ڈاکٹر گستاوی بان نے حضرت عمرو بن عاصؓ کے بارے میں بھی لکھا ہے:  
 ”جو سلوک عمرو بن عاص نے مصریوں کے ساتھ کیا، وہ اس سے کم نہ تھا، اس نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ پوری مذہب کی آزادی، پورا انصاف بلا رورعایت اور جائیداد کی ملکیت کے پورے حقوق دیئے جائیں گے اور ان ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شہنشاہ یونان ان سے وصول کرتے تھے، صرف ایک معمولی سالانہ جزیہ لیا جائے گا، جس کی مقدار فی کس دس روپے تھی۔“ (۱۷)

ڈاکٹر گستاوی بان نے حضرت عمرو بن عاصؓ کے بارے میں مزید لکھا ہے:  
 ”جیسا کہ حضرت عمرؓ نے بیت المقدس میں کیا تھا ویسا ہی عمروؓ نے بھی عیسائیوں کے ساتھ بہت ہی مہربانی کا سلوک کیا۔ جس وقت قوم قبطنی نے ایک نئے بطریق کی جو عہدہ ان میں ہمیشہ سے چلا آتا تھا، درخواست کی تو عمروؓ نے فوراً وہ درخواست منظور کر لی۔ اس نے مذہب عیسوی کی ہمدردی کو اس درجہ جائز رکھا کہ مسلمانوں کے شہر میں بھی کلیسا تعمیر ہونے کی اجازت دے دی۔“ (۱۸)

۱۱ء میں راجا داہر کی ظالمانہ پالیسیوں کی وجہ سے محمد بن قاسمؓ سندھ پر حملہ آور ہوا اور فتح حاصل کرنے کے بعد تین سال تک اس سرزمین پر قیام پذیر رہا۔ ان تین سالوں میں محمد بن قاسم نے اپنے حسن سلوک سے سندھیوں کو اس حد تک اپنا گرویدہ بنا لیا تھا کہ وہ اس کی ماتحتی میں اپنے ہی فوجی سرداروں سے لڑنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ تین سال بعد جب محمد بن قاسم عراق واپس جانے لگا تو لوگوں کی اشکبار آنکھیں ان کے اندرونی غم کی غمازی کر رہی تھیں۔ لوگ عرصہ دراز تک اس کی جرأت، نیک سلوک اور پر وقار شخصیت کی باتیں کرتے رہے۔  
 تاریخ کی اس شہادت سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلام نے انسانی زندگی کے لیے امن و آشتی، رحمت و شفقت اور سلامتی کی جو تعلیمات دی ہیں، مسلمانوں نے ان تعلیمات کے مطابق عمل کیا اور عملی طور پر اس کا مظاہرہ بھی کیا۔

## جہاد اور دہشت گردی

ابلاغ عامہ میں دہشت گردی کے واقعات کو جہاد کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کا ایک سبب تو دہشت گردی میں ملوث وہ لوگ ہیں جنہوں نے دہشت گردی کو جہاد کا نام دیا ہے اور دوسرے مغرب میں

دہشت گردی: فکری مغالطے

جہاد کا غلط مفہوم ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلے جہاد کے مفہوم کو واضح کیا جائے؟

اسلام امن و آشتی اور محبت و سلامتی کا دین ہے، تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر مسلمانوں پر ظلم ہو تو وہ اسے برداشت کرتے جائیں اور اگر انھیں دہشت گردی کا نشانہ بنایا جائے، تو وہ اس کا نشانہ بنتے جائیں، اسلام کے امن و سلامتی کے دین ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کو ظلم نہیں کرنا چاہیے، کسی کا ناحق خون نہیں بہانا چاہیے، معصوم انسانوں کی جان و مال کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچانا چاہیے، جہاں تک ظالم کے ہاتھ کو روکنے کا تعلق ہے، تو اسلام بلاشبہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ظالم کا ہاتھ روک دیا جائے اور دہشت گردی کا مقابلہ کیا جائے۔ ظلم و زیادتی، تخریب کاری اور دہشت گردی کے اسی مقابلہ کو اسلامی اصطلاح کے مطابق جہاد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی جہاد اور دہشت گردی میں فرق یہ ہے کہ جہاد ظلم و زیادتی اور فتنہ و فساد کا مقابلہ کرنے اور اسے روکنے کا نام ہے، جبکہ دہشت گردی فتنہ انگیزی اور ظالمانہ کارروائی ہے۔ جہاد حق کے دفاع اور عدل و انصاف کے قیام کا نام ہے، جب کہ دہشت گردی اندھا دھند قتل و غارت گری اور بے دریغ تباہی و بربادی مچا دینے کا نام ہے۔ دہشت گردی سراسر ایک منفی طرز عمل ہے، جب کہ جہاد ایک مثبت اصول حیات ہے، جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سر بلندی اور انسانیت کا تحفظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد سے متعلق اسلامی تعلیمات و ہدایات میں یہ سنہری اصول بھی موجود ہیں:

- ۱۔ اہل قتال کو بھی آگ میں نہ جلایا جائے۔
- ۲۔ کسی کو باندھ کر نہ مارا جائے۔
- ۳۔ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔
- ۴۔ لاش کو بگاڑا نہ جائے۔
- ۵۔ سفیر کو قتل نہ کیا جائے۔
- ۶۔ بدعہدی نہ کی جائے۔
- ۷۔ راہبوں اور عابدوں کو ستایا نہ جائے اور نہ ان کی عبادت گاہیں مسمار کی جائیں۔
- ۸۔ کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں۔
- ۹۔ آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔
- ۱۰۔ جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔

یہ اور اس طرح کے دیگر اصول ہیں، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام نے حالت جنگ میں بھی انسانیت کو امن و سلامتی اور حسن سلوک کا پیغام دیا ہے، مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ آج اسلام کو انتہا پسند دین، جہاد کو

دہشت گردی اور مسلمانوں کو دہشت گرد اور تخریب کار قرار دیا جا رہا ہے۔ افسوس کہ دنیا کی اس سوچ اور فکر کو آب و گل ہمارے حالات اور ہمارے اعمال و افعال سے فراہم ہو رہا ہے۔ دشمنوں کے اس غلیظ پروپیگنڈا کے مقابلہ کے لیے ہمیں سب سے پہلے اپنے حالات کو سنوارنا اور اپنے افعال و اعمال کو بدلنا ہوگا۔ ہمیں سب سے پہلے خود وطن عزیز سے ہر قسم کی دہشت گردی کو ختم کر کے، اسے امن و سکون کا گہوارا بنانا اور تعمیر و ترقی کی شاہراہ پر چلانا ہوگا۔

## اسلام اور حرابہ

جو شخص زمین میں فتنہ و فساد برپا کرے، ذہنی اور فنی اور قتل و غارت کا بازار گرم کرے اور اپنے ان مذموم افعال کے ذریعہ امن و امان کو ختم کر کے خوف و دہشت کی فضا پیدا کرے، تو اس قسم کی صورت حال کو قرآن مجید میں حرابہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ انسانی معاشرے کے خلاف ایک سنگین جرم ہے لہذا اسلام میں اس کی سزا بھی سنگین ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا  
أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ  
لَهُمْ حِزْبٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ. (۱۹)

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا (بھاری) عذاب ہے۔“

قرآن مجید کی حرابہ کی یہ اصطلاح اپنے عموم کی وجہ سے دہشت گردی کی اصطلاح سے زیادہ وسیع اور جامع ہے کیونکہ یہ خوف و دہشت، ظلم و ستم، قتل و غارت، ذہنی و فنی اور فتنہ و فساد کی تمام صورتوں کو محیط ہے، خواہ ان کا ارتکاب سیاسی، ذاتی، انفرادی، اجتماعی اور مادی کسی بھی قسم کے اغراض و مقاصد کی خاطر کیا گیا ہو، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام فتنہ و فساد اور دہشت گردی کا کتنا شدید مخالف ہے۔

داخلی امن و سلامتی اور استحکام کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وہ اقدامات نہایت اہمیت کے حامل ہیں، جو آپؓ نے مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف کیے تھے، اس طرح حضرت علیؓ نے امن و امان کی فضا قائم کرنے اور ملک کے داخلی استحکام کے لیے خوارج کے خلاف جو اقدامات کیے تھے، وہ بھی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح رہے کہ اگر حکمران ایسے اقدامات شروع کر دیں، جو اسلامی

شریعت کے صریحاً خلاف ہوں یا ملحد و زندیق قسم کے لوگ برسرِ اقتدار آ کر اسلام کے خلاف معاندانہ اقدامات شروع کر دیں، تو پھر رعایا کو ایسے حکمرانوں کے خلاف اقدام کی اجازت ہے، مگر یہ اجازت چند سخت شرائط کے ساتھ مشروط ہے، جن کی تفصیل فقہ و اسلامی سیاسیات کی کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ تاہم شریعت اسلامی نہ قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت دیتی ہے نہ دہشت گردی کی۔

غیر ملکی ابلاغ عامہ اور عالمی رپورٹوں میں عام طور پر اسلام اور دہشت گردی کو لازم و ملزوم اور ہر مسلمان کو دہشت گرد، خاص طور پر تمام مذہبی شعائر نماز، روزہ، داڑھی یعنی مذہبی رجحان کو دہشت گردی ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہ طرزِ فکر دہشت گردی کے خاتمے کے بجائے اس کے فروغ کا سبب بن رہا ہے۔

## حواشی

- ۱- (النور: ۲۴: ۵۵)
- ۲- (المائدہ: ۵: ۸)
- ۳- (المائدہ: ۵: ۳۳)
- ۴- ابوداؤد، السنن، الخراج، باب فی تعشیر اهل الذمة، رقم الحدیث ۳۰۵۲، (ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء)
- ۵- ابن ماجہ، السنن، الاحکام، باب من بنی، رقم الحدیث ۲۳۳۲، (ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء)
- ۶- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الذبائح والصيد، باب ما یکرہ من المثلث، رقم الحدیث ۵۵۱۵، (ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء)
- ۷- ابوداؤد، السنن، الأدب، باب فی الرحمة، رقم الحدیث ۴۹۳۱، (ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء)
- ۸- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم، باب ظلمات یوم القیامة، رقم الحدیث ۲۴۴۷، (ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء)
- ۹- بخاری، الجامع الصحیح، بدأ الخلق، باب اذا وقع، رقم الحدیث ۳۳۱۸، (ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء)
- ۱۰- منصور پوری، قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، سنہ ندارد)، ج ۲، ص ۲۱۹-۲۲۱
- ۱۱- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ (بیروت: دار صادر، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۹ء)، ج ۳، ص ۱۸۲-۱۸۳۔ ابن کثیر، البدایة والنهاية (بیروت: مکتبہ المعارف، ۱۹۶۶ء)، ج ۵، ص ۲۴۸۔
- ۱۲- امام مالک، الموطأ، کتاب الجہاد، باب النهی عن قتل النساء والولدان فی الغزو، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۷ء)
- ۱۳- الطبری، تاریخ الرسل والملوک (بیروت: مکتبہ خیاط، سنہ ندارد)، ج ۳، ص ۴۳۴۔
- ۱۴- اسٹینلین پول (مصنف)، آباد شاہ پوری (مترجم)، صلاح الدین ایوبی (اسلام آباد: بک پروموترز، ۱۹۹۷ء)، ص ۹۸۔
- ۱۵- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، رقم الحدیث ۲۲۳۳، (ریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء)
- ۱۶- ڈاکٹر گستاوی بان، (ترجمہ سید علی بگرا می)، تمدن عرب (لاہور: مقبول اکیڈمی، سنہ ندارد)، ص ۱۳۱۔
- ۱۷- حوالہ مذکور ص ۱۳۲۔
- ۱۸- حوالہ مذکور ص ۲۹۲-۲۹۳۔
- ۱۹- المائدہ (۵: ۳۳)

باب چہارم

## دہشت گردی: قانونی مغالطے

اسلم سہراب

ایڈووکیٹ، اسلام آباد

اسلامی نظریاتی کونسل نے سال 2005ء میں اسلام اور دہشت گردی کے موضوع پر ایک سیمینار کا انعقاد کیا۔ معروف فاضل افراد کا ایک پینل تشکیل دیا گیا اور چند مسائل کا انتخاب کیا گیا جن پر اس پینل نے گفتگو کرنی تھی۔ کونسل نے دو علیحدہ مواقع پر منعقدہ سیمینار کی کارروائی پر مبنی ایک رپورٹ شائع کی۔ اس رپورٹ کا جواز آئین کی وہ شق ہے جس کے تحت کونسل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ایسی سفارشات وضع کرے تاکہ عوام اس قابل ہو جائیں کہ وہ اپنی زندگیاں اسلامی اصولوں کے مطابق گزار سکیں۔ معاشرے میں عدم تحفظ کے احساس اور قومی فلاح و بہبود کو خطرے میں ڈالنے والے دہشت گردی کے واقعات سے اس رپورٹ کی تحریک ملی۔ مزید برآں، اسلامی ریاستوں کو بین الاقوامی دہشت گردی کا ہدف بنایا جا رہا ہے اور ایک بین الاقوامی پراپیگنڈہ مہم چلائی جا رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیا جائے اور اسلام کو دہشت گردی کے مذہب کے طور پر بدنام کیا جائے۔ پینل کی جانب سے جو مسائل بحث کے لئے ترتیب دئے گئے تھے ان میں دہشت گردی کی تعریف، اہداف، مقاصد اور اسباب شامل تھے۔ علاوہ ازیں ایک دہشت گرد کی تعریف اور حتمی طور پر دہشت گردی سے متعلق تجاویز اور سفارشات ایسے مسائل تھے جن پر روشنی ڈالی گئی۔ اسلام اور دہشت گردی جیسے بعض اہم اور متعلقہ مسائل پر روشنی ڈالنے کے لیے اور جہاد اور دہشت گردی کے درمیان فرق واضح کرنے کے لیے تین ضمیمہ

دہشت گردی: قانونی مغالطے

جات بشمول امن اعلیٰ کو رپورٹ میں شامل کیا گیا۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے دہشت گردی کے ”اسباب و وجوہات“ کے حوالے سے بعض قابل تعریف مشاہدات پیش کیے ہیں۔ مثلاً بنیادی حقوق کی خلاف ورزی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر غیر منصفانہ سماجی و سیاسی نظام کی موجودگی اور قانون کی محدود حکمرانی اور قومی سطح پر سیاسی نظام میں عدم استحکام جیسے عناصر دہشت گردی کے عوامل قرار دیے گئے۔ بین الاقوامی پس منظر میں اسلامی دنیا میں موجود قدرتی وسائل پر قبضے کے امریکی منصوبے اور امت مسلمہ پر مغربی ثقافت مسلط کرنے کو اس امریکی منصوبے کا حصہ قرار دیا گیا جس کے تحت امریکہ دنیا پر اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ اس حکمت عملی کے حوالے سے دہشت گردی کے خلاف امریکی مہم بذات خود دہشت گردی ہے۔ قومی سطح پر طاقت کے استعمال کے ذریعے سیاسی اقتدار چھیننا بھی دہشت گردی کا ایک ذریعہ بن گیا ہے۔ کونسل کی جانب سے پیش کی گئی ”تجاویز اور سفارشات“ مسلمان ریاستوں سے متعلق ہیں کہ وہ متحد ہو کر دہشت گردی کے خطرات سے نمٹیں، دہشت گردی کو جہاد قرار دینے کے الزام کی پیشگی روک تھام کریں، انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو ختم کریں اور مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں بشمول اہم ایجنسی آئی ایس آئی کی تنظیم نو کریں اور مجموعی جائزہ لیں تاکہ دہشت گرد گروہوں کی سیاسی سرپرستی کا خاتمہ کیا جاسکے۔

## دہشت گردی کی صحیح تعریف

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی رپورٹ میں خصوصی طور پر اس بات کی وضاحت کی ہے کہ دنیا میں اس وقت دہشت گردی کی کوئی قابل قبول تعریف موجود نہیں ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ خصوصاً اسلامی دنیا کی جانب سے دہشت گردی کی ایک تعریف وضع کی جائے۔

دہشت گردی کی تعریف پہلے سے متذکرہ ضروری خدو خال کے ساتھ کرنے کی ضرورت وہ حقیقت ہے جس کی وجہ سے اسلامی دنیا ایسے الزامات کا سامنا کر رہی ہے جو دہشت گردی کے حوالے سے اس پر لگائے گئے ہیں۔ یہ عجیب سی بات نظر آتی ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے اکتوبر ۲۰۰۱ء میں افغانستان پر حملہ اپنی دہشت گردی کے خلاف مہم کے ایک حصے کے طور پر کیا، بغیر اس کے کہ اس وقت دنیا میں دہشت گردی کی کوئی قابل قبول تعریف موجود ہو۔ اسی طرح سے ہندوستان نے پُر تشدد واقعات کے بعد جس میں یکم دسمبر کو پارلیمنٹ کو نشانہ بنایا گیا تھا پاکستان کے ساتھ اپنی مشترکہ سرحدوں پر ایک ملین فوج تعینات کر دی، پاکستان کو اپنے بڑے بڑے مطالبات پیش کرنے شروع کر دیے اور بظاہر پور فوجی کارروائی کے درپے ہو گیا۔ بالآخر پاکستان کی جانب سے اپنے حتمی موقف پر ڈٹے رہنے اور ہندوستان کے غلط رویے پر



بین الاقوامی تنقید کی وجہ سے ہندوستان نے محاذ سے اپنی افواج واپس بلوالیں۔ اس سے مسلمہ طور پر اور روایتی فوجی معیارات کے مطابق ہندوستان کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔ اب تک یہ بات کہی جاتی رہی ہے کہ ہندوستان کی جانب سے اس قسم کے فوجی اقدام کا فیصلہ دہشت گردی کی کوئی قابل قبول تعریف کی عدم موجودگی کے باوجود کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان نے عمومی طور پر مسلمہ فطری انصاف کے تقاضے کی کھلم کھلا خلاف ورزی بھی کی تھی۔ ہندوستان نے یکطرفہ اپنے معاملے کی از خود منصفی کرنے کی کوشش کی تھی اور اس مقصد کے لیے وہ اس میں اقوام متحدہ یا کسی دیگر غیر جانبدار ادارے کو بھی خاطر میں نہیں لایا۔ اس بات کے باوجود کہ ہندوستان اس معاملے میں صرف ایک فریق تھا۔

اس طرح امریکہ نے افغانستان پر یکم دسمبر کو جو حملہ کیا تھا وہ بھی فطری انصاف کی ایک خلاف ورزی تھی اس لیے کہ یہ حملہ اپنے موقف کی حمایت میں عدالتی معیار کی کوئی شہادت پیش کیے بغیر کیا گیا تھا۔ امریکہ نے ایک طرفہ طور پر اپنے معاملہ کے بارے میں خود فیصلہ کیا۔ لہذا اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دہشت گردی کی کسی قابل قبول تعریف کی عدم موجودگی اور دہشت گردی کے بارے میں اپنی من پسند کارروائیوں کی وجہ سے، جیسا کہ ہندوستان اور امریکہ کے رویوں کی مثالیں پیش کی گئی ہیں، مسلسل بین الاقوامی منظر پر نامطلوب اثرات پڑتے رہیں گے۔

دہشت گردی کی ایسی تعریف جسے وسیع طور پر پوری دنیا میں تسلیم کیا جائے جیسا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ میں بیان کیا گیا ہے، کے بعض تقاضے ہیں۔ نوعیت، وسعت، خصوصیات، پہلوؤں کی نشاندہی مذکورہ دہشت گردی کی تعریف کا حصہ ہیں۔ دہشت گردی کے کئی وجوہات ہوتی ہیں مثلاً سیاسی، نظریاتی، مذہبی اور معاشی۔ تاہم یہ دہشت گردی کی سیاسی وجہ ہے جو کہ (بین الاقوامی) سطح پر ریاست کے اندر اور باہر دونوں سطحوں پر اثرات ڈالتی ہے۔ بنیادی طور پر متفقہ لائحہ عمل کے حصول کے لئے دہشت گردی کی تعریف میں بعض بنیادی مفروضات کی بھی بات کی جانی چاہئے۔

(i) دہشت گردی بنیادی طور پر قانونی یا فوجی مسئلے کے بجائے ایک سیاسی مسئلہ ہے۔

(ii) دہشت گردی کمزور کا طاقتور کے خلاف جواب ہے۔

(iii) اصل مسئلے کی نشاندہی اور اسے حل کیے بغیر دہشت گردی کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر سکتا ہے یعنی

دہشت گردی کے خاتمے کے لیے دہشت گردی کا ہی سہارا لیا جاسکتا ہے۔ (اس آخری پیچیدگی کی نشاندہی اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ جو دہشت گردی سے متعلق ہے، میں بھی کی گئی ہے۔) دہشت گردی سے متعلق پائے جانے والے ان مفروضوں کے تناظر میں ریاست اکثریتی واقعات

دہشت گردی: قانونی مفاصلے

میں ذمہ دار دکھائی دیتی ہے، خواہ اسباب ریاستی ہوں یا بین الریاستی۔ جہاں تک اس معاملے کے بنیادی سبب کا تعلق ہے، اس میں سیاسی ناانصافی کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ دہشت گردی قوموں کی سیاسی حیثیت کے تعین اور معاشی، سماجی اور تہذیبی ترقی کے لئے حق خود ارادیت سے انکار کا نتیجہ ہے۔ ملکی یا بین الاقوامی سطح پر ظلم دہشت گردی کا اہم سبب ہے۔ یہ حقیقت قابل ذکر ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ریاست کا ملوث ہونا دہشت گردی کا بنیادی ذریعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے دہشت گردی کی اصطلاح کا استعمال اس وقت کیا گیا تھا، جب حکومت فرانس نے جیکین نامی دہشت گردی کے واقعے میں اٹھارویں صدی کے آخر میں حصہ لیا۔ دہشت گردی کی تعریف جو تین مفروضوں پر موقوف ہے، بذات خود متعلقہ قانون سازی کو عمل میں لاسکتی ہے۔ دہشت گردی کی یہ تعریف انصاف کے قیام، قانون کی بالادستی اور مساوات کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اس معنی میں کہ قانون کا اطلاق ہر حالت میں تمام افراد یا ریاستوں پر ہونا چاہئے، سیاسی ناانصافی کے خاتمے کے لئے قانون ایک بنیادی شرط ہے اور سیاسی ناانصافی بہت سارے واقعات میں سے ایک بنیادی سبب ہے۔ یہ قابل ذکر بات ہے کہ صحیح قانون سازی اور انصاف کی پرورش اطمینان بخش طور پر دہشت گردی کی دوسری صورتوں یعنی مذہبی، نظریاتی وغیرہ کا حل اور کنٹرول فراہم کرے گی۔ صحیح قانون سازی وہ ضروری شرط ہے جو دہشت گردی کے عامل کا علاج کرتی ہے جو ریاستی سطح پر ناانصافی سے عبارت ہے جس کا مقصد قانونی انصاف کی فراہمی ہے، فطری طور پر اس کی وجہ سے بین الاقوامی قانون پر انحصار پیدا ہوگا۔

دہشت گردی کی تعریف سے متعلق مذکورہ پس منظر میں اور تمام اقوام اور لوگوں کی خاطر انصاف کے حصول کے لئے ایک ایسی تعریف کافی ہوگی جو (اندرون ملک مسائل کے بارے میں) اور دہشت گردی کے بین الاقوامی پہلو (بین الاقوامی مسائل) کا احاطہ کرتی ہو، کیونکہ ریاست کے معاملے میں دہشت گردی کے مسئلے سے متعلق اہم مقصد انصاف کا حصول ہے اور بڑا مقصد دہشت گردی کا خاتمہ ہے۔ جبکہ عالمی سطح پر اصل مقصد سیاسی طور پر ہونے والی ناانصافی کی جگہ سیاسی انصاف کا حصول ہے۔ سیاسی انصاف کا حصول ریاستی اختیارات پر عمومی پابندیاں عائد کرنے سے ممکن ہوگا۔ سیاسی انصاف کے حصول کا اہم مقصد دہشت گردی کی اہم بنیادی وجہ یعنی دنیا میں سیاسی ناانصافی کا خاتمہ ہے۔ قابل ذکر حقیقت یہ ہے کہ قانونی انصاف کے حصول کے لئے ویسٹ

فائین دنیا (1648ء) کے بعد ریاستی ڈھانچہ مناسب فورم ہے جبکہ سیاسی انصاف کے حصول کے لئے ایک بالاتر ریاست کا ڈھیلا ڈھالا ڈھانچہ لازمی ہے جو دنیا کی موجودہ صورتحال میں اقوام متحدہ اور عدالت انصاف جیسی بین الاقوامی تنظیموں کے ذریعے فراہم کیا جاتا ہے۔

اس تناظر میں دہشت گردی کی مطلوبہ تعریف قانون اور سیاست جیسے دو پہلوؤں پر مبنی ہے، قانون اور سیاست آپس میں لازمی طور پر منسلک ہیں۔ کیونکہ ایسی تعریف کو ہی عالمی قبولیت حاصل ہو سکتی ہے، دنیا سے دہشت گردی کے خطرے کے خاتمہ کے مطلوبہ مقصد کے حصول کے لئے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر قومی ریاستیں، ظالم اور مظلوم قومی ریاستیں، باغی اور برسر اقتدار حکومتیں، عملی سیاست میں حصہ لینے والے سیاستدان اور بین الاقوامی قانون کا کردار ادا کرنے کے خواہش مند، کمزور اور مضبوط وسائل رکھنے والی غاصب ریاستیں دہشت گردی کی اس تعریف کو قبول کر سکتی ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں دہشت گردی کی مفید، متوازن اور مناسب تعریف کی تشکیل دوہرے پہلوؤں پر مشتمل ہوگی: قانونی پہلو میں اس تعریف کے اہم خدوخال حسب ذیل ہوں گے:

”اپنے پیش نظر ہدف کے حصول کے لئے خوفزدہ کرنے کے ارادے سے غیر قانونی اقدام یا تشدد کی دھمکی جس میں ریاست کے ان قوانین کی خلاف ورزی ہوتی ہو جن میں، امن عامہ، جائیداد کے خلاف جرائم اور وہ جرائم جو انسانی زندگی اور اس کی فلاح و بہبود وغیرہ کو متاثر کرتے ہوں، شامل ہیں“

جب کہ اس تعریف کے سیاسی پہلو کا لازمی عنصر حسب ذیل ہے:-

”کسی قومیت، کسی نسلی گروہ یا کسی قوم کو خوفزدہ کرنے کے لئے غیر قانونی اقدام کرنا یا تشدد کی دھمکی دینا تاکہ وہ اپنے جائز سیاسی اور معاشی حقوق سے دستبردار ہو جائے، ان حقوق میں اقوام متحدہ کے چارٹر میں درج حق خودارادیت اور انسانی حقوق کے کئی بین الاقوامی اعلامیے شامل ہیں، یا درکار رضا مندی کے بغیر اپنی سیاسی حکمرانی مسلط کرنا اور یہ فکر نہ کرنا کہ یہ امکان ہو سکتا ہے کہ محروم اور مظلوم قوم ایسا پُر تشدد انتقام لے سکتی ہے جو عالمی امن کے لئے خطرہ ہو، ایسا انتقام ریاست کے اندر سے بھی ہو سکتا یا ریاست کی عمل داری سے باہر بھی ہو سکتا ہے۔“

اس جامع تعریف میں دو نکات کی وضاحت ضروری ہے۔ قانونی تعریف کی وضاحت میں استعمال

ہونے والا جملہ ”پیش نظر ہدف“ عام مفہوم میں اس سے مراد برادری یا معاشرہ ہے، یہاں پر برادری یا معاشرہ کی تعریف محدود افراد کے گروہ سے مختلف ہے جن کے خلاف تشدد کے براہ راست اقدام کیے جاتے ہیں۔ اس تعریف کے سیاسی پہلو کے تناظر میں لفظ ”غیر قانونی“ تعریف کا متقاضی ہے۔ کیونکہ بین الاقوامی قانون عموماً مسلمہ مفہوم میں قانون تصور نہیں ہوتا کیونکہ اس کی تعمیل کے لئے مستند جواز کی کمی ہوتی ہے۔ یہ ایسی صورتحال کی نمائندگی کرتی ہے جو قومی ریاست کی عمل داری کے برعکس ہے جہاں ریاست خصوصی اختیار کا حق رکھتی ہے اور ریاست کے پاس قانون کی تعمیل کے لئے پابندیوں کے نفاذ کی خاطر وسائل و ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر ”قانون“ سے متعلق یہ حقیقت اقوام متحدہ کی جانب سے دہشت گردی کے بارے میں اختیار کردہ جامع تشریح کے لئے لازمی طور پر جواز بنتی ہے۔

متعلقہ بین الاقوامی قانون کی تشکیل کے لئے ایک پیشگی اقدام کے طور پر اقوام متحدہ کی جانب سے ممکنہ وضع کردہ تعریف کے اختیار کرنے کا عمل ان پابندیوں کے لئے ایک محدود متبادل کے طور پر کام کرے گا۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کو مد نظر رکھتے ہوئے قومی ریاستوں کی جانب سے اس تعریف کی پابندی اور اس کے مفاہیم کے لئے مطلوبہ پابندیوں کی خاطر کم از کم جزوی قانون کے طور پر ایک محدود متبادل ہو سکتی ہے۔

باب پنجم:

## خوارج: صدر اسلام میں انتہا پسندی کا ایک نمونہ

ثاقب اکبر

### خوارج کون ہیں؟

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت شعبان 37ھ میں جب جنگ صفین اختتام پذیر ہونے کے قریب تھی تو افواج شام کی جانب سے قرآن نیزوں پر بلند کیے گئے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ آئیں قرآن کی بنیاد پر آپس میں فیصلہ کریں۔ امیر المومنین کی افواج میں اس دعوت کی سنجیدگی و عدم سنجیدگی کے حوالے سے اختلاف پیدا ہوا۔ آپ اس جنگ کو منطقی انجام تک پہنچانا چاہتے تھے۔ مگر فوج کے ایک اہم حصے نے اس دعوت کو قبول کرنے پر اصرار کیا۔ بہر حال دونوں طرف سے حکم مقرر ہو گئے۔ جب معاہدہ تحکیم طے پا گیا تو ایک گروہ نے تحکیم کی مخالفت شروع کر دی۔ بد قسمتی سے یہ وہی گروہ تھا جو پہلے تحکیم کو قبول کرنے پر مصر تھا۔ یہاں تک ان لوگوں نے حضرت علیؑ کو دھمکی دی کہ اگر آپ نہ مانے تو ہم آپ کے خلاف تلوار اٹھالیں گے۔ بعد میں انہی افراد نے ”لاحکم الا للہ“ کا نعرہ لگایا۔ جس سے ان کی مراد یہ تھی کہ کسی کو حکم مقرر کرنا خلاف اسلام ہے۔ حضرت علیؑ نے ان سے کہا کہ کیا یہ تم ہی نہیں تھے کہ جنہوں نے تحکیم کو قبول کرنے کے لئے مجبور کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایسا کر کے گناہ کیا تھا جو باعث کفر تھا، اب ہم نے توبہ کر لی ہے۔ آپ بھی اسے قبول کر کے کافر ہو چکے ہیں لہذا آپ بھی توبہ کریں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ حکم مقرر کرنا غلطی نہیں، نہ خلاف اسلام ہے اور نہ کفر۔ لیکن ان کا کہنا یہ تھا کہ علیؑ اپنے کفر کا اقرار کریں اور توبہ کریں، ورنہ ہم ان کے خلاف لڑیں گے۔ انہی

خوارج: صدر اسلام میں انتہا پسندی کا ایک نمونہ

لوگوں کو ”خوارج“ کہا گیا کیونکہ یہ گروہ بعد ازاں ساری امت کو کافر اور خود کو مسلمان قرار دے کر امت سے جدا ہو گیا اور امت کے خلاف تیغ زنی کرتا رہا۔

آہستہ آہستہ ایک مکمل خارجی مذہب وجود میں آ گیا۔ ان کے اپنے مذہبی اصول و فروع تھے۔ ان کے متعدد فرقے ہوئے۔ خوارج کا سلسلہ دور عباسی کے اوائل تک چلتا رہا۔ انھوں نے ہمیشہ حکومتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیے رکھا۔ ان کا مختصر تعارف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ان الفاظ میں کروایا ہے:

”یہ گروہ جنگ صفین کے زمانہ میں اس وقت پیدا ہوا جب حضرت علیؑ و معاویہؓ اپنے اختلافات کا تصفیہ کرنے کے لئے دو افراد کے حکم مقرر کرنے پر راضی ہوئے۔ اس وقت تک یہ لوگ حضرت علیؑ کے حامیوں میں سے تھے۔ مگر تحکیم پر یہ اچانک بگڑ گئے اور انھوں نے کہا کہ خدا کے بجائے انسانوں کو فیصلہ کرنے والا مان کر آپ کافر ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد یہ اپنے نظریات میں دور سے دور نکلتے چلے گئے اور چونکہ ان کے مزاج پر تشدد تھے نیز یہ اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں کے خلاف جنگ اور غیر عادل حکومت کے خلاف خروج (مسلح بغاوت) کے قائل تھے اس لئے انھوں نے ایک طویل مدت تک کشت و خون کا سلسلہ برپا رکھا، یہاں تک کہ عباسی دور میں ان کی قوت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ ان کا بھی سب سے زیادہ زور عراق میں تھا اور بصرہ و کوفہ کے درمیان البطاح کے علاقے میں ان کے بڑے اڈے قائم تھے۔“ (۱)

## خوارج کے عقائد

خوارج کے عقائد کا خلاصہ کچھ اس طرح سے ہے:

- 1- خوارج حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی خلافت کو درست مانتے تھے تاہم ان کے تیسے حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے آخری دور میں خلاف عدل و حق اقدامات کے سبب کافر ہو گئے تھے۔ تحکیم کو قبول کرنے کے سبب ان کے نزدیک حضرت علیؓ بھی کافر تھے۔ وہ معاویہؓ، اصحاب جمل، اصحاب تحکیم اور جو تحکیم پر راضی ہوئے سب کو کافر سمجھتے تھے۔ بعد کے خلفاء بھی ان کے نزدیک کافر تھے۔
- 2- جو لوگ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کو کافر نہیں جانتے تھے، خوارج کے نزدیک وہ بھی کافر تھے۔
- 3- خوارج کے نزدیک ایمان فقط قلبی عقیدہ سے عبارت نہیں بلکہ اوامر پر عمل اور نواہی کو ترک کرنا ان کے نزدیک جزو ایمان ہے۔ گویا ایمان اعتقاد و عمل کا مرکب ہے۔

- 4- ان کے مطابق ظالم والی و امام کے خلاف خروج بلا شرط واجب ہے۔ ان کے عقیدے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کسی اور شے سے مشروط نہیں بلکہ اس الہی حکم پر عمل درآمد ہر مقام پر بلا استثنا واجب ہے۔
- 5- اپنے علاوہ وہ سب کو کافر سمجھتے تھے، کافر کا خون بہانا ان کے نزدیک جائز تھا اور اپنے علاوہ ہر شخص کو دائمی جہنم کا حقدار سمجھتے تھے۔
- 6- ان کے مطابق ضروری نہ تھا کہ خلیفہ قریشی ہو۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خلیفہ کو آزاد انتخاب سے چنا جانا چاہیے۔
- 7- گناہ ان کے نزدیک کفر کا ہم معنی تھا اور ہر مرتکب گناہ کبیرہ (اگر وہ توبہ و رجوع نہ کرے) کو کافر قرار دیتے تھے۔
- 8- ان کے خیال میں خلیفہ جب تک طریق عدل و صلاح پر رہے اس کی اطاعت واجب ہے مگر جب وہ اس طریق سے ہٹ جائے تو اس سے لڑنا اور اسے قتل کر دینا بھی واجب ہے۔ (۲)

### مختلف گروہوں کے نظریات

خوارج کے مختلف گروہ تھے۔ واقعہ تحکیم کے بعد جو گروہ معرض وجود میں آیا وہی دراصل خوارج کے بعد میں پیدا ہونے والے گروہوں کے لئے ام الفرق کی حیثیت رکھتا ہے اسے تحکیم کی ہی مناسبت سے محکمۃ کہا جاتا ہے۔ سطور بالا میں خوارج کے جن عقائد کا ذکر کیا گیا ہے وہ خوارج کے تمام گروہوں میں مشترک رہے ہیں۔ اپنے علاوہ دوسروں کو کافر سمجھنے میں یہ تمام گروہ متفق رہے۔ جب تک انھیں طاقت حاصل رہی مسلسل حکومتوں کے خلاف شورشیں برپا کیے رہے۔ تمام مسلمان حکمرانوں اور اپنے علاوہ دیگر مسلمانوں کی تکفیر کرتے تھے۔ مسلمانوں کے مال و اسباب کو لوٹنا جائز سمجھتے تھے۔ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر سمجھنے میں بھی سب کا اتفاق تھا۔ البتہ مخالفین کی عورتوں اور بچوں کے قتل کے بارے میں ابتدائی خوارج اور ازارقہ کو تو کوئی باک نہ تھا۔ ان کے بعض دیگر گروہ جن میں نجدات وغیرہ شامل تھے ان کی رائے تھی کہ بچے کو قتل نہ کیا جائے لیکن وہ جب بالغ ہو جائے تو اسے اسلام یعنی خارجی نظریات پیش کیے جائیں، قبول کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔

گویا شدت پسند تو تمام تر خوارج ہی رہے ہیں تاہم خوارج کے مختلف گروہوں کے نظریات میں شدت پسندی کے مختلف درجات دکھائی دیتے ہیں۔ جنگ نہروان کے بعد ان کا جو سب سے بڑا گروہ سامنے آیا اسے ”ازارقہ“ کہتے ہیں۔ یہ گروہ تشددانہ نظریات میں دوسروں کی نسبت شدید تر تھا۔ یہ لوگ نافع بن ازرق کے پیروکار تھے۔ اسی نسبت سے انھیں ازارقہ کہا جاتا ہے۔ خوارج کے دیگر فرقوں کی نسبت یہ زیادہ طاقت ور تھے۔ اپنے مخالفین کو کافر و مشرک سمجھتے تھے بلکہ ان خوارج کو بھی مشرک جانتے تھے جو ان کے گروہ میں شامل نہ ہوتے

خوارج: صدر اسلام میں انتہا پسندی کا ایک نمونہ

تھے جبکہ ابتدا میں جو افراد خارجی ہوئے وہ اپنے دشمنوں کو کافر سمجھتے تھے لیکن دشمنوں کو مشرک نہیں کہتے تھے۔ جو افراد اس گروہ میں شامل ہونے کو تیار ہو جاتے انھیں سخت آزمائشوں سے گزارا جاتا تھا۔ انھیں اپنے آپ کو بطور قیدی پیش کرنا پڑتا تھا۔ اسی صورت میں انھیں قبول کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے مخالفین کی عورتوں اور بچوں کے قتل کو بھی جائز بلکہ واجب سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے دشمن ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔ البتہ اس عقیدے میں بھی دیگر خوارج ان کے ہم مسلک تھے۔ (۳)

## خوارج کی ذہنی ساخت اور ماہیت

خوارج کی مذہبی ذہنیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں بڑے محتاط تھے۔ کھانے پینے میں حرام و حلال کا بڑی شدت سے خیال رکھتے تھے۔ غیر مسلموں کے حقوق اور جان و مال کی پاسداری پر قائم تھے لیکن اپنی رائے سے اختلاف کرنے والے مسلمانوں کا خون بے دردی سے بہا دیتے تھے۔ تاریخ طبری، تاریخ کامل اور دیگر تواریخ میں ان کے بارے میں عجیب و غریب واقعات درج ہیں۔ ہم ذیل میں تاریخ طبری سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں جس سے خوارج کی فکری ساخت اور مذہبی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے ان کے فقہی نظریات کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے:

قال أبو مخنف عن عطاء بن عجلان، عن حميد بن هلال: إن الخارجة التي أقبلت من البصرة جاءت حتى دنت من اخوانها بالنهر، فخرجت عصابة منهم، فاذا هم برجل يسوق بامرأة على حمار، فعبروا اليه، فدعوه فتهددوه وأفرعوه، وقالوا له: من أنت؟ قال: أنا عبد الله بن حباب صاحب رسول الله ﷺ، ثم أهوى الى ثوبه يتناوله من الأرض. وكان سقط عنه لما أفرعوه. فقالوا له: أفرعناك؟ قال: نعم؛ قالوا له: لا روع عليك! فحدثنا عن أبيك بحديث سمعناه من النبي ﷺ، لعل ينفعنا به! قال: حدثني أبي، عن رسول الله ﷺ، ((أن فتنة تكون، يموت فيها قلب الرجل كما يموت فيها بدنه، يمسي فيها مؤمناً ويصبح فيها كافراً، ويصبح فيها كافراً ويمسي فيها مؤمناً))، فقالوا: لهذا الحديث سألناك [فما تقول في أبي بكر وعمر؟ فأثنى عليهما خيراً، قالوا: ما تقول في عثمان في أول خلافته وفي آخرها؟ قال: انه كان محققاً في أولها وفي آخرها؛ قالوا: فما تقول في علي قبل التحكيم وبعده؟ قال: انه أعلم بالله منكم، وأشد توقيماً على دينه، وأنفذ بصيرة. فقالوا: انك تتبع الهوى، وتوالي الرجال على أسمائها لا على أفعالها،

خوارج: صدر اسلام میں انتہا پسندی کا ایک نمونہ



والله لنقتلنك قتلة ما قتلناها أحداً، فأخذوه فكتفوه ثم أقبلوا به وبامرأته وهي حُبلى مُتِمَّ حتى نزلوا تحت نخلٍ مَواقِرٍ فسقطتُ منه رطبةٌ، فأخذها أحدهم فقذف بها في فمه، فقال أحدهم، بغيرِ حِلِّها، وبغيرِ ثمن! فلفظها وألقاها من فمه، ثم أخذ سيفه فأخذ بيمينه، فمرَّ به خنزيرٌ لأهل الذمَّة فضربه بسيفه، فقالوا: هذا فسادٌ في الارض، فأتني صاحبُ الخنزير فأرضاه من خنزيره، فلما رأى ذلك منهم ابنُ خباب قال: لئن كنتم صادقين فيما أرى فما على منكم بأس، اني لمُسلمٍ؛ ما أحدثتُ في الاسلام حَدَثًا، ولقد أمنتُموني، قلتُم: لا رَوْعَ عليك! فجائتُوا به فأضجعوه فذبحوه، وسألَ دمه في الماء، وأقبلوا الى المرأة، فقالت: اني انما أنا امرأة، ألا تتقون الله! فَبَقَرُوا بطنَها،! وقَتَلُوا ثلاثَ نسوةٍ من طيِّء، وقاتلوا أمَّ سنانَ الصيِّدِ اويَّة، فبلغ ذلك عليًّا ومن معه من المسلمين من قتلهم عبد الله بن خباب، واعتراضهم الناس، فبعث اليهم الحارث بن مرَّة العبدى ليأتيهم فينظر فيما بلغه عنهم، ويكتب به اليه على وجهه، ولا يكتمه. فخرج حتى انتهى الى النهر لِيَسْأَلَهُمْ فخرج القومُ اليه فقتلوه. (۴)

”ابو مخنف نے عطاء بن عجلان سے اور اس نے حمید بن ہلال سے روایت کی ہے کہ بصرہ سے خارجیوں کا گروہ نہروان میں اپنے بھائی بندوں کے پاس پہنچا۔ اُن کے ایک ٹولے نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنی بیوی کو گدھے پر بٹھائے جا رہا ہے۔ وہ اس کے پاس آئے اسے آواز دی اور ڈرایا دھمکایا اور اس سے پوچھنے لگے کہ تم کون ہو؟ اُس نے کہا: میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابی خبابؓ کا بیٹا عبد اللہ ہوں۔ پھر وہ اپنا کپڑا اٹھانے کے لئے زمین پر جھکا جو اُس سے گر گیا تھا جب وہ ڈرا دھمکا رہے تھے۔ پھر وہ اس سے کہنے لگے: کیا تم ہم سے خوفزدہ ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ وہ کہنے لگے: تمہیں خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، ہمیں اپنے باپ کی کوئی حدیث سناؤ جو انہوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنی ہو، شاید وہ ہمارے لئے فائدہ مند ہو۔ وہ کہنے لگا: میرے والد نے مجھ سے رسول اللہ کی یہ حدیث بیان کی:

ایک فتنہ برپا ہوگا اس میں انسان کا دل یوں مردہ ہو جائے گا جس طرح اس کا جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ اس میں آدمی رات کو مومن ہوگا اور دن کو کافر ہو جائے گا۔ دن کو کافر ہوگا اور رات کو مومن ہو جائے گا۔

وہ کہنے لگے: ہم نے اسی حدیث کے لئے تم سے سوال کیا تھا۔ [پھر اُس سے پوچھنے لگے کہ تم حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اُس نے کلمات خیر کے ساتھ اُن کو تعریف کی۔ پھر کہنے لگے تم حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کے پہلے اور آخری حصے میں اُن کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اُس نے کہا: وہ اپنے دور خلافت کے پہلے اور آخری حصے میں برحق تھے۔ پھر پوچھنے لگے: تم حضرت علیؓ کے بارے میں تحکیم سے پہلے اور بعد کیا رائے رکھتے ہو؟ اُس نے کہا: وہ تم سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہیں، دین کے بارے میں وہ نہایت محتاط ہیں اور بہت بصیرت رکھتے ہیں۔

وہ کہنے لگے: تم ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہو اور لوگوں کے اعمال کے بجائے ان کے ناموں پر جاتے ہو [قسم بخدا ہم تمہیں اس طرح سے قتل کریں گے جیسے ہم نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ یہ کہہ کر انہوں نے اس کی مشکلیں باندھ لیں اور اسے اور اس کی بیوی کو جس کے حمل کے آخری دن تھے، کھجور کے ایک درخت کے پاس لے آئے۔ اس درخت سے کھجور کا ایک دانہ زمین پر گرا۔ اُن میں سے ایک نے اسے اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ ایک نے اُس سے کہا: یہ تم پر حلال نہیں ہے، تم نے اس کی قیمت ادا نہیں کی۔ یہ سن کر اُس نے اسے تھوک دیا۔ پھر اس نے اپنی تلوار اٹھائی اور اسے دائیں ہاتھ سے پکڑا۔ اسی اثنا میں کسی ذمی کا ایک خنزیر وہاں سے گزرا۔ اُس نے اپنی تلوار اس پر چلا دی۔ اُس کے ساتھی کہنے لگے: یہ فساد فی الارض ہے۔ خنزیر کے مالک کو لایا گیا اور اس کے خنزیر کے بارے میں اس سے معاملہ نمٹایا۔ ابن خباب نے جب اُن کے یہ کام دیکھے تو کہنے لگا: جو کچھ میں نے دیکھا ہے اگر تم اس میں سچے ہو تو پھر مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ میں تو مسلمان ہوں اور میں نے اسلام میں کوئی نئی چیز بھی ایجاد نہیں کی اور پھر تم نے مجھے یہ کہہ کر امان بھی دی ہے کہ تمہیں خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور اسے زمین پر پچھاڑ کر ذبح کر ڈالا اور اُس کا خون پانی میں بہا دیا۔ پھر انہوں نے اس کی بیوی کی طرف رخ کیا۔ وہ کہنے لگی: میں تو عورت ہوں، کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ انہوں نے اس کا پیٹ پھاڑ کر ہلاک کر دیا۔ علاوہ ازیں انہوں نے قبیلہ طحی کی تین عورتوں کو قتل کر دیا۔ نیز ام سنان صیداوی کو بھی مار ڈالا۔ عبداللہ بن خباب اور دیگر افراد کے قتل کرنے اور لوگوں کو ستانے کی خبریں حضرت علیؓ اور آپ کے ہمراہی مسلمانوں تک پہنچیں۔ اس پر آپ نے حارث بن مرہ عبدی کو اُن کی طرف بھیجا تاکہ ان کے پاس جا کر ان

خبروں کی حقیقت معلوم کریں اور تمام صورت حال انہیں لکھ بھیجیں اور کوئی بات نہ چھپائیں۔ وہ جب مقام نہر پر پہنچے تاکہ ان سے پوچھ سکیں تو وہ لوگ اُن کی طرف نکل آئے اور انہیں بھی قتل کر دیا۔“

اسی صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی جعفر حسین لکھتے ہیں:

”اس اثنا میں خوارج کی شوریدہ سری و شورہ پشتی نے قتل و غارت گری کی صورت اختیار کر لی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ راستے میں انہیں جو شخص ملتا اس سے تحکیم کے بارے میں پوچھتے۔ اگر وہ اس سے اظہار بیزاری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے ورنہ اسے قتل کر دیتے۔ البتہ غیر مسلم کو ذمی ہونے کی بنا پر چھوڑ دیتے اور مسلم کے لئے ان سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا بلکہ خنزیر پر ہاتھ اٹھانا گناہ اور مسلمان کو قتل کرنا کارثواب سمجھتے۔“ (۵)

خوارج کی ماہیت کو سمجھنے کے لئے نہ صرف یہ ضروری ہے کہ ان کے عقائد و نظریات کو نظر میں رکھا جائے بلکہ اُن کے طرز زندگی، بود و باش، وضع قطع وغیرہ کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ لوگ ظواہر مذہبی کے اس قدر پابند تھے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو بھیجا کہ جائیں اور انہیں نصیحت کریں تو واپس آ کر انہوں نے خوارج کے بارے میں کہا:

لہم حياة قرحة لطول السجود وايد كثفنا الابل عليهم قمص مرخصة وهم مشمرون. (۶)

”ان کی زندگی ایسی ہے کہ طولانی سجدوں کی وجہ سے اُن کی پیشانیوں پر گھٹے پڑ گئے ہیں، [سخت زمینوں پر ہاتھ رکھنے سے] اُن کے ہاتھ اونٹ کے پاؤں کی طرح درشت ہو گئے ہیں، انہوں نے پرانی کھردری قمیصیں پہن رکھی ہیں [لیکن] ہیں یکے ارادے والے۔“

اُن کی یہی ظاہری صورت عام مسلمانوں کو حیرت میں مبتلا کر دیتی تھی۔ سادہ لوگ اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ اپنے عقیدے کے لئے تن من دھن کی قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔ جس امر کو گناہ سمجھتے تھے اُس کے قریب نہ جاتے تھے۔ شجاعت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے۔ تنگی ترشی میں گزر بسر کر لیتے تھے۔ اپنے سخت مزاج اور باقی لوگوں کو کافر سمجھنے کی وجہ سے شہروں میں زندگی نہیں گزار سکتے تھے لہذا پہاڑوں، جنگلوں، صحراؤں اور سنگلاخ زمینوں کا رخ کرتے تھے اور سخت زندگی کے عادی تھے۔ احمد امین المصری ان کے بارے میں کہتے ہیں:

وليس في الافراق كلها اشد بصائر من الخوارج ولا اشد اجتهادا ولا اوطن انفسا على الموت منهم الذي طعن فانفذه الرمح فجعل يسعى الى قاتله ويقول:

خوارج: صدر اسلام میں انتہا پسندی کا ایک نمونہ

و عجلت الیک رب لترضی. (۷)

”تمام فرقوں میں خوارج سے بڑھ کر اپنے اعتقادات میں شدید کوئی نہیں اور نہ کوئی اُن سے بڑھ کر کوشش کرنے والا اور نہ اُن سے بڑھ کر موت کے لئے تیار ملتا ہے۔ اُن میں سے ایک کو نیزہ لگا تھا جو بہت گہرا چلا گیا تھا مگر وہ اپنے قاتل کی طرف بڑھتا جاتا تھا اور کہہ رہا تھا: اے میرے پروردگار! میں تیری طرف جلدی سے بڑھ رہا ہوں تاکہ تجھے راضی کر سکوں۔“

## خوارج کے بارے میں حضرت علیؑ کا نظریہ

حضرت علیؑ کے خطبات و مکاتیب پر مشتمل معروف کتاب نہج البلاغہ میں خوارج کے بارے میں مختلف مقامات پر آپ کی رائے موجود ہے۔ ہم مختلف خطبات میں سے چند مختصر اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ جناب امیرؑ کا نقطہ نظر خوارج کے بارے میں معلوم ہو سکے۔

۱۔ جب آپ نے خوارج کا قول لا حکم الا للہ سنا تو فرمایا:

كَلِمَةٌ حَقٌّ يُرَادُ بِهَا الْبَاطِلُ. نَعَمْ إِنَّهُ لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ. وَلَكِنْ هُوَ لَأَنْ يَقُولُونَ لَا أَمْرَ إِلَّا لِلَّهِ: وَإِنَّهُ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِيرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ يَعْمَلُ فِي أَمْرِهِ الْمُؤْمِنُ وَيَسْتَمْتَعُ فِيهَا الْكَافِرُ. وَيَبْلُغُ اللَّهُ فِيهَا الْأَجَلَ وَيُجْمَعُ بِهِ الْفِيءُ، وَيُقَاتَلُ بِهِ الْعَدُوُّ وَتَأْمَنُ بِهِ السَّبِيلُ وَيُؤْخَذُ بِهِ لِلضَّعِيفِ مِنَ الْقَوِيِّ حَتَّى يَسْتَرِيحَ بَرٌّ وَيُسْتَرَاخَ مِنْ فَاجِرٍ.

”جملہ تو درست ہے مگر جو مطلب اخذ کیا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ ہاں بے شک حکم اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ مگر یہ لوگ تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت بھی اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی حالانکہ لوگوں کے لئے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے، خواہ وہ اچھا ہو یا برا (اگر اچھا ہوگا تو) مومن اس کی حکومت میں اچھے عمل کر سکے گا اور اگر (برا ہوگا تو) کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ ور ہوگا اور خدا اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی آخری حدود تک پہنچا دے گا۔ اس حاکم کی وجہ سے خراج اور مال و غنیمت جمع ہوتا ہے، دشمن سے لڑا جاتا ہے، راستے پر امن رہتے ہیں اور قوی سے کمزور کا حق دلایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نیک حاکم مرکر یا معزول ہو کر، راحت پائے اور برے حاکم کے مرنے یا معزول ہونے سے دوسروں کو راحت پہنچے۔“ (۸)

تحکیم کے بارے میں فرمایا:

إِنَّا لَمُ نَحْكِمِ الرِّجَالَ وَإِنَّا حَكَمْنَا الْقُرْآنَ وَهَذَا الْقُرْآنُ إِنَّمَا هُوَ خَطٌّ مَسْطُورٌ بَيْنَ

الدَّفْتَيْنِ. لَا يَنْطِقُ بِلِسَانٍ وَلَا بَدُّ لَهُ مِنْ تَرْجُمَانٍ. وَإِنَّمَا يَنْطِقُ عَنْهُ الرَّجَالُ. وَلَمَّا دَعَانَا الْقَوْمُ إِلَى أَنْ نُحْكَمَ بَيْنَنَا الْقُرْآنَ لَمْ نَكُنِ الْقَرِيقَ الْمُتَوَلَّى عَنْ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى وَقَدْ قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ. فَرَدُّهُ إِلَى اللَّهِ أَنْ نُحْكَمَ بِكِتَابِهِ وَرَدُّهُ إِلَى الرَّسُولِ أَنْ نَأْخُذَ بِسُنَّتِهِ.

”ہم نے آدمیوں کو نہیں بلکہ قرآن کو حکم قرار دیا تھا چونکہ یہ قرآن دو دفتیوں کے درمیان ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جو زبان سے بولا نہیں کرتی۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس کے لئے کوئی ترجمان ہو اور وہ آدمی ہی ہوتے ہیں جو اس کی ترجمانی کیا کرتے ہیں۔ جب ان لوگوں نے ہمیں یہ پیغام دیا کہ ہم اپنے درمیان قرآن کو حکم ٹھہرائیں تو ہم ایسے لوگ نہ تھے کہ اللہ کی کتاب سے منہ پھیر لیتے۔ جبکہ حق سبحانہ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو تو (اس کا فیصلہ پنانے کے لئے) اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی کتاب کے مطابق حکم کریں اور رسول کی طرف رجوع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کی سنت پر چلیں۔“ (۹)

خوارج کے متعلق فرمایا:

-۳-

فَإِنْ آبَيْتُمْ إِلَّا أَنْ تَرْعُمُوا أَيْ أَخْطَأْتُمْ وَضَلَلْتُمْ فَلِمَ تَضِلُّونَ عَامَّةً أُمَّةً مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِضَلَالِي وَتَأْخُذُ وَنَهُمْ بِخَطَايَايَ وَتُكْفِرُونَهُمْ بِذُنُوبِي. سَيُؤْفِكُمْ عَلَى عَوَاتِقِكُمْ تَضَعُونَهَا مَوَاضِعَ الْبُرِّءِ وَالسُّقْمِ وَتَخْلِطُونَ مَنْ أَدْنَبَ بِمَنْ لَمْ يُذْنِبْ. وَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ الزَّانِيَ الْمُحْصَنَ ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهِ ثُمَّ وَرَثَهُ أَهْلُهُ وَقَتَلَ الْقَاتِلَ وَوَرَّثَ مِيرَاثَهُ أَهْلُهُ وَقَطَعَ السَّارِقَ وَجَلَدَ الزَّانِيَ غَيْرَ الْمُحْصَنِ ثُمَّ قَسَمَ عَلَيْهِمَا مِنَ الْفِيءِ وَنَكَحَا الْمُسْلِمَاتِ. فَأَخَذَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ بِذُنُوبِهِمْ وَأَقَامَ حَقَّ اللَّهِ فِيهِمْ وَلَمْ يَمْنَعْهُمْ سَهْمَهُمْ مِنَ الْإِسْلَامِ، وَلَمْ يُخْرِجْ أَسْمَاءَهُمْ مِنْ بَيْنِ أَهْلِهِ ثُمَّ أَنْتُمْ شِرَارُ النَّاسِ، وَمَنْ رَمَى بِهِ الشَّيْطَانُ مَوَامِيَهُ وَضَرَبَ بِهِ تَيْهَهُ.

”اگر تم اس خیال سے باز آنے والے نہیں ہو کہ میں نے غلطی کی اور گمراہ ہو گیا ہوں، تو میری گمراہی کی وجہ سے امت محمد کے عام افراد کو کیوں گمراہ سمجھتے ہو اور میری غلطی کی پاداش انہیں کیوں دیتے ہو اور میرے گناہوں کے سبب سے انہیں کیوں کافر کہتے ہو۔ تلواریں کندھوں پر اٹھائے ہر موقع و بے موقع جگہ پر وار کیے جا رہے ہو اور بے خطاؤں کو خطا

خوارج: صدر اسلام میں انتہا پسندی کا ایک نمونہ

کاروں کے ساتھ ملائے دیتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ نے جب زانی کو سنگسار کیا تو نماز جنازہ بھی اس کی پڑھی اور اس کے وارثوں کو اس کا ورثہ بھی دلویا اور قاتل سے قصاص لیا تو اس کی میراث اس کے گھر والوں کو دلائی۔ چور کے ہاتھ کاٹے اور زنائے غیر محصنہ کے مرتکب کو تازیانے لگوائے تو اس کے ساتھ انھیں مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا اور انھوں نے (مسلمان ہونے کی حیثیت سے) مسلمان عورتوں سے نکاح بھی کئے۔ اس طرح رسول اللہ نے ان کے گناہوں کی سزا ان کو دی اور جو ان کے بارے میں اللہ کا حق تھا اسے جاری کیا مگر انھیں اسلام کے حق سے محروم نہیں کیا اور نہ اہل اسلام سے ان کے نام خارج کیے۔ اس کے بعد (ان شہرائیزیوں کے معنی یہ ہیں کہ) تم ہی ہو شر پسند اور وہ کہ جنھیں شیطان نے اپنی مقصد برآری کی راہ پر لگا رکھا ہے اور گمراہی کے سنسان بیابان میں لا پھینکا ہے۔“ (۱۰)

## خوارج کے بارے میں احادیث نبوی اور دور نبوی میں خارجی ذہنیت

نبی کریم کی حیات مبارکہ کے آخری دور میں جب قبائل تیز رفتاری سے اسلام لارہے تھے اور اسلامی حکومت کو وسعت حاصل ہو رہی تھی تو عرب کے بادیہ نشینوں کی ایک بڑی تعداد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان میں سے بہت سے لوگ اسلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے سامنے ہرنگوں ہوئے تھے۔ توحید پرستی اور اطاعت رسول کا وہ ولولہ ان کے سینوں میں موجزن نہ تھا جس کی شہادت مہاجرین و انصار اپنے عمل سے دے چکے تھے۔ ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کی مشکلات سے گزر کر وہ لوگ اپنے ایمان کا امتحان دے چکے تھے۔ رسول اکرم کی صحبت انھیں زیادہ میسر آئی تھی اور تربیت نبوی کے فیض نے ان کی روحوں کو صیقل کر دیا تھا۔ اجڈ بادیہ نشینوں کی اس کیفیت کو قرآن حکیم نے ایک مقام پر یوں بیان فرمایا ہے:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

”عرب بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں۔ کہیے: تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ تم نے سر تسلیم خم کر دیا ہے اور ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز کم نہ کی جائے گی۔ یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“ (۱۱)

خوارج: صدر اسلام میں انتہا پسندی کا ایک نمونہ

زنجیری اور دیگر مفسرین نے سورہ توبہ کی آیت ۵۸ کی شان نزول میں ایک ایسے ہی شخص کا ذکر کیا ہے جس نے رسول اکرمؐ کے تقسیم غنائم پر اعتراض کیا۔ آیت کی الفاظ یہ ہیں:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَاِنْ اَعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَاِنْ لَّمْ يُعْطُوا مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْتَخْطُونَ ۝

”اور ان میں سے ایسا بھی ہے جو صدقات کے بارے میں آپؐ پر اعتراض کرتا ہے۔ اگر انہیں ان میں سے مل جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو بگڑ جاتے ہیں۔“  
علامہ زنجیری ”یَلْمِزُكَ“ کی تفسیر میں کہتے ہیں:

يعيبك في قسمة الصدقات و يطعن عليك

”آپؐ پر صدقات کی تقسیم میں عیب لگاتا ہے اور آپؐ پر زبان طعن دراز کرتا ہے۔“  
آیت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے وہ ایک قول یوں نقل کرتے ہیں:

وقيل هو ابن ذى الخويصرة رأس الخوارج، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقسم غنائم حنين فقال: اعدل يا رسول الله. فقال صلوات الله عليه و سلامه و يلک ان لم اعدل فمن يعدل؟ (۱۲)

”اور کہا گیا ہے کہ [جس نے اعتراض کیا] وہ ابن ذی الخویصرہ خوارج کا سردار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین کے غنائم تقسیم کر رہے تھے کہ اس نے کہا: یا رسول اللہ! عدل سے کام لیجئے۔ آپؐ نے کہا: تیرا برا ہو، میں عدل نہیں کروں گا تو کون عدل کرے گا؟“  
عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ کو اس کی بات نے بہت رنج پہنچایا تھا۔ صحیح بخاری کے مطابق اس کی اس حرکت پر حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم اسے قتل نہ کر دیں؟ آپؐ نے جواب دیا:

دعه فان له اصحابا يحقر احدكم صلاته مع صلاته و صيامه مع صيامه يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية. (۱۳)

”چھوڑو اسے، اس کے اور بھی ساتھی ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو دیکھے گا تو اپنے صلوات و صوم کو حقیر جانے گا۔ یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیرا شکار کو چیر کر نکل جاتا ہے۔“  
صحیح بخاری ہی میں ”و المولفة قلوبهم“ کی تفسیر میں ابوسعید خدریؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:  
بُعِثَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ فَفَقَسَمَهُ بَيْنَ اَرْبَعَةٍ وَقَالَ اتَّأَلَّفَهُمْ فَقَالَ

خوارج: صدر اسلام میں انتہا پسندی کا ایک نمونہ

رَجُلٌ مَا عَدَلْتُ فَقَالَ يَخْرُجُ مِنْ ضَنْضِي هَذَا قَوْمٌ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ. (۱۴)

”آنحضرتؐ کے پاس کچھ مال بھیجا گیا۔ آپؐ نے اسے چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا اور فرمایا: میرا مقصد ان کی تالیفِ قلب ہے۔ اس پر ایک شخص کہنے لگا: یا رسول اللہ! آپؐ نے عدل سے کام نہیں لیا۔ آپؐ نے فرمایا: اس شخص کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جو دین سے باہر نکل جائیں گے۔“

ابن اثیر نے اس سلسلے میں ابن ذوالخویرہ کے بجائے ذوالخویرہ تسمی لکھا ہے اور اس کا نام حرقوص بن زہیر لکھا ہے۔ انھوں نے بعد ازاں صحیح بخاری کی مذکورہ روایت بھی نقل کی ہے۔ (۱۵) حضرت ابوسعید خدریؓ کی مذکورہ بالا روایت کا آخری حصہ بڑا چشم کشا ہے:

آيَتُهُمْ رَجُلٌ اِحْدَى يَدَيْهِ اَوْ قَالَ تَدْيِيهِ مِثْلُ تَدْيِي الْمَرْأَةِ اَوْ قَالَ مِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدْرُدُ يَخْرُجُونَ عَلَيَّ حِينَ فُرْقَةٍ مِنَ النَّاسِ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ اَشْهَدُ سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَشْهَدُ أَنَّ عَلِيًّا قَتَلَهُمْ وَأَنَا مَعَهُ جِيءَ بِالرَّجُلِ عَلَيَّ النَّعْتِ الَّذِي نَعْتَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَتَزَلَّتْ فِيهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ (۱۶)

”یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے جب لوگوں میں باہم اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں سے ایک شخص کے ایک ہاتھ پر یا فرمایا دو پستانوں میں سے ایک عورت کے پستان جیسا یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح ہوگا، وہ ہلتا ہوگا۔ یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے جب لوگوں میں باہم اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ابوسعیدؓ کہتے تھے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے انھیں قتل کیا اور میں ان کے ہمراہ تھا کہ وہ ایک شخص کی لاش پر آئے تو ایک شخص اسی ہیئت کا نکلا جو رسول اللہ نے بیان فرمائی تھی اور کہا کہ یہ ہے وہ شخص کہ جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ“

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ یسیر بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے سہل بن حنیفؓ سے پوچھا کہ کیا آپؐ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خوارج کے بارے میں کوئی چیز سنی ہے تو انھوں نے کہا کہ میں نے سنا کہ آپؐ نے عراق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

يَخْرُجُ مِنْهُ قَوْمٌ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيهِمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ مُرُوقٍ



السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ. (۱۷)

”یہاں سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن پڑھے گی لیکن قرآن ان کے حلقوں سے نیچے نہیں جائے گا وہ لوگ اسلام سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے شکار سے نکل کر پار ہو جاتا ہے۔“

ان خشک مقدس، جامد فکر اور ظاہر دار لوگوں کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ سے ایک روایت خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

تفترق امتی علی فرقتین تمرق بینہما فرقة محلقون رؤوسہم محفون شواربہم  
ازرہم الی انصاف سوقہم یقرأون القرآن لایتجاوز تراقیہم یقتلہم احبہم الی  
واحبہم الی اللہ تعالیٰ. (۱۸)

”میری امت دو گروہوں میں بٹ جائے گی اور ان دو میں سے ایک اور گروہ نکل کھڑا ہوگا۔ اس کے لوگ سر منڈواتے، مونچھیں باریک کٹواتے اور آدھی پنڈلیوں تک تہبند باندھتے ہوں گے، وہ قرآن کی تلاوت کریں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ انھیں وہ شخص قتل کرے جو مجھے اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔“

شاید عجیب نہ ہو کہ وہ بنی تمیم ہی کا ایک گروہ تھا (۱۹) جس نے رسول اللہؐ کو آپ کے گھر کے باہر سے بے ادبی سے یوں پکارا:

یا محمد! اخرج الینا  
”اے محمد! باہر نکلو۔“

قرآن نے ان کی سفاہت کا ذکر یوں کیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (۲۰)

”جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے آوازیں دیتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر بے عقل ہیں۔“

انہی میں سے ایک ایسا قبیلہ تھا جو دور جاہلیت میں اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتا تھا۔ بہر حال غیر تربیت یافتہ ایک ایسا گروہ آپ کے زمانے میں موجود تھا۔ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ایسے لوگ زیادہ تر جنگوں میں مصروف رہے۔ یہ لوگ درشت مزاج، تہذیب و تمدن سے عاری اور تعلیمات اسلام کے ظواہر سے چمٹے ہوئے تھے۔ سخت مزاج اور اکھڑپن میں یوں مبتلا تھے کہ اپنے علاوہ کسی اور کو نہ فقط مسلمان سمجھنے کو تیار نہ تھے بلکہ دوسرے کسی انسان کو جینے کا حق دینے پر بھی آمادہ نہ تھے۔

## صحابہ کرامؓ کا نقطہ نظر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ پہلے ہی ایک ایسے گروہ کے ظہور کی پیش گوئی فرمادی تھی اس لئے آپؐ کے تربیت یافتگان کو انھیں پہچاننے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ اس سلسلے میں سطور بالا میں خوارج کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت سہل بن حنیفؓ کی روایات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ خوارج کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ کے فرمودات کا ذکر کرنا ان صحابہؓ کے اپنے نظریات کو جاننے کے لئے کافی ہے۔

ان کے علاوہ بھی خوارج کے بارے میں اصحابؓ رسولؐ کے بہت سے ارشادات تاریخ وحدیث کی کتب میں موجود ہیں۔ اس سلسلے میں خود امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعدد اقوال ہم نقل کر چکے ہیں۔ آپؐ کا ایک اور قول ملاحظہ کیجئے۔ خوارج سے خطاب کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

”اے لوگو! تم نا فہمی اور بداندیشی کی وجہ سے جماعت سے کٹ گئے ہو اور نفسانیت کی بنا پر حق سے بے راہ ہو گئے ہو۔ میں تمہیں خبردار کیے دیتا ہوں کہ تم اس وادی اور وادی کے موڑوں میں قتل کیے جاؤ گے، امت تم پر نفرین کرے گی اور ہر طرف سے تم پر پھنکار پڑے گی اس لئے کہ تمہارا موقف سراسر غلط اور تمہارا عناد بلا وجہ ہے۔“

خوارج سے مخاطب ہو کر نبی کریمؐ کے صحابی حضرت قیس بن سعد انصاریؓ نے فرمایا:

”اے لوگو! تم گناہِ عظیم کے مرتکب ہوئے ہو، ہمیں بلا وجہ کافر قرار دیتے ہو، تم قتل ناحق سے باز آؤ۔“

حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے بھی انھیں افتراق انگیزی سے روکنے کی کوشش کی اور کہا: ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری ہم سے مخالفت کی کیا وجہ ہے اور تمہیں کیوں جنگ و قتال پر اتر آئے ہو۔ (۲۱)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ انھیں تمام مخلوقات سے بدتر کہتے تھے۔ علامہ وحید الزمان اُن کے فرمان کا حوالہ دیتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں:

”خوارج ایک فرقہ ہے گمراہ فرقوں میں سے۔۔۔ عبداللہ بن عمرؓ اُن کو تمام مخلوقات سے بدتر کہتے، اس لئے کہ انھوں نے اُن آیتوں کو جو کافروں کے حق میں اتری تھیں، مسلمانوں پر تھوپ دیا اب جو کوئی امام اور حاکم اسلام کے مقابلہ میں بغاوت کرے اس کو بھی خارجی کہتے ہیں۔“ (۲۲)

## خوارج کی تاریخ میں چھپا ہوا سبق

الفاظ اور اصطلاحیں اپنے اوٹ میں معانی و مفاہیم رکھتی ہیں۔ معانی و مفاہیم ہی حقیقت رکھتے ہیں۔ کبھی لفظ اور اصطلاح تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہو جاتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ معنی و مصداق بھی ختم ہو جائے۔ کچھ ایسی ہی صورت حال خوارج کی ہے۔ خوارج بظاہر عباسی دور میں ختم ہو گئے۔ آج دنیا میں اس نام سے کوئی گروہ اور کوئی مذہب باقی نہیں رہا۔ ایک گروہ جس کی بنیادیں خوارج کی تاریخ میں تلاش کی جاسکتی ہیں، ضرور باقی ہے جسے اباضیہ کہتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو خوارج سے منسوب نہیں کرتے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر دور میں ایسے تشدد پسند عناصر کو ان کی علامتوں سے پہچانا جائے۔ تاریخ اسلام اس امر کی شاہد ہے کہ خوارج نے جسدِ اسلامی کو زخمی زخمی کر دیا۔ ان کے انتہا پسندانہ اور باغیانہ نظریات نے امتِ اسلام کے بطن پر کاری ضربیں لگائی ہیں۔ ان کا المیہ یہ ہے کہ انھوں نے خلوص سے اسلام کو نقصان پہنچایا۔ یہ لوگ اسلامی ظواہر کے دوسروں سے زیادہ پابند رہے لیکن انھیں صرف اسلام کے ظاہر سے سروکار رہا، روح اسلام تک ان کی سطح بین نگاہیں نہ پہنچ سکیں۔

اپنے علاوہ کرہ ارض کے تمام انسانوں کو کافر جاننا، پھر ہر کافر کو گردن زدنی قرار دینا، اپنے نظریات کی مخالف ہر حکومت کے خلاف خروج کرنا، اسے نقصان پہنچانے اور کمزور کرنے کے درپے رہنا، ہر گناہ کبیرہ کو کفر جاننا اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے مال و جان کو جائز سمجھنا خارجی فکر کی بنیادی علامتیں ہیں۔ بظاہر یہ لوگ شریعت کے پابند، صوم و صلوة کے دوسروں سے بڑھ کر عادی اور وضع قطع کے اعتبار سے مذہبی ہوتے ہیں لیکن دلیل و منطق سے عاری، مقاصد شریعت سے نابلد اور اسلام کے انسانی و آفاقی اہداف سے ناواقف ہوتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ استعماری طاقتوں اور سامراجی طبقے نے انسانی وسائل کی لوٹ کھسوٹ کے لئے مذاہب و ادیان کو آپس میں لڑانے کا ابلیسی نسخہ بھی بار بار آزمایا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان قوتوں کی ریشہ دوانیوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن کیا ہم مسلمانوں کے اندر موجود انتہا پسند اور تشدد آزما گروہوں سے آنکھیں موند سکتے ہیں؟ اگر ہمارے گھر میں سب خیر ہے تو ہمارے بزرگ علماء کیوں مسلمانوں کو آپس میں متحد ہونے کا پیغام دے رہے ہیں۔ کیا عراق میں تشدد پیشہ بظاہر مسلمان گروہوں نے ہزاروں عراقی مسلمانوں کا خون نہیں بہایا؟ کیا پاکستان میں دہشت گردی کے سینکڑوں واقعات میں مسلمانوں کو خاک و خون میں لوٹانے والوں میں کوئی بظاہر مسلمان نہیں ہے؟ کیا مظلوم افغان مسلمانوں کا قتل عام کرنے میں کوئی مسلمان ناملوث نہیں ہے؟ کیا غیر مسلم ملکوں میں دہشت گردی کے واقعات میں واقعا کوئی مسلمان ملوٹ نہیں پایا گیا؟ حقیقت سے آنکھیں چرا کر ہم درپیش مشکلات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ ہر واقعے کی تمام تر ذمہ داری غیروں کے سر منڈھ کے ہم

خوارج: صدر اسلام میں انتہا پسندی کا ایک نمونہ

زمینی حقائق کو تبدیل نہیں کر سکتے اور نہ بہتر مستقبل کی صحیح منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے گھر کی بھی بہر حال خبر لینا ہوگی۔ مسلمان ملکوں کے گلی کوچوں میں پھیلا ہوا فرقہ وارانہ لٹریچر آخر کس نے تیار کیا ہے؟ فرقہ واریت کے زہر سے بھری ہوئی سینکڑوں کتابیں سینکڑوں معروف لکھنے والے ناموں سے عربی، فارسی، اردو اور دیگر زبانوں میں موجود ہیں۔ ہمارے ہاں آئے دن حکومت ایسی کتابوں پر پابندی کے اعلانات کرتی رہتی ہے۔ کبھی تکفیر کا حربہ اور کبھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نام اور کبھی ظاہری وضع قطع کا عنوان ہر روز کسی نئے نئے سانچے کو جنم دیتا ہے۔ اس صورت حال نے مسلمان معاشروں کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔ غیروں کے سامنے اسلام کا چہرہ بگاڑ دیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول سے استفادہ کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیطان ایسے لوگوں کو اپنے مقاصد کے لیے آلہ کار بناتا ہے۔ شیطانی قوتیں مختلف حربوں سے ایسے افراد کی سادہ اندیشی، کج فکری اور جذباتی خلوص سے غلط فائدہ اٹھا لیتی ہیں اور پھر ان کی تشدد پسند طبیعت وہ گل کھلاتی ہے کہ الامان۔ رحمۃ للعالمین کا لایا ہوا دین جو حقیقت میں انسانیت کے لئے پیغامِ رحمت ہے اُسے پیغامِ وحشت دکھانے میں آج بھی اسی خارجی ذہنیت کا ہاتھ ہے۔ دشمنوں کے ہاتھوں میں اسلام کے خلاف دلیل ایسے ہی گروہ مہیا کرتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ نہروان کے بعد جب کسی نے کہا کہ تمام خوارج مارے گئے ہیں تو آپ نے سچ فرمایا تھا کہ:

كَلَّا وَاللَّهِ إِنَّهُمْ نَطَفٌ فِي أَصْلَابِ الرِّجَالِ وَقَرَارَتِ النِّسَاءِ.

”ہرگز نہیں ابھی تو وہ مردوں کے صلبوں اور عورتوں کے شکموں میں موجود ہیں۔“ (۲۳)

استاد مرتضیٰ مطہری نے اس مسئلے پر عمدگی سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

مکتب خوارج مکتبی نبود کہ بتواند واقعا باقی بماند، ولی این مکتب اثر خود را باقی گذاشت. افکار و عقائد خارجگی در سایر فرق اسلامی نفوذ کرد و ہم اکنون ”نہروانی“ های فراوان وجود دارند و مانند عصر و عہد علی خطرناکترین دشمن داخلی اسلام ہمینہا هستند...

بحث از خارجگی و خوارج بہ عنوان بحث مذہبی، بحثی بدون مورد و فاقد اثر است، زیرا امروز چنین مذہبی در جہان وجود ندارد. اما در عین حال بحث در بارہ خوارج ماہیت کارشان برای ما و اجتماع ما آموزندہ است. زیرا مذہب خوارج ہر چند منقرض شدہ است اما روحانمردہ است. روح ”خارجگی“ در پیکر بسیاری از ماحلول کردہ است. (۲۴)

”خوارج کا مکتب ایسا نہ تھا کہ جو واقعا باقی رہ سکتا لیکن اس مکتب نے اپنا اثر باقی

رکھا۔ خارجیت کے افکار و عقائد دیگر اسلامی فرقوں میں نفوذ کر گئے اور آج بھی بڑی تعداد میں ”نہروانی“ موجود ہیں اور حضرت علیؓ کے عہد کی طرح آج بھی یہی اسلام کے خطرناک ترین داخلی دشمن ہیں۔۔۔

خارجیت اور خوارج کے بارے میں مذہبی بحث کا کوئی مصداق نہیں اور اس سلسلے میں گفتگو بے تاثیر ہے کیونکہ آج دنیا میں ایسا کوئی مذہب موجود نہیں لیکن اس کے باوصف خوارج کی ماہیت کار کے بارے میں گفتگو ہمارے اور ہمارے معاشرے کے لئے سبق آموز ہے کیونکہ مذہب خوارج اگرچہ ختم ہو گیا ہے لیکن اس کی روح نہیں مری۔ خارجیت کی روح ہم میں سے بہت سے لوگوں میں حلول کر چکی ہے۔“

اسلامی تاریخ کے محققین اہل نظر نے فرقہ خوارج کے پیدا ہونے کی وجوہات بیان کی ہیں اور ان کے نظریات کا تجزیہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ عمومی اتفاق پایا جاتا ہے کہ انتہا پسندی اور فکری جمود نے ان کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ دین کی بعض تعلیمات کے بارے میں ان کی سطح بنی اور کج اندیشی نے ان کو امت کے وسیع دھارے سے جدا کر دیا۔ مسلمانوں کے مابین مختلف فکری، عقیدتی اور سیاسی گروہ معرض وجود میں آتے رہے لیکن ”خوارج“ کسی کو نہ کہا گیا۔ امت کی وسیع چادر نے سب کو اپنے سائے تلے رکھا لیکن اس سائے سے باہر ہونے والے یا باہر کیے جانے والے وہی تھے جنہیں ”خوارج یا خارجی“ کہا گیا۔ نبی کریمؐ کی تعبیر میں وہ امت سے یوں نکل گئے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ اس کی وجہ ان کے انتہا پسندانہ نظریات اور طرز عمل میں پائی جاتی ہے۔ آج بھی جو گروہ ایسے انتہا پسندانہ نظریات اور ایسا طرز عمل اختیار کرے گا وہ اپنے خلوص اور دینی ظواہر اپنانے کے باوجود خارجی مکتب کا ہی پیرو سمجھا جانے کے قابل ہوگا۔ خوارج کی تاریخ کا مطالعہ اسی اعتبار سے ہمارے لئے نہایت سبق آموز ہے۔

ایسے گروہ کی شناخت، پھر اس کا استیصال اور امت کے وسیع دھارے کو اس کی چیرہ دستیوں سے بچانا واقعا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ عام مسلمان ان کے ظواہر سے بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ ان سے جنگ کرنا تو اور بھی مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خلاف کامیاب اقدام کو جناب امیر کرم اللہ وجہہ اپنے افتخارات میں سے شمار کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّا فَفَقَاتُ عَيْنِ الْفِتْنَةِ وَلَمْ يَكُنْ لِيَجْتَرِي عَلَيْهَا أَحَدٌ غَيْرِي بَعْدَ أَنْ هَاجَ غَيْبُهَا وَاشْتَدَّ كَلْبُهَا. (۲۵)

”اے لوگو! میں نے فتنے کی آنکھ پھوڑ دی ہے میرے علاوہ کسی میں یہ جرأت نہ تھی اور جب اس کی تاریکیاں تہ وبالا ہو رہی تھیں اور باؤ لے کتوں کی طرح اس کی دیوانگی زوروں پر تھی تو میرے سوا کسی میں یہ جرأت نہ تھی جو اس کی طرف بڑھتا۔“

خوارج: صدر اسلام میں انتہا پسندی کا ایک نمونہ

## حواشی

- ۱- مودودی، ابوالاعلیٰ، خلافت و ملوکیت (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، اشاعت ششم، ۱۹۷۲ء)، ص ۵-۲۱۳۔
- ۲- مودودی، ابوالاعلیٰ، خلافت و ملوکیت (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، اشاعت ششم، ۱۹۷۲ء)، ص ۵-۲۱۳۔
- ۳- مطہری، استاد مرتضیٰ، جاذبہ و دافعہ علیٰ (تہران: انتشارات صدر تابستان، ۱۳۶۸ھ شمسی)، باب نہم المصری، احمد امین، ضحی الاسلام (القاہرہ: مکتبہ الاسرۃ، ۱۹۹۸ء)، ج ۳، ص ۳۳۰۔
- ۴- آبادانی، عبداللہ مبلغی، تاریخ ادیان و مذاہب جہان (تہران: نشر سینا، سنہ ندارد)، ج ۳، ص ۱۲۶۰۔
- ۵- الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم و الملوک (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۱ء)، ج ۲، ص ۱۱۹۔
- ۶- مفتی جعفر حسین، سیرت امیر المؤمنین (لاہور: المعراج کمپنی، شوال ۱۴۲۳ھ)، ص ۶۳۴۔
- ۷- الاندلسی، ابن عبد ربہ، العقد الفرید (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۹ء)، ج ۲، ص ۳۸۹۔
- ۸- المصری، احمد امین، فجر الاسلام (مصر: مطبعہ الاعتماد بشارع حسن اکبر، ۱۹۴۸ء)، ص ۲۴۳۔
- ۹- رضی، سید، نہج البلاغہ (لاہور: امامیہ کتب خانہ، سنہ ندارد)، خطبہ نمبر ۴۰، ص ۱۸۴۔
- ۱۰- رضی، سید، نہج البلاغہ (لاہور: امامیہ کتب خانہ، سنہ ندارد)، خطبہ نمبر ۱۲۳، ص ۳۵۰۔
- ۱۱- رضی، سید، نہج البلاغہ (لاہور: امامیہ کتب خانہ، سنہ ندارد)، خطبہ نمبر ۱۲۵، ص ۳۵۲۔
- ۱۲- الحجرات (۱۳:۴۹)
- ۱۳- زنجری، الکشاف (بیروت: دارالکتب العربی، ۱۹۴۷ء)، ج ۲، ص ۲۸۱۔
- ۱۴- بخاری، الجامع الصحیح، باب ۹۹۵، رقم الحدیث ۱۷۶۹، (بیروت: دارالقلم، ۱۹۸۷ء)، ج ۸، ص ۶۲۷۔
- ۱۵- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، رقم الحدیث ۱۰۹۱، (بیروت: دارالقلم، ۱۹۸۷ء)، ج ۶، ص ۴۰۸۔
- ۱۶- ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (لاہور: المیزان، کریم مارکیٹ اردو بازار، سنہ ندارد)
- ۱۷- بخاری، الجامع الصحیح، باب ۹۹۵، رقم الحدیث ۱۷۶۹، (بیروت: دارالقلم، ۱۹۸۷ء)، ج ۸، ص ۶۲۷۔
- ۱۸- بخاری، الجامع الصحیح، باب ۹۹۵، رقم الحدیث ۱۷۶۹، (بیروت: دارالقلم، ۱۹۸۷ء)، ج ۸، ص ۶۲۸۔
- ۱۹- بغدادی، خطیب، ابی بکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، [تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطا]، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، سنہ ندارد)، ج ۱، ص ۱۶۰۔
- ۲۰- عبداللہ بن زبیر سے مروی صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ یہ بنی تمیم کا ایک گروہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے آیا تھا۔
- ۲۱- دیکھیے: بخاری، الجامع الصحیح، باب ۴۸۵، رقم الحدیث ۱۲۷۲، (بیروت: دارالقلم، ۱۹۸۷ء)، ج ۶، ص ۵۱۳۔
- ۲۲- الحجرات (۴:۴۹)
- ۲۳- مفتی جعفر حسین، سیرت امیر المؤمنین (لاہور: المعراج کمپنی، شوال ۱۴۲۳ھ)، ص ۶۳۸۔
- ۲۴- وحید الزمان، علامہ، لغات الحدیث (کراچی: میر محمد، کتب خانہ آرام باغ، سنہ ندارد)، ج ۱، ص ۲۹۔
- ۲۵- رضی، سید، نہج البلاغہ (لاہور: امامیہ کتب خانہ، سنہ ندارد)، خطبہ نمبر ۵۹، ص ۲۰۲۔
- ۲۶- مطہری، مرتضیٰ، جاذبہ و دافعہ علیٰ (تہران: انتشارات صدر، ۱۳۶۸ھ شمسی)، باب نہم، ص ۱۲۸-۱۳۰۔
- ۲۷- رضی، سید، نہج البلاغہ (لاہور: امامیہ کتب خانہ، سنہ ندارد)، خطبہ نمبر ۹۱، ص ۲۷۹۔

باب ششم:

## خارجیت: تاریخ اسلام میں انتہا پسندی کے رجحانات کا جائزہ

ڈاکٹر محسن مظفر نقوی  
رکن اسلامی نظریاتی کونسل

### ”خارجیت“ ایک انتہا پسند رویہ

”خارجیت“ ایک رویے کا نام ہے جس کا مطالعہ زیادہ تر اس شدت پسند گروہ کے حوالے سے کیا جاتا ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد میں ”تحکیم“ کے موقع پر علیحدہ ہوا اور بعد ازاں تاریخ اسلام میں ”خارج“ کے نام سے معروف ہوا پھر تاریخ اسلام نیز تاریخ فرق اسلامیہ میں ایک سیاسی اور کلامی مکتب فکر کے حوالے سے جانا اور پہچانا گیا۔ موجودہ دور کی شدت پسندی اور انتہا پسندی کو سمجھنے کے لیے، ہمارے خیال میں، خوارج کی بجائے ”خارجیت“ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آخر یہ طرز فکر ہے کیا اور اس کے اساسی نظریات کیا ہیں؟

### لغوی مفہوم

خَرَجَ خُرُجًا و مَخْرَجًا مِنْ مَوْضِعِهِ، کسی جگہ سے باہر آنا، نکلنا..... فِي الْعِلْمِ: فَاتَّقِ هَوْنَ خُرُجِ عَلَيْهِ: کسی کے خلاف جنگ کے لیے نکلنا، بغاوت کرنا۔ الخارجی: بیرونی وہ شخص جو بذاتِ خود سرداری حاصل کرے بغیر اس کے کہ پہلے سے اس کے خاندان میں سرداری ہو۔ (۱)

تاریخ اسلام پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ علماء و مؤرخین نے ”خارجیوں“ یا ”خوارج“ کی اصطلاح چار بڑے معنی میں استعمال کی ہے:

خارجیت: تاریخ اسلام میں انتہائی پسندی کے رجحانات کا جائزہ

۱- وہ لوگ جو باہر نکل کر جہاد میں عملی کردار ادا کرتے ہیں ان کے بالمقابل ”قاعدون“ ہیں جو گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں اور جہاد کے لیے نہیں نکلتے۔ سورہ توبہ کی آیات ۸۱ تا ۸۳ میں ان کا موازنہ کیا گیا ہے۔

۲- وہ لوگ جو ایمان نہ لانے والوں اور کافروں سے جدا ہو گئے اور انہوں نے اللہ عزوجل نیز اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی، اس کا مطلب ایمان نہ لانے والوں سے معاشرتی انقطاع ہے۔ (۲)

۳- وہ لوگ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کیمپ سے علیحدہ ہوئے اور آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔

۴- وہ لوگ جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر خروج و بغاوت کی۔

ان چار استعمالات سے بٹ کر ہمیں ”خارجی“ ذہنیت کی جستجو عہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فوری بعد کے زمانے میں کرنی چاہیے۔ لیکن اس سے بھی پہلے ہم ایک اور اہم امر کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں مسلمان عموماً دو طرح کے تھے (i) مہاجرین (ii) انصار جو مدینہ کے باشندے تھے لیکن مکے والوں سے ان کے تجارتی و معاشرتی تعلقات بھی تھے۔ مکہ سے آنے والے زیادہ تر افراد بدوؤں کی سی زندگی گزارتے، اپنا پیٹ پالنے کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ خیمے لگا کر پھرتے، منتقل ہوتے رہتے اور قافلوں کو لوٹ کر یا پھر شکار کر کے زندگی گزارتے۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد اسلامی تعلیمات کے تحت ان کا یہ کردار ختم ہو گیا اور اس کی جگہ باقاعدہ جنگوں اور مال غنیمت کی تقسیم نے لے لی۔ انصار گونستہاً حضری اور شہری زندگی گزارتے تھے تاہم ان کا کاروبار بہت زیادہ نہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی زندگی میں جو غزوات پیش آئے اور دراز کے علاقے مثلاً خیبر تک فتح ہوئے ان میں انصار بھی مہاجرین کے ساتھ تھے اس طرح بدوی زندگی اور ابتدائی حضری زندگی ایک باقاعدہ ”کمانڈر“ کے زیر اثر آ گئی جس نے ایک نئی ”نفسیات“ کو جنم دیا۔ معاشرتی اور سماجی نفسیات کی یہ تبدیلی کبھی کسی معاشرے میں کلی اور بیک قدم نہیں ہوتی تو میں اس کی عادی آہستہ آہستہ ہوتی ہیں اور معاشرے میں ایک طبقہ ضرور ایسا موجود رہتا ہے جو ”پرانی معاشرتی نفسیات“ کے زیر اثر سوچتا اور عمل کرتا ہے۔

عہد نبوی سے اس کی ایک مثال غزوہ حنین کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم ہے۔ صحیح بخاری کی یہ روایت طویل ہے لیکن ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں:

بعث علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) الی رسول اللہ (ﷺ) من الیمن

خارجیت: تاریخ اسلام میں انتہائی پسندی کے رجحانات کا جائزہ



بِذَهَبِيَّةٍ فِي أُدِيمٍ مَقْرُوظٍ لَمْ تُحْصَلْ عَنْ تَرَابِهَا، قَالَ: فَقَسَمَهَا بَيْنَ أَرْبَعَةِ نَفَرٍ: بَيْنَ عُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ وَأَقْرَعَ بْنِ حَابِسٍ وَزَيْدِ الْخَيْلِ وَالرَّابِعِ إِمَّا عُلْقَمَةَ وَإِمَّا عَامِرَ بْنَ الطَّفِيلِ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ: كُنَّا نَحْنُ أَحَقُّ بِهَذَا مِنْ هَؤُلَاءِ قَالَ: فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ (ﷺ) فَقَالَ: أَلَا تَأْمَنُونَ نِيَّ وَأَنَا أَمِينٌ مِنْ فِي السَّمَاءِ، يَأْتِينِي خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً. قَالَ: فَقَامَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنِينَ، مُشْرِفُ الْوَجْهَتَيْنِ، نَاشِزُ الْجَبْهَةِ، كَثَّ اللَّحْيَةِ، مَحْلُوقُ الرَّأْسِ مُشَمَّرُ الْأَزَارِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ (ﷺ) اتَّقِ اللَّهَ، قَالَ: وَيَلِكُ أَوْلَسْتُ أَحَقُّ أَهْلَ الْأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللَّهَ. قَالَ: ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ. قَالَ خَالِدُ بْنُ وَلِيدٍ: يَا رَسُولَ اللَّهِ (ﷺ) أَلَا أُضْرِبُ عُنُقَهُ؟ قَالَ: لَا لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يَصَلِّي. فَقَالَ خَالِدٌ: وَكَمْ مِنْ مَصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ (ﷺ): إِنِّي لَمْ أُوْمَرْ أَنْ أَنْقُبَ قُلُوبَ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بَطُونَهُمْ. قَالَ: ثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهِ وَهُوَ مَقْفٍ، فَقَالَ: إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضَنْضِي هَذَا قَوْمٌ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ رَطْبًا، لَا يَجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَةِ. وَأُظْنَهُ قَالَ: لَنْ أُدْرِكَتَهُمْ لِأَقْتَلَنَهُمْ قَتْلَ ثَمُودَ. (۳)

”علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یمن سے ایک دباغت شدہ چمڑے میں سونا بھیجا جس سے مٹی الگ نہیں کی گئی تھی جو آپ نے چار اشخاص میں تقسیم کر دیا: عیینہ بن بدر، أقرع بن حابس، زید الخیل اور چوتھے یا تو علقمہ تھے یا عامر بن طفیل۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک نے کہا: ہم ان لوگوں سے زیادہ اس کے حق دار تھے۔ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: کیا تم مجھے امانتدار نہیں سمجھتے حالانکہ میں اللہ کا امین ہوں جو آسمانوں میں ہے، صبح و شام میرے پاس آسمانوں کی خبریں آتی ہیں۔ راوی (حضرت ابوسعید الخدری) کہتے ہیں کہ ایسے میں ایک شخص کھڑا ہوا جس کی آنکھیں اندر کودھنسی ہوئیں، رخسار آگے کو ابھرے ہوئے، پیشانی آگے نکلی ہوئی، داڑھی اس کی گھنٹی تھی، سر منڈا ہوا تھا اور ازار پنڈلیوں کی طرف اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہنے لگا۔ اے رسول اللہ! آپ اللہ سے ڈریں آپ نے فرمایا تو ہلاک ہو، کیا اہل زمین میں سے اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا میں نہیں ہوں؟ پھر وہ شخص واپس چلا گیا۔ حضرت خالد بن ولید نے فرمایا: کیا میں اس کی گردن نہ مار دوں؟

خارجیت: تاریخ اسلام میں انتہائی پسندی کے رجحانات کا جائزہ

آپؐ نے فرمایا: نہیں شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا: کتنے ہی نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جو زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دلوں میں نقب لگاؤں اور نہ ہی ان کے پیٹ چاک کرنے کا حکم دیا گیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف دیکھا وہ پیٹھ کیے جا رہا تھا، آپؐ نے فرمایا: اس شخص کی نسل سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن کی تلاوت بڑی تازگی سے کرے گی لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور یہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے۔ اگر میں ان لوگوں کا زمانہ پالیتا تو قوم عاد کی طرح انہیں قتل کر ڈالتا۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں گردن اتارنے کی اجازت طلب کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (۴)

حضرت ابوسعید الخدریؓ ہی کی ایک اور متفق علیہ روایت میں یہ الفاظ ہیں:

”ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے آپؐ کچھ تقسیم فرما رہے تھے کہ بنو تمیم سے ذوالخویصرہ نامی ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! عدل کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں عذاب ہو اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا؟ اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اپنے مشن میں ناکام ہو جاؤں گا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رہنے دو اس کے ایسے ساتھی ہیں جن کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھو گے اور ان کے روزوں کے مقابلے میں تم اپنے روزوں کو حقیر گردانو گے یہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلقوم سے نیچے نہ اترے گا اور یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے ایسے آر پار نکل جاتا ہے کہ تیر انداز تیر کے پھل کو دیکھتا ہے اور اس پر ”خون“ کا اثر نہیں ہوتا، پھر پھل کی جڑ کو دیکھتا ہے تو اس میں بھی خون نہیں ہوتا، پھر اس کے پر کو دیکھتا ہے تو اس پر بھی اثر نہیں پاتا حالانکہ تیر شکار کے پیٹ اور خون کے درمیان سے نکل جاتا ہے۔“ (۵)

حضرت ابوسعید الخدریؓ ہی کی ایک اور روایت کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ

الفاظ منقول ہیں:

”یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کافروں کو چھوڑ دیں گے اور یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے اگر میں ان لوگوں کا زمانہ پالیتا تو قومِ عاد کی طرح انھیں قتل کر ڈالتا۔“ (۶)

ان روایات سے خارجی ذہنیت کے چند نکات سامنے آتے ہیں:

- ۱- عدل و انصاف کا اپنا تصور و تعبیر جس کے مقابلے میں فعلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قابلِ اعتراض ہے (نعوذ باللہ)۔
  - ۲- تقویٰ کا اپنا تصور جس کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اعمال بھی خلافِ تقویٰ ہیں (نعوذ باللہ)۔
  - ۳- امانت و دیانت کا انکا اپنا تصور جس پر، نعوذ باللہ من ذالک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پورے نہیں اترتے۔
  - ۴- قرآن مجید کی تلاوت اور اس سے تمسک کا دعویٰ لیکن احکامِ قرآنی کے مفہوم و مطلب نیز ان کی روح سے بے تعلق۔
  - ۵- اس وجہ سے دین کی ایسی تعبیر اختیار کرنا جو خود انھیں دین سے باہر کر دے گی۔
  - ۶- لیکن یہ اس دھوکے میں دیگر مسلمانوں کو دین سے باہر سمجھتے ہوئے قتل کریں گے۔
  - ۷- کافروں کو ذمی قرار دیتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔
  - ۸- ان کے ظاہری نماز و روزہ دوسروں سے اچھے ہوں گے اور لوگ اسی وجہ سے ان سے دھوکا کھائیں گے۔
  - ۹- یہ دین سے ایسے صاف طریقے سے باہر ہوں گے کہ لوگوں کو اس کا کوئی نشان نہ مل سکے گا اور لوگ انھیں دین دار سمجھیں گے۔
  - ۱۰- فأینما لقیتموہم فاقتلوہم، فان قتلہم اجر لمن قتلہم یوم القیامة. (۷)
- ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم لوگ ان خوارج کو جہاں پاؤ قتل کر دو کیونکہ ان کو قتل کرنے والے کے لیے قیامت میں اجر ہے۔“
- اب اگر اس خارجی فکر پر نظر ڈالیں تو دو بڑے امور ظاہر ہوتے ہیں کہ باقی باتیں انہی میں آ جاتی ہیں:

خارجیت: تاریخ اسلام میں انتہائی پسندی کے رجحانات کا جائزہ

(i) تقویٰ و پرہیزگاری کا لباس زیب تن کر کے اپنے من مانے فہم دین کو صحیح سمجھنا اور اس کے برخلاف نبیؐ، خلیفہؓ نبیؐ یا کسی بھی دوسرے کی نہ سننا اور نہ تسلیم کرنا۔

(ii) قانون اپنے ہاتھ میں لینا اور ہر اتھارٹی کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کے جان و مال، عزت و آبرو کی پرواہ نہ کرنا۔

یہ سارا کام یہ لوگ اس طرح کریں گے کہ ”بے دینی“ کا کوئی نشان کوئی شخص نہ پاسکے گا۔ لیکن اس کی دو علامتیں واضح ہوں گی:

(۱) قرآن پڑھیں گے، نمازیں ادا کریں گے، روزے رکھیں گے لیکن اسلام کو اس کی روح اور تعلیمات سے منحرف کر دیں گے۔

(۲) دوسرے مسلمانوں کو دین سے باہر سمجھتے ہوئے ان کا خون حلال کر لیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مانعین زکوٰۃ وہی تھے جو خلیفہ کی اتھارٹی کو قبول نہ کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکاری ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر کے انہیں سزاوار قتل قرار دینے اور پھر شہید کر دینے والے اسی فکر کے لوگ تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف خروج کرنے والے اسی فکر کے حامل تھے اور تاریخ میں خارجی کہلائے۔ حضرت علی علیہ السلام کے دور میں جن خوارج نے ظہور کیا اور اس سے قبل عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں جو لوگ ملوث تھے ان میں ”مرکز گریزیت“ واضح طور پر نظر آتی ہے۔ یہ مرکز گریزی اس طرح پیدا ہوئی کہ صحرا بہ صحرا پھرنے والے لوگ جب ایک منظم مملکت کے تحت آئے تو فتوحات کے نتیجے میں انہیں مال ملتا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے اس میں تحدید شروع ہوئی اور یوں خلیفہ یا حاکم وقت کے ”اختیار“ میں اضافہ ہوا۔ اس کا مطلب ان لوگوں کے مفادات میں بھی کمی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ خلیفہ وقت کے صوابدیدی اختیارات حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے عہدوں میں زیادہ پختہ ہوئے، خاص کر حضرت عثمان کے عہد میں۔ حضرت عثمان کے خلاف بغاوت اور پھر شہادت کو ”مرکز گریزی“ کا لاوا پھٹنے سے تعبیر کرنا چاہیے۔ حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جنگ جمل ہو، صفین ہو یا نہروان ان میں وہی قبائلی عمائدین نظر آتے ہیں جن میں ”مرکز گریزیت“ پائی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر یہ جائزہ لیا جائے کہ وہ کون سے قبائل تھے جنہوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا یعنی ”مرکز پسند“ اور ”مرکز گریز“، تو تیس کون سی تھیں تو بعض حیرت انگیز نتائج کا سامنا ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر جن لوگوں نے ۶۷۱ء میں حجر کے ساتھ مل کر خروج کیا چھ افراد کا تعلق یمنی قبائل سے

تھا یعنی نخعم، بجلہ، حضرموت اور کندہ سے، باقی کا تعلق عبس، عنزہ، شیبان اور تمیم سے تھا۔ اسی طرح تو ابین میں (۵-۶۸۳ء) سولہ میں سے نو کا تعلق یمن سے تھا یعنی الاشعر، ازد، بجلہ، نیز، حمدان، حمیر، خزاعہ، کندہ سے ایک ایک جبکہ دیگر افراد عبدالقیس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک ایک فرد کا تعلق عبس، اسد، بکر بن وائل، فزارہ اور مزینہ سے تھا۔ گویا ان قبائل نے ظلم کے خلاف اٹھنے والی ان تحریکوں کو بھی اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی۔

دوسری طرف خوارج پر نظر کریں تو حروریہ میں سے صرف سات یمنی ہیں یعنی تین ازد سے، دو خزاعہ سے اور ایک طئی سے جبکہ ایک انصاری ہے جبکہ بیس افراد کا تعلق قطعی طور پر دوسرے قبائل سے ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اور معاویہؓ کے خلاف بغاوت کرنے والے انیس لیڈروں میں سے صرف پانچ یمنی ہیں تین طئی میں سے اور ایک ازد اور ایک بجلہ میں سے۔ باقی چھ تمیم سے ہیں جبکہ آٹھ افراد آٹھ مختلف قبائل سے ہیں: (۸)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعد میں ہونے والی بغاوتوں کے سرکردہ لوگوں میں شمالی قبائل ہی کے لوگ ہیں مثلاً تمیم، حنیفہ شیبان کے افراد۔ مثلاً ازارقہ میں ان کے لیڈر کے علاوہ بنو تمیم سے ابن عباد، صالح بن مسرح، بنو حنیفہ میں سے ابن الازرق، نجدہ اور اس کے پیروکار۔ اسی طرح شیبان میں سے صالح بن مسرح کے پیرو، شیب بن یزید وغیرہ۔ یہ بنو حنیفہ ہی تھے جو جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے خلاف انتہائی دلیری سے لڑے۔ ان سب کی تفصیلات تاریخ طبری (۹)، کامل ابن اثیر اور ابن خلدون (۱۰) میں متعلقہ مقامات پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس تاریخی تجزیے کو اگر اہمیت دی جائے تو یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہیں ہوگا کہ ”خوارج“ نے ابتدا ہی سے اپنے مخصوص نظریات کی آڑ میں ”مرکز گریز“ پالیسی اپنائے رکھی اور وہ کسی طرح ایک مرکزی حکومت جس کو قبائل اور ان کے سرداروں پر کنٹرول حاصل ہو قبول کرنے پر تیار نہیں رہے، ان کے اس سیاسی نظریے کے پس پشت ”عرب اور غیر عرب“ نیز ”عرب اور یمن“ کے تعصبات بھی کار فرما رہے ہیں۔ بنیاد ان سب کی مرکزی حکومت کی اپنے مخصوص نظریات کے تحت مخالفت اور پھر اس سے بغاوت ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا بہانہ ہو، حضرت عثمانؓ کے دور میں ان کا محاصرہ و شہادت ہو یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں ان کے خلاف نہضتیں ہوں خوارج کا مخصوص سیاسی نظریہ یعنی ”مرکز گریزی“ آپ کو وہاں نظر آئے گا۔

یہ بات ٹھیک ہے اور تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اور لوگوں کی

حمایت حاصل کرنے کے لیے انھوں نے بعض کلامی مسائل بھی پیدا کیے مثلاً ”اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں“، یعنی کوئی حکومت نہیں، گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے لہذا حضرت عثمانؓ بھی کافر، حضرت علیؓ بھی کافر اور حضرت امیر معاویہؓ بھی کافر (نعوذ باللہ) اور جو انھیں کافر نہ مانے وہ بھی کافر اور اس کا قتل کرنا ضروری ہے۔ خود خوارج کے بعض گروہوں نے اس کی تفصیلات میں بعد میں کلام کیا ہے اور ان کے نظریات ان مسائل پر مختلف رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خوارج عہد بنو عباس میں پہنچ کر ختم ہو گئے لیکن یہ اس صورت میں صحیح ہے اگر ان کا مطالعہ محض ایک فرقے کے طور پر کیا جائے لیکن وہ سیاسی سوچ جس کے یہ حامل رہے ہیں پوری تاریخ میں بار بار ظہور کرتی رہی ہے۔

پاکستان کے قبائلی علاقوں میں جاری شورشوں کے پس پشت کارفرما سیاسی سوچ پر نظر ڈالیں، طالبان اور تحریک نفاذ نظام محمدی پر نظر ڈالیں ان کے بیانات، انٹرویو، اقدامات پر غور کریں تو وہی خارجی سوچ ابھر کے سامنے آتی ہے جس کا گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا اور جس کے دو بنیادی عناصر ہیں:

(۱) ”مرکز گریزی“ تاکہ قبائلی نظام اسی طرح مستحکم رہے جس طرح پہلے تھا اور ان کے ظالمانہ قوانین

اور طور طریقے باقی رہیں۔

(۲) اس مقصد کے حصول کے لیے مخصوص مذہبی نظریات کا استعمال اور اس میں ویسی ہی شدت پسندی جو خوارج کے ہاں تھی مسلمانوں کا قتل، خودکش حملے، گردنوں کو محض اس لیے کاٹنا کہ کوئی شخص ان کے نظریات سے صد فی صد متفق نہیں ہے۔ کفر، تقویٰ، نیکی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ان کی اپنی تشریح اور اسے تشدد و ظلم کے لیے استعمال کرنا۔ ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے حضرت علیؓ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا:

سینخرج فی آخر الزمان قوم أحداث الأسنان، سفهاء الأحلام، یقولون من خیر قول البریة، یقرءون القرآن لایجاوز حناجرهم، یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة، فاذا لقیتموهم فاقتلوهم فان فی قتلهم أجراً لمن قتلهم، عند الله یوم القیامة. (۱۱)

”آخری زمانے میں کچھ لوگ خروج کریں گے جو کم سن ہوں گے، ان کی عقلیں ضعیف ہوں گی، بظاہر لوگوں کے لیے بہترین باتیں کریں گے وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر شکار کے پار ہو جاتا ہے، جب تم انھیں پاؤ تو انھیں قتل کر دو کیونکہ انھیں قتل کرنے والے کے لیے اللہ کے پاس یوم قیامت اجر ہوگا۔“

خارجیت: تاریخ اسلام میں انتہائی پسندی کے رجحانات کا جائزہ

## حواشی

واضح ہو کہ صحاح ستہ کے حوالے ”الکتب الستة“ سے لیے گئے ہیں جو الرياض دارالسلام للنشر والتوزيع سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

- (۱) ابن منظور، لسان العرب
- (۲) (النساء: ۱۰۰)
- (۳) بخاری، الجامع الصحيح (الکتب الستة)، کتاب المغازی، باب بعث علی بن ابی طالب و خالد بن ولید الی اليمن قبل حجة الوداع، رقم الحدیث ۴۰۹۴، ۴۳۹۰، ۶۹۹۵، ۷۱۲۳، ۳۱۶۶، (رياض: دارالسلام للنشر والتوزيع، ۲۰۰۰ء)
- (۴) مسلم، الجامع الصحيح (الکتب الستة)، کتاب الزکاة، رقم الحدیث ۱۰۶۳، بخاری، الجامع الصحيح (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۳۱۶۸، ابن ماجہ، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۱۷۲، النسائی، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۸۰۸۷، احمد بن حنبل، المسند (الکتب الاسلامی، الخامسة، سنندارد)، ج ۳، ص ۳۵۳۔
- (۵) بخاری، الجامع الصحيح (الکتب الستة)، فضائل القرآن، باب ۳۶، رقم الحدیث ۶۱۶۳، مسلم، الجامع الصحيح (الکتب الستة)، کتاب الزکاة، رقم الحدیث ۱۰۶۳، ۲۳۱۷، ابن ماجہ، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۱۶۹، النسائی، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۸۰۸۹۔
- (۶) بخاری، الجامع الصحيح (الکتب الستة)، کتاب الانبیاء، باب ۶، رقم الحدیث ۴۳۵۱، مسلم، الجامع الصحيح (الکتب الستة)، کتاب الزکاة، رقم الحدیث ۱۰۶۳، ابوداؤد، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۴۷۶۳، النسائی، السنن (الکتب الستة)، رقم الحدیث ۴۱۱۴، احمد بن حنبل، المسند (الکتب الاسلامی، الخامسة، سنندارد)، ج ۳، ص ۴۔
- (۷) مسلم، الجامع الصحيح (الکتب الستة)، باب التحریض علی قتل الخوارج، بخاری، الجامع الصحيح (الکتب الستة)، کتاب المناقب ۲۵، باب علامات النبوة فی الاسلام۔

(۸) W.Montgomery Watt *The Formative Period of Islamic Thought*, (2006) ch.2, p.42-43

(Der Islam. xxxvi (1961) 215-217)

(۹) قال الطبری: كان قتلى الجمل حول الجمل عشرة آلاف، نصفهم من أصحاب علي و نصفهم من أصحاب عائشة، من الأزد الفنان، ومن سائر اليمن خمسمائة، ومن مضر الفنان،

خارجیت: تاریخ اسلام میں انتہائی پسندی کے رجحانات کا جائزہ

وخمسمائة من قيس، وخمسمائة من تميم وألف من بني ضبة و خمسمائة من بكر بن وائل. وقيل: قتل من أهل البصرة في المعركة الا ولى خمسة آلاف وقتل من أهل البصرة في المعركة الثانية خمسة آلاف، فذلك عشرة آلاف قتل من أهل البصرة. ومن أهل الكوفة خمسة آلاف وقال: وقتل من بني عدى يومئذ سبعون شيخاً كلهم قد قرأ القرآن. (الطبرى، تاريخ امم والملوك، ذكر خلافة امير المؤمنين على بن أبى طالب: عدد قتلى الجمل، ج ۳، ص ۵۴۳)، وفي رواية أخرى للطبرى: قتل على بن أبى طالب يوم الجمل ألفين وخمسمائة، ألف وثلثمائة وخمسون من الأزد وثمانمائة من بني ضبة و ثلثمائة وخمسون من سائر الناس. (نفس المصدر، ج ۳، ص ۵۴۷)

(۱۰) وقال ابن خلدون: لما استكمل الفتح و استكمل للملک ونزل العرب بالأمصار فى حدود ما بينهم وبين الأمم من البصرة والكوفة والشام و مصر وكان المختصون بصحابة الرسول ﷺ والاقْتداء بهديه و آدابه المهاجرين والانصار من قريش وأهل الحجاز ومن ظفر بمثل ذلك من غيرهم وأما سائر العرب من بنى بكر بن وائل و عبدالقيس و سائر ربيعة والأزد والكندة و تميم وقضاعة وغيرهم فلم يكونوا من تلك الصحبة بمكان الا قليلاً منهم وكان لهم فى الفتوحات قدم فكانوا يرون ذلك لأنفسهم مع يدين به فضلاؤهم من تفضيل أهل السابقة من الصحابة ومعرفة حقهم وما كانوا فيه من الذهول و الدهش لأمر النبوة وتردد الوحي وتنزل الملائكة فلما انحسر ذلك العباب وتوسى الحال بعض الشئ وذل العدو واستفحل الملك كانت عروق الجاهلية تنفض و وجدوا الرياسة عليهم للمجاهدين والانصار من قريش وسواهم فأنفت نفوسهم منه (ابن خلدون، تاريخ، بيروت، دار احياء التراث العربى سنه ندادد، ج ۲، ص ۱۳۸)

(۱۱) مسلم، الجامع الصحيح (الكتب الستة)، كتاب الزكاة، باب ۶۲، رقم الحديث ۱۵۴، ۲۳۶۲۔



باب ہفتم:

## دہشت گردی: علمائے اسلام کا موقف

ثاقب اکبر

اس باب میں ہم علمائے اسلام کے بیانات، فتاویٰ اور اعلانات پر مشتمل اہم دستاویزات پیش کر رہے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی دنیا کے مفتی اور علماء حضرات نے اتفاق رائے کے ساتھ دہشت گردی کی مذمت کی ہے۔ اس باب میں مندرجہ ذیل اعلانات شامل ہیں:

اعلان عمان ۲۰۰۵ء

اعلامیہ لاہور ۲۰۰۸ء

اعلامیہ کراچی ۲۰۰۸ء

فتویٰ دارالعلوم دیوبند ۲۰۰۸ء

فتویٰ جمعیت العلمائے ہند ۲۰۰۸ء

اعلامیہ مکہ ۲۰۰۶ء

فتاویٰ علمائے افغانستان ۲۰۰۷ء

### ۱- دہشت گردی کے خلاف اعلان عمان (۲۰۰۵ء)

اردن کے دارالحکومت عمان میں ۲۷-۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ/۶ جولائی ۲۰۰۵ء کو 'اسلام کی حقیقت اور معاصر معاشرے میں اس کا کردار' کے عنوان سے ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں یہی

دہشت گردی: علمائے اسلام کا موقف

موقف اختیار کیا گیا اور ان فتاویٰ اور کانفرنس کی سفارشات کو بنیاد بنا کر کانفرنس نے اعلان عمان کے نام سے ایک بیان جاری کیا۔ اس اعلان کا متن مع ترجمہ قبل ازیں اسلامی نظریاتی کونسل کی ۲۰۰۶ء میں شائع ہونے والی رپورٹ ”اسلام اور دہشت گردی“ میں بھی شامل کیا جا چکا ہے۔ یہاں ہم اس اعلان کی اہمیت اور اس حوالے سے عالم اسلام کے دیگر اہم اعلانات کے ساتھ اس کی ہم آہنگی کے پیش نظر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلٰی سَیْدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهِ وَوَسَلَّمَ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ. (النساء: ۱)

بیان صادر عن المؤتمر الاسلامی المدولی الذی عقد فی عمان، عاصمة المملكة الأردنية الهاشمية، تحت عنوان (حقیقة الاسلام ودوره فی المجتمع المعاصر)، فی المدة ۲۹.۲۷ جمادی الاولى ۱۴۲۶ھ / ۲۷.۴ تموز (یولیو) ۲۰۰۵م

وفقاً لما جاء فی فتوى فضيلة الامام الأكبر شيخ الأزهر المكرم، وفتوى سماحة آية الله العظمى السيد علي السيستاني الأكرم، وفتوى فضيلة مفتي الديار المصرية الأكرم، وفتاوى المراجع الشيعية الأكرمين (الجعفرية والزيدية)، وفتوى فضيلة المفتي العام لسلطنة عمان الأكرم، وفتوى مجمع الفقه الاسلامی الدولی (منظمة المؤتمر الاسلامی. جدة، المملكة العربية السعودية)، وفتوى المجلس الأعلى للشؤون الدينية التركية، وفتوى فضيلة مفتي المملكة الأردنية الهاشمية ولجنة الافتاء الأكرمين فيها، وفتوى فضيلة الشيخ الدكتور يوسف القرضاوى الأكرم، ووفقاً لما جاء فی خطاب صاحب الجلالة الهاشمية الملك عبدالله الثاني ابن الحسين ملك المملكة الأردنية الهاشمية فی افتتاح مؤتمرنا، ووفقاً لعلمنا الخالص لوجه الله الكريم،

ووفقاً لما قدم فی مؤتمرنا هذا من بحوث ودراسات ومادارات فيه من مناقشات، فاننا، نحن الموقعين أدناه، نعرب عن توافقنا على ما يرد تالياً، وقرارنا به:

(۱) ان كل من يتبع أحد المذاهب الأربعة من أهل السنة والجماعة (الحنفي، والمالكي، والشافعي، والحنبلي) والمذهب الجعفري، والمذهب الزيدي، والمذهب الاباضي، والمذهب الظاهري، فهو مسلم، ولا يجوز تكفيره، ويحرم دمه وعرضه وماله. وأيضاً، ووفقاً لما جاء فی فتوى فضيلة شيخ الأزهر، لا يجوز تكفير أصحاب العقيدة الأشعرية، ومن يمارس التصوف الحقيقي. وكذلك لا يجوز تكفير أصحاب الفكر السلفي الصحيح.

کمالاً يجوز تكفير أى فئة أخرى من المسلمين تؤمن بالله سبحانه وتعالى وبرسوله صلى الله عليه وسلم وأركان الايمان، وتحترم أركان الاسلام، ولا تنكر معلوماً من الدين بالضرورة.

(۲) ان ما يجمع بين المذاهب أكثر بكثير مما بينها من الاختلاف. فأصحاب المذاهب الثمانية متفقون على المبادئ الأساسية للاسلام. فكلهم يؤمنون بالله سبحانه وتعالى، واحداً واحداً، وبأن القرآن الكريم كلام الله المنزل، وسيدنا محمد عليه الصلاة والسلام نبياً ورسولاً للبشرية كافة. وكلهم متفقون على أركان الاسلام الخمسة: الشهادتين، والصلاة، والزكاة، وصوم رمضان، وحج البيت، وعلى أركان الايمان: الايمان بالله، وملائكته، وكتبه، ورسوله، واليوم الآخر، وبالقدر خيره وشره. واختلاف العلماء من أتباع المذاهب هو اختلاف فى الفروع وليس فى الأصول، وهو رحمة، وقديماً قیل، ان اختلاف العلماء فى الرأى أمر جيد.

(۳) ان الاعتراف بالمذاهب فى الاسلام يعنى الالتزام بمنهجية معينة فى الفتاوى: فلا يجوز لأحد أن يتصدى للافتاء دون مؤهلات شخصية معينة يحددها كل مذهب، ولا يجوز الافتاء دون التقيد بمنهجية المذاهب، ولا يجوز لأحد أن يدعى الاجتهاد ويستحدث مذهباً جديداً أو يقدم فتاوى مرفوضة تخرج المسلمين عن قواعد الشريعة وثوابتها وما استقر من مذاهبها.

(۴) ان لب موضوع رسالة عمان التى صدرت فى ليلة القدر المباركة من عام ۱۴۲۵ للهجرة وقرئت فى مسجد الهاشميين، هو الالتزام بالمذاهب وبمنهجيتها؛ فالاعتراف بالمذاهب والتأكيد على الحوار والالتقاء بينها هو الذى يضمن الاعتدال والوسطية، والتسامح والرحمة، ومحاورة الآخرين.

(۵) اننا ندعو الى نبذ الخلاف بين المسلمين والى توحيد كلمتهم، ومواقفهم، والى التأكيد على احترام بعضهم لبعض، والى تعزيز التضامن بين شعوبهم ودولهم، والى تقوية روابط الآخوة التى تجمعهم على التحاب فى الله، وألا يتركوا مجالاً للفتنة وللتدخل بينهم. فالله سبحانه يقول:

(۶) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ. (الحجرات: ۱۰)

يؤكد المشاركون فى المؤتمر الاسلامى الدولى، وهم يجتمعون فى عمان عاصمة

المملكة الأردنية الهاشمية، على مقربة من المسجد الأقصى المبارك والأراضي الفلسطينية المحتلة، على ضرورة بذل كل الجهود لحماية المسجد الأقصى، أولى القبلتين وثالث الحرمين الشريفين، في وجه ما يتعرض له من أخطار واعتداءات، وذلك بانتهاء الاحتلال وتحرير المقدسات. وكذلك ضرورة المحافظة على العتبات المقدسة في العراق وغيره.

(۷) يؤكد المشار كون على ضرورة تعميق معاني الحرية واحترام الرأي والرأي الآخر في رحاب عالمنا الاسلامي.

والحمد لله وحده.

ترجمہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وسلم  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ. (النساء: ۱)  
(لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔)

### اعلان عمان

عزت مآب امام اکبر مکرم جناب شیخ الازهر کے فتویٰ  
سماحة آیت اللہ العظمیٰ سید علی سیستانی کے فتویٰ  
دیار مصر کے مفتی اعظم کے فتویٰ

شیعیان جعفریہ وزیدیہ کے قابل احترام مراجع کے فتاویٰ

سلطنت عمان کے مفتی العام عزت مآب کے فتویٰ

بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی (اسلامی کانفرنس تنظیم، جدہ، سعودی عرب) کے فتویٰ

ترکی کی سپریم کونسل برائے دینی امور کے فتویٰ

اردن کی سلطنت ہاشمیہ کے مفتی اعظم اور فتویٰ کمیٹی کے مفتیان کرام کے فتویٰ

اور عزت مآب جناب ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے فتویٰ کے مطابق:

ہماری اس کانفرنس میں سلطنت ہاشمیہ اردن کے عزت مآب بادشاہ عبداللہ ثانی بن حسین کے افتتاحی

خطاب کے مطابق:

خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے ہمارے علم کے مطابق؛

اور ہماری اس کانفرنس میں پیش کیے گئے مقالات، لیکچرز اور مذاکرات کے مطابق ہم زیر دستخطی درج ذیل بیان سے اتفاق کرتے اور اس کا اقرار کرتے ہیں:

۱۔ جو شخص اہل سنت والجماعت کے مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) میں سے کسی ایک یا مذہب جعفری، مذہب زیدی، مذہب اباضی یا مذہب ظاہری کی اتباع کرے، وہ مسلمان ہے اور اس کی تکفیر جائز نہیں ہے، اس کا خون، اس کی عزت اور اس کا مال حرام ہے اور جناب شیخ الازہر کے فتویٰ کے مطابق اشعری عقیدہ رکھنے والوں، حقیقی تصوف سے شغف رکھنے والوں اور صحیح سلفی فکر رکھنے والوں میں سے بھی کسی کی تکفیر جائز نہیں ہے۔

جیسا کہ مسلمانوں کی کسی بھی ایسی جماعت کی تکفیر جائز نہیں ہے، جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور ارکان اسلام پر ایمان رکھتی ہو، ارکان اسلام کا احترام کرتی ہو اور دین کی جو باتیں بالضرورت معلوم ہیں، ان میں سے کسی کا انکار نہ کرتی ہو۔

۲۔ مختلف مذاہب کی متفق علیہ باتیں ان کی نسبت بدرجہا زیادہ ہیں، جن میں باہمی اختلاف ہے۔ مذکورہ بالا آٹھوں مذاہب اسلام کی اساسی مبادیات پر متفق ہیں، یہ سب اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ واحد اور احد ہے، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والا کلام ہے، سیدنا حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری انسانیت کے لئے نبی اور رسول ہیں اور یہ سارے مذاہب اسلام کے ارکان خمسہ شہادتین، نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزوں اور بیت اللہ کے حج پر بھی متفق ہیں۔ ان مذاہب کا ارکان ایمان یعنی اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان میں بھی اتفاق ہے۔ مختلف مذاہب کے علماء میں اگر اختلاف ہے، تو وہ فروع میں ہے، اصول میں نہیں اور یہ اختلاف باعث رحمت ہے، جیسا کہ ایک قدیمی قول ہے کہ ”رائے میں علماء کا اختلاف ایک اچھی بات ہے۔“

۳۔ اسلام میں مذاہب کا اعتراف یعنی فتاویٰ میں ایک معین اسلوب کی پابندی کے ضمن میں کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان متعین شخص صلاحیتوں کے بغیر فتویٰ دے، جن کا ہر مذہب نے تعین کیا ہے، مذاہب کے اصولوں کی پابندی کے بغیر بھی فتویٰ دینا جائز نہیں اور نہ کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اجتہاد کا دعویٰ کرے اور کوئی نیا مذہب پیدا کرے یا ایسے مردود فتاویٰ کو ترجیح دے، جو مسلمانوں کو شریعت کے قواعد، مستقل اصولوں اور مذاہب کے متفق علیہ امور سے خارج کر دے۔

۴۔ اعلانِ عمان جو مبارک لیلۃ القدر ۱۴۲۵ھ کو جاری ہوا اور مسجد البہائین میں پڑھا کر سنایا گیا، کا خلاصہ یہ

ہے کہ مذاہب اور ان کے اسالیب کی پابندی کی جائے، مذاہب کا اعتراف، ڈائیلاگ کی ضرورت پر زور اور باہمی ملاقاتیں اس اعتدال، میانہ روی، درگزر، رحمت اور دوسروں سے تبادل خیالات کی ضامن ہیں۔ ہم دعوت دیتے ہیں کہ مسلمان باہمی اختلاف ترک کر دیں، ایک بات اور ایک موقف پر متحد و متفق ہو جائیں۔ ایک دوسرے کا احترام کریں، قوموں اور حکومتوں کے تعلقات کو مضبوط کریں، اخوت و محبت کے ان تعلقات کو مستحکم کریں، جو انھیں الحب فی اللہ کی سلک مروارید میں منسلک کر دیں اور فتنہ اور دراندازی کے لئے کوئی راستہ نہ چھوڑ دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوِيكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ**. (الحجرات: ۱۰)

”مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔“

۶۔ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے شرکاء، جو اردن کی سلطنت ہاشمیہ کے دارالحکومت عمان میں اور مبارک مسجد اقصیٰ اور مقبوضہ فلسطینی علاقوں کے قریب جمع ہیں، اس امر کی ضرورت پر زور دیتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ جو قبلہ اولیٰ اور تیسرا حرم محترم ہے، کی حفاظت اور اسے پیش آنے والے خطرات اور مظالم کو دور کرنے کے لئے تمام کوششوں کو بروئے کار لایا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ غاصبانہ قبضہ ختم ہو اور مقامات مقدسہ کو آزاد کر دیا جائے، اسی طرح کانفرنس کے شرکاء سرزمین عراق میں اور دیگر مقامات مقدسہ کی حفاظت کی ضرورت پر بھی زور دیتے ہیں۔

۷۔ کانفرنس کے شرکاء نے عالم اسلام میں آزادی اور احترام رائے کے معانی کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے۔ والحمد لله وحده۔

## ۲۔ پاکستانی علماء کا موقف

پاکستان بھر کے ممتاز علماء، مذہبی سکالرز اور اہل علم و دانش شروع دن سے انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی تحریر و تقریر میں اسے ہمیشہ خلاف اسلام قرار دیا ہے اور مسلمانوں سے تقاضا کیا ہے کہ وہ آپس میں متحد ہو کر اسلام اور ملک کے خلاف ہونے والی اس سازش کا مقابلہ کریں۔ انھوں نے ہمیشہ عوام کو اسلامی اخوت کی تعلیمات یاد دلانی ہیں۔ خودکش حملوں کے سلسلے نے پاکستان کے پورے معاشرے کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ملک کے دسوز علماء کو اس صورت حال کی سنگینی کا شدت سے احساس ہے۔ انھیں اس امر کا بھی احساس ہے کہ دہشت گردی کو ناروا طور پر اسلام سے منسوب کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں علماء کے مختلف اجتماعات بھی منعقد ہوئے ہیں اور اجتماعی فتوے بھی سامنے آئے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالم اسلام کے دیگر علماء کی

طرح پاکستان کے علماء بھی دہشت گردی اور خودکش حملے کو خلاف اسلام سمجھتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس سلسلے میں پاکستان کے علماء کے دو اہم اجتماعی فتووں اور چند ممتاز علماء کے افکار کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

### متحدہ علماء کونسل کا اعلامیہ لاہور ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۸ء

متحدہ علماء کونسل کا ایک اجلاس ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۸ء کو جامعہ نعیمیہ لاہور میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں اہل سنت، اہل حدیث اور اہل تشیع کے نمائندہ علماء شریک ہوئے۔ ان میں 23 مذہبی جماعتوں کے قائدین، جید علماء کرام اور شیوخ الحدیث شامل تھے۔ ان میں مندرجہ ذیل شخصیات نمایاں تھیں:

مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالملک، مولانا فضل الرحیم، حافظ محمد سعید، مولانا عبدالرؤف ملک، حافظ عاکف سعید، ڈاکٹر فرید پراچہ، انجینئر سلیم اللہ خان، مفتی غلام سرور قادری، علامہ زبیر احمد ظہیر، قاری عبدالرحمن نورانی، مولانا امیر حمزہ، پیر سیف اللہ خالد، قاضی سید نیاز حسین نقوی، پیر اطہر القادری، مولانا خلیل الرحمن حقانی، مفتی محمد خان، مولانا منظور احمد، مجیب الرحمن انقلابی، نصرت شاہانی اور محبت النبی۔

اجلاس میں ایک متفقہ اعلامیہ کی منظوری دی گئی جسے بعد ازاں کونسل کے سربراہ مولانا ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے لاہور میں ایک پریس کانفرنس میں پڑھ کر سنایا\*۔ اس کے مطابق، پاکستان میں خودکش حملوں کو حرام اور ناجائز قرار دیا گیا۔

ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے کہا کہ پیغمبر اسلامؐ نے غیر مسلم اقلیتوں اور غیر مسلموں کے احترام کی تاکید کی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے غیر مسلم اور اقلیتوں کا خیال نہیں رکھا اُسے جنت کی خوشبو نصیب نہیں ہوگی۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ وہ یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ کوئی مسلمان خودکش حملہ کر سکتا ہے۔

اس موقع پر مفتی محمد خان کا کہنا تھا کہ اسلام سلامتی کا دین ہے اور اس میں دہشت گردی اور خودکش حملوں کی اجازت نہیں۔ (۲)

### علماء کا اعلامیہ کراچی اگست ۲۰۰۸ء

قبل ازیں کراچی میں بھی اگست ۲۰۰۸ء میں تمام مسالک کے علماء کے اجلاس کے بعد ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا تھا جس میں پاکستان میں خودکش حملوں کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ مفتی منیب الرحمن نے جو اس اعلامیہ پر دستخط کرنے والے علماء میں شامل تھے ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے اس کے مقاصد اور جذبہ محرکہ پر بھی روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا:

\* نہایت افسوس سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ مولانا سرفراز نعیمی اس بیان کے چند ہفتوں بعد ایک خودکش حملے میں دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

ہم نے یہ فتویٰ اللہ کی رضا اور خدا خونی کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیا تھا، دین کا راستہ اختیار کرنے والوں کو اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے، اپنی انا نہیں۔ ہم نے کبھی خود کش حملوں کے جواز کی کوئی صورت پیش نہیں کی اور میں قرآن و سنت کی روشنی میں انتہائی ذمہ داری کے ساتھ ایک بار پھر یہ کہتا ہوں کہ خود کش حملے ایک حرام عمل ہے اور حرام کو جائز سمجھ کر اختیار کرنے والے اللہ اور اس کے رسولؐ کے کھلے مجرم اور سرکش ہیں۔ (۳)

### ۳- بھارت کے علماء کا موقف

بھارت کے علمائے اسلام بھی دہشت گردی کے بارے میں پورے عالم اسلام کے موقف سے ہم آہنگ ہیں۔ انھیں اس امر کا بھی شدت سے احساس ہے کہ خود بھارت کے مسلمان عرصہ دراز سے دہشت گردی کا شکار چلے آ رہے ہیں۔ انھوں نے اس سلسلے میں مختلف مواقع پر دہشت گردی کے بارے میں اپنے انفرادی اور اجتماعی نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے۔ ہم ذیل میں دارالعلوم دیوبند کے ایک تاریخی فتویٰ اور پھر اس کی تائید میں آنے والے اعلامیہ حیدرآباد (بھارت) کا مختصر احوال ذکر کرتے ہیں:

### دہشت گردی کے خلاف دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ۲۰۰۸ء

بھارت کے قدیم تاریخی دینی مرکز، دارالعلوم دیوبند نے اپنے ایک عظیم الشان جلسے میں ہر قسم کے تشدد اور دہشت گردی کے خلاف ایک فتویٰ جاری کیا۔ اس جلسے میں 70 ہزار افراد بھارت کی دور دراز کی ریاستوں سے شریک تھے۔ ثنائیوز نے نئی دہلی کے حوالے سے اس جلسے اور فتویٰ کی خبریوں جاری کی:

”بھارت میں مسلمانوں کے سب سے بڑے دینی مدرسے دارالعلوم دیوبند نے دہشت گردی کو خلاف اسلام قرار دیتے ہوئے فتویٰ جاری کیا ہے اور کہا ہے کہ اسلام ہر قسم کے تشدد، قتل، لوٹ مار اور خونریزی کو مسترد کرتا ہے اور امن کا پیغام پھیلانے کا درس دیتا ہے۔ دارالعلوم کے مفتی اعظم حبیب الرحمن کے دستخط سے جاری یہ فتویٰ نئی دہلی میں جمعیت علمائے ہند کے زیر اہتمام دہشت گردی کے موضوع پر منعقدہ سیمینار میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اس موقع پر مسلمان مذہبی رہنماؤں کے علاوہ بڑی تعداد میں علماء اور مدرسوں کے طلباء بھی موجود تھے۔ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے جمعیت علمائے ہند کے جنرل سیکرٹری مولانا محمود مدنی نے کہا کہ ایک ایسا مذہب جو دنیا بھر میں امن کے قیام کا درس دیتا ہو اس کے خلاف دہشت گردی کا الزام جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ ہر قسم کی دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں اور دہشت گردی کے سامنے جھکنے کے بجائے اس کے خاتمے



کی جدوجہد کریں گے۔ اس کانفرنس میں 70 ہزار افراد سے زائد نے شرکت کی۔ دیوبند کے عالم دین مولانا ریاست علی بجنوری نے فتویٰ سناتے ہوئے قرآن مجید کی ایک آیت بھی پڑھ کر سنائی جس کا ترجمہ یہ ہے: ”زمین میں امن قائم ہو جانے کے بعد فساد برپا مت کرو۔“ [فتویٰ میں کہا گیا ہے] اسلام امن کو پسند کرتا ہے۔ اسلام ہر قسم کے ظالمانہ تشدد کو رد کرتا ہے اور کسی بھی شکل میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ فتویٰ میں مزید کہا گیا ہے کہ اسلام ہر قسم کی دہشت گردی کو ختم کرنے اور عالمی بھائی چارے کو عام کرنے کا پیغام لے کر آیا ہے۔ کانفرنس میں موجود عالمی صورت حال پر شدید تشویش کا اظہار کیا گیا جہاں بیشتر اقوام مسلمانوں کے تئیں معاندانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ جمعیت کے لیڈر اور رکن پارلیمنٹ مولانا محمد اسعد مدنی نے اپنی تقریر میں کہا کہ ملک میں داخلی اور خارجہ پالیسیوں پر بیرونی طاقتیں بہت زیادہ اثر انداز ہو رہی ہیں جو نہایت قابل تشویش بات ہے۔ کانفرنس نے مسلمانوں اور بالخصوص مذہبی اداروں کو دہشت گردی سے جوڑنے کے رجحان کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔ مولانا مدنی نے کہا کہ اس بیماری (دہشت گردی) کی غلط تشخیص کی گئی ہے۔ جب بھی دہشت گردی کا کوئی واقعہ رونما ہوا تو اسے مسلمانوں سے جوڑنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی اور بالخصوص ایسے افراد سے جنہوں نے مدرسوں اور مذہبی اداروں میں تعلیم حاصل کی ہو، یہ بالکل ہی غلط رویہ ہے۔ دارالعلوم نے اسی سال فروری میں ایک قرارداد منظور کرتے ہوئے دہشت گردی کو غیر اسلامی قرار دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ اسلام کے امن پسند اصولوں کے خلاف ہے۔ آج کی کانفرنس میں مولانا مدنی نے ایک آٹھ نکاتی قرارداد پڑھ کر سنائی جس میں کہا گیا ”جہاد تعمیری اور دہشت گردی تخریبی عمل کا نام ہے۔“ قرارداد میں سرکاری اداروں سے اپیل کی گئی کہ وہ امن اور قانون کی برقراری کے لئے غیر جانبدارانہ خدمات انجام دیں۔“ (۴)

## دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ کی توثیق

دارالعلوم دیوبند کے مذکورہ بالا عظیم الشان اجلاس اور دہشت گردی کے خلاف تاریخی فتویٰ کے اجرا کے بعد نومبر ۲۰۰۸ء میں حیدرآباد میں جمعیت علماء کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اردو ٹائمز نے اس دو روزہ اجلاس کی تفصیلی خبر جاری کی۔ ہم ۸ نومبر کی خبر کا خلاصہ ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

دہشت گردی: علمائے اسلام کا موقف

”دہشت گردی کے خلاف مہم تیز کرتے ہوئے ہندوستان کے مختلف شہروں کے 8 ہزار سے زائد علما نے دارالعلوم دیوبند سے جاری اس فتویٰ کی تحریری طور پر توثیق اور تائید کردی جس میں کہا گیا ہے کہ اسلام ہر طرح کے بے جا تشدد، بدامنی، خونریزی، قتل و غارتگری کی قطعاً نفی کرتا ہے اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمن کی سرپرستی اور جمعیت علما ہند کے صدر مولانا قاری محمد عثمان کی صدارت میں منعقد مجلس منظمہ کے اجلاس میں پیش کردہ ماضی میں جاری اس فتوے کی امیرالہند نے تحریری طور پر تائید کی اور اس کے بعد یہاں مجلس منظمہ کی میٹنگ میں 8 ہزار سے زائد علما اور فقیہان نے اس کی تحریری طور پر توثیق کی۔“

اجلاس کے دوسرے سیشن کے اختتام پر قائد جمعیت مولانا محمود مدنی نے اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گردوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور ہم ہر طرح کی دہشت گردی کی سخت مخالفت کرتے ہیں، چند شریک تنظیموں کی جانب سے اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ملک میں بدامنی پھیلانی جائے اور اس کے ذریعہ سیاسی مفادات حاصل کیے جائیں۔

اس اہم اجلاس میں مندرجہ ذیل نمایاں شخصیات نے شرکت کی:

مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری (صدر جمعیت علمائے ہند)، مولانا مرغوب الرحمن (مہتمم دارالعلوم دیوبند)، مولانا قاری محمد عثمان، مولانا محمود مدنی، ابوالقاسم نعمانی (بنارس)، مولانا رفیق قاسمی (سیکرٹری جماعت اسلامی، ہند)، مولانا محمد اظہر (بہار)، علامہ رفیق بڑودی، مولانا ابوالحسن (شیخ الحدیث، گجرات)، مولانا خلیل الرحمن، حافظ ندیم صدیقی، مولانا ریاض فاروقی، قاری ایوب، قاری ادریس، مفتی افتخار (کرناٹک)، صدیق اللہ چودھری (بنگال)، ایڈووکیٹ ہارون (بھوپال) اور مولانا اقبال (تامل ناڈو)۔ (۵)

## ۴- عراق میں مذہبی اتحاد کے لئے علما کی کوششیں

گذشتہ چند سالوں میں امت مسلمہ کو دنیا میں سب سے زیادہ دہشتگردی کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلم ممالک میں ہی سب سے زیادہ بے گناہوں کا خون بہایا گیا۔ اس خونریز دہشتگردی کا سب سے زیادہ مظاہرہ عراق میں دیکھا گیا۔ مسلسل چند سال تک سفاک دہشتگردوں نے بازاروں میں، عام لوگوں کے اجتماعات میں اور مذہبی مقامات پر دینی اجتماعات میں دھماکے یا خودکش کارروائیاں کر کے کثیر تعداد میں بے گناہ خلقِ خدا کو موت کے گھاٹ اتارنا اپنے طرز عمل کا حصہ بنائے رکھا۔ عراق کی گھمبیر صورت حال کے اثرات عالم اسلام پر بالعموم اور عالم عرب پر بالخصوص مرتب ہو رہے تھے۔ تمام ذمہ دار علما اور اسلامی اداروں کو اس کا شدت سے احساس ہوا۔ لہذا

ملک کے اندر اور باہر عراقی مسلمانوں کے مابین فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ اس سلسلے میں اعلامیہ مکہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

## اعلامیہ مکہ

اسلامی کانفرنس تنظیم اور مجمع فقہ اسلامی کی دعوت پر 19 اکتوبر 2006ء کو عراق کے 50 ممتاز شیعہ سنی علماء مکہ میں اکٹھے ہوئے اور انھوں نے عراق کی پرتشدد اور خون ریز صورت حال پر غور و فکر کیا اور ایک اہم فتویٰ جاری کیا۔ اس تاریخی دستاویز پر اسلامی کانفرنس تنظیم کے سیکرٹری اکمل الدین احسان اوغلو، مجمع فقہ اسلامی کے سیکرٹری محمد حبیب بن خوجہ، عالمی مجلس برائے تقریب مذاہب اسلامی کے سیکرٹری آیت اللہ تسخیری اور علماء اسلام کی عالمی یونین کے سیکرٹری محمد سلیم العوانے گواہ کی حیثیت سے دستخط کیے۔ یہ اعلامیہ دس نکات پر مشتمل ہے۔ ہم ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

”مسلمان وہ ہے جو اللہ کی توحید اور حضرت محمدؐ کی نبوت کی گواہی دے۔ یہ بنیادی اصول شیعہ اور سنی دونوں پر بلا استثنا مساوی طور پر لاگو ہوتا ہے۔ ان دونوں مکاتب فکر کے مشترکات ان کے مختلفات سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ دونوں کے اختلافات کا تعلق فقط رائے اور تعبیر سے ہے۔ ان کے اختلافات کا تعلق ایمان یا ارکان اسلام سے نہیں ہے۔ مسلمانوں کی جان، مال، عزت اور شہرت قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں حرمت کی حامل ہے۔ لہذا مسلمان مرد ہو یا عورت شیعہ ہو یا سنی اُسے قتل کرنا، اُسے نقصان پہنچانا، اُس پر تشدد کرنا، اُس کے مال اور جائیداد پر حملہ کرنا، اسے بے گھر کرنا یا اُسے اغوا کرنا جائز نہیں۔ تمام عبادت خانے محترم ہیں جن میں مساجد اور تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے غیر مسلموں کے عبادت خانے شامل ہیں۔

شیعہ و سنی علماء کو چاہیے کہ اتحاد و یکجہتی کے اصولوں پر قائم رہیں۔ نیز وہ قرآنی آیات ”والصلح خیر“ اور ”تعاونوا علی البر والتقوی“ کی روشنی میں قومی اتفاق کے حصول کے لئے اپنی تمام تر کوششیں بروئے کار لائیں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ نفرت و فتنہ انگیز اقدامات سے پرہیز کریں۔ عراقی مسلمان ملک کی آزادی، اتحاد اور سالمیت کے تحفظ اور قومی امنگوں کو پورا کرنے کے لئے آپس میں متحد ہو جائیں اور ملک کی فوجی، اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے تعمیر نو نیز عراق کی تہذیبی و ثقافتی

حیثیت کی بازیابی اور ملک سے بیرونی قبضے کے خاتمے کے لئے کمر ہمت کس لیں۔“

## علماء کی عمومی کوششیں

دہشتگرد گروہوں کی خواہش کے برعکس عراق میں عوامی سطح پر مذہبی فسادات نہ ہو سکے۔ آخر میں دہشتگردوں نے سامرہ میں اہل بیت کے محترم مزارات کو انتہائی اقدام کے طور پر اپنی تخریب کاری کا نشانہ بنایا تاکہ فرقہ وارانہ فسادات کا پھوٹنا یقینی ہو جائے۔

اس دوران سنی اور شیعہ علماء کا کردار بہت ہی مثبت رہا اور سب نے یک زبان ہو کر اپنے بیانات اور فتوؤں میں عام لوگوں کو قتل کرنے اور اس مقصد کے لئے خود کش کارروائی کرنے یا ناحق کسی کی بھی جان لینے کے عمل کو سختی سے حرام قرار دیا۔

صورت حال کو سنبھالنے کے لئے عالم اسلام کے ممتاز علماء نے اپنا کردار ادا کیا۔ شیخ الازہر امام اکبر جناب طنطاوی نے عراق میں مزاحمت کے نام پر عام لوگوں کو یا منتخب عراقی حکومت کے اہلکاروں کو مارنا حرام قرار دیا۔ اسی طرح مشہور عالم دین جناب شیخ القرضاوی نے بھی عراق میں عوام کو مارنے یا کسی بھی فرقے یا دین کے مقدس مقام پر حملہ کرنے کو غیر اسلامی فعل قرار دیا۔ شیخ قرضاوی نے الجزیرہ سے گفتگو کرتے ہوئے عراق میں نیپال کے ہندو مزدوروں کے قتل کو بھی ناجائز قرار دیا اور ان مزدوروں کو مستضعفین قرار دیا جو حصول رزق کے لئے کام کرتے تھے۔

اس سلسلے میں نجف اشرف میں موجود شیعہ مرجعیت اور مذہبی قیادت کا کردار بھی لائق ستائش رہا ہے۔ نجف کے علماء میں سب سے موثر اور قد آور شخصیت جناب آیت اللہ علی سیستانی کی ہے۔ انھوں نے ہمیشہ دہشتگرد حملوں کے رد عمل میں مشتعل شیعہ عوام کو سنی بھائیوں کے خلاف کسی طرح کے منفی اقدام سے روکنے کے لئے کئی بار فتاویٰ جاری کیے۔ 2004ء کے محرم (فروری۔ مارچ) میں عاشورہ کے موقع پر سفاک دہشتگردوں نے کاظمین میں اہل بیت کے مزارات مقدسہ اور کربلائے معلیٰ میں امام حسینؑ کے روضہ اقدس کے قریب زائرین کے جم غفیر میں دھماکے کرائے جن سے سینکڑوں لوگوں کی جانیں ضائع ہو گئیں۔

اس واقعے کے فوراً بعد آیت اللہ سید سیستانی نے فتویٰ جاری کیا اور شیعہ عوام کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ ان اندوہناک واقعات کے رد عمل میں کسی سنی مسلمان یا ان کی مساجد کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔ انھوں نے کہا کہ چند غیر ملکی گمراہ مذہبی عناصر کے مجرمانہ افعال کا ذمہ دار سنی بھائیوں کو کسی طرح بھی نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

ان دھماکوں کے بعد وسطی عراق میں رہنے والے شیعہ قبائل کے مشتعل رؤسا نے وفد کی صورت میں آیت اللہ سیستانی سے ملاقات کی اور ان سے اجازت طلب کی کہ وہ ان علاقوں کی سنی آبادیوں کے خلاف جوابی کارروائی کریں۔ آیت اللہ سیستانی سرداران قبائل کی اس بات پر نہایت غضبناک ہوئے اور ان سے کہا کہ

دہشت گردی: علمائے اسلام کا موقف

اگر دہشتگردوں کے ہاتھوں میرے سارے بیٹے بھی قتل ہو جائیں تب بھی میں اس طرح کے غیر اسلامی اقدام کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ (۶)

2007ء میں دہشتگردوں نے جب سامرا میں اہل بیت کے مزارات مقدسہ کو نشانہ بنایا اور رد عمل میں عراق کی مشتعل شیعہ آبادی نے سنی آبادیوں اور مساجد پر حملے کیے تو آیۃ اللہ علی سیستانی نے فوراً ایک فتویٰ جاری کرتے ہوئے دہشتگردوں کے اس گھناؤنے فعل کی پاداش میں سنی آبادی اور ان کی مساجد کو نشانہ بنانے کو سختی سے حرام قرار دیا اور مشتعل شیعوں کو ایسے غیر اسلامی اور غیر انسانی اقدامات سے روکا۔ اس موقع پر عراق کے دیگر علماء نے بھی میں اسی طرح کے فتوے صادر کیے۔ (۷)

عراق کے علماء اہل سنت نے بھی 2007ء میں ایک نیا وسیع البنیاد اتحاد تشکیل دیا تاکہ دہشتگردوں کے خلاف منظم ہو کر جدوجہد کرتے ہوئے عراق کے اہل تشیع کے ساتھ برادرانہ خوشگوار تعلقات کو استحکام بخشا جائے۔ اس اتحاد میں عراق کے تمام معروف علماء اہل سنت علماء نجف کے شانہ بشانہ سرگرم عمل ہیں۔ ہیئت علمائے عراق (Council of Iraqi Scholars) کے سربراہ علامہ شیخ عبدالملک السادی جو عراقی سنی عربوں کے سب سے مشہور اور قد آور عالم دین ہیں اس کونسل کے سربراہ اور شیخ احمد عبدالغفور السامرائی جو عراقی سنی اوقاف کے سربراہ ہیں اس کونسل کے ترجمان ہیں۔

## ۵- افغانستان کے علماء کا موقف

افغانستان کے علماء اہل سنت میں بھی بہت سارے علماء دہشتگردی اور جہاد کے نام پر بے گناہوں کو قتل کرنے کے خلاف بہت سخت موقف رکھتے ہیں اور اس سلسلے کو بند کرنے کی کوششوں میں پیش پیش ہیں۔ اس سلسلے میں قابل ذکر نام مولوی محمد اسلم بلخی کا لیا جاسکتا ہے۔ وہ مزار شریف افغانستان میں مدرسہ امام ابوحنیفہ کے مہتمم اور روضہ حضرت علیؑ میں امام جمعہ بھی تھے۔ شمالی افغانستان میں وہ سب سے قد آور سنی عالم دین تھے۔ انھوں نے فروری 2007ء میں دہشتگردی اور بدامنی کے خلاف شیعہ اور سنی علماء کا مشترکہ اجلاس طلب کیا تھا۔ وہ تیس سال سے درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ تھے۔ انھیں دہشتگردوں نے جون 2007ء میں شہید کر دیا۔

افغانستان کے سب سے نمایاں شیعہ عالم دین اور مرجع آیۃ اللہ آصف محسنی بھی دہشتگردی اور بے گناہ لوگوں کو قتل کرنے کے خلاف سخت موقف رکھتے ہیں۔ وہ اپنے فتاویٰ، دروس اور بیانات میں عالم اسلام میں چلنے والی دہشتگردی کی لہر کو روکنے کے لئے بہت زور دیتے ہیں۔ وہ افغانستان میں امن و آشتی اور قومی مصالحت کے علمبرداروں میں شمار ہوتے ہیں۔

آیۃ اللہ محمود ہاشمی ارزگانی افغانستان کے ممتاز شیعہ مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ایک

انٹرویو میں دہشت گردی کے بارے میں اپنے دینی افکار کا اظہار کیا ہے۔ اس انٹرویو میں انھوں نے خاص طور پر افغانستان، پاکستان اور عراق میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کے پس منظر میں اظہار خیال کیا ہے۔ سطور ذیل میں ان کے جوابات کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:

”یہ امر باعث افسوس ہے کہ اسلامی معاشروں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں خود سری پر مبنی کام کیے جا رہے ہیں۔ عراق، افغانستان اور پاکستان میں خود سری پر مبنی اور منطق سے عاری حرکتیں کی جا رہی ہیں جن کے نتیجے میں بے گناہ انسان قتل ہو رہے ہیں۔ شیعہ نقطہ نظر سے جہاد رسول اکرمؐ کے زمانے میں یا امام معصوم کے ہمراہ واجب ہے جن سے آدمی کو حکم حاصل کرنا چاہیے۔ البتہ اس میں استثنائی امور موجود ہیں مثلاً جب کسی سر زمین پر کافر تسلط جمالیں اور اس صورت میں جہاد دفاعی قرار پائے گا یا کوئی شخص اپنی جان، مال اور عزت کے دفاع میں حملہ کرے۔ اس صورت میں فیصلہ دفاع کرنے والے شخص نے کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی مورد میں اہل سنت کے نظریے کے مطابق اپنے وقت کے نظم سیاسی کی اطاعت کی جانا چاہیے اور کوئی شخص انفرادی طور پر خود سری کرتے ہوئے عمل کر سکتا ہے اور نہ فتویٰ جاری کر سکتا ہے۔ شیعہ نقطہ نظر سے بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ صرف دفاع کے موقع پر اقدام جائز ہے جیسا کہ روسیوں نے جب افغانستان پر قبضہ کر لیا تھا تو انھوں نے ایک اسلامی ملک پر حملہ کیا تھا اور اپنی مرضی کے افراد کو عوام پر مسلط کر دیا تھا جبکہ پاکستان اور افغانستان کے آج کے حالات ان دنوں کی نسبت بالکل مختلف ہیں لہذا اس صورت حال میں دینی تعلیمات کی رو سے ہم کسی کو حملہ کرنے کے لئے نہیں اکسا سکتے۔ باعث افسوس ہے کہ اسلامی ممالک کو ایسے افراد سے جنگ کے لئے بہت زیادہ اخراجات اور نقصانات برداشت کرنے پڑ رہے ہیں۔ وہ لوگ جو ایسے جنگی اقدامات کر رہے ہیں وہ جہالت کی وجہ سے اور منفی تربیت کر کے بے خبر جوانوں کو دین کے نام پر ایسے کاموں پر اکساتے ہیں اور ان اقدامات سے اسلام کا چہرہ مسخ کرتے ہیں۔ افغانستان اور پاکستان کے عوام غیروں کے تسلط میں نہیں رہنا چاہتے لیکن انتہا پسندی اور بے امنی غیروں کی موجودگی کا باعث بنتی ہے اور اس سے اسلامی معاشرے کے لئے ثقافتی اور اخلاقی طور پر برے نتائج نکلتے ہیں لہذا انتہا پسندی، عوام کی جانوں کو خطرے میں ڈالنے اور خود کش حملے جنھیں غلط طور پر شہادت کی طلب کہا جاتا ہے، ترک کر کے عوام کی اکثریت کا ساتھ دینا

چاہیے اور اسلامی ممالک میں غیر ملکی افواج کی موجودگی کے جواز کو ختم کرنا چاہیے۔“ (۸)

## ۶۔ چند دیگر اسلامی ممالک کے علما کا موقف

اومان کی اکثریت اباضی مسلک کی پیروکار ہے۔ اومان کے علاوہ اباضی ساحل زنجبار و تنزانیہ اور الجزائر کے قبائل میں بھی پائے جاتے ہیں۔ امت کے دیگر مسالک کی طرح اباضیہ بھی ناحق طور پر انسانی خون بہانے کو ناقابل معافی جرم قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی ہر انسان کو جینے کا حق حاصل ہے اور کوئی بھی شخص اگر کسی انسان کو ناحق طور پر مارے گا تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ان کے علماء کے مطابق جنگ کی صورت میں صرف ان مردوں کو مارا جاسکتا ہے جو جنگ میں مخالفت میں صف آرا ہوں۔ دیگر تمام مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو مارنا ان کے نزدیک حرام ہے۔

اباضیہ کے علماء اتحاد بین المسلمین کے زبردست حامی ہیں اور بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کو متحد کرنے کی ہر کوشش میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ سلطنت اومان کے مفتی عام علامہ شیخ احمد بن حمد خلیلی جو اباضیہ کے بڑے علماء میں سے ہیں، بھی امن و آشتی کے حامی اور اتحاد المسلمین کے بہت بڑے داعی ہیں۔ وہ اس مقصد کے لئے ایران، شام، اردن، قطر، سعودی عرب وغیرہ کا دورہ کر چکے ہیں۔ اعلان عمان جو اس کتاب میں شامل ہے میں بھی سلطنت اومان کے مفتی اعظم کے فتویٰ کا ذکر موجود ہے جس سے ان کے دہشت گردی کے خلاف عالم اسلام کے موقف کی مطابقت وہم آہنگی معلوم ہوتی ہے۔ (۹)

یمن میں مسلک زیدیہ سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت آباد ہے۔ زیدی علماء نے اپنی کتب، فتاویٰ اور بیانات میں بار بار دہشت گردی اور بے گناہ انسانوں پر کیے جانے والے خودکش حملوں کی مذمت کی ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کے مابین اخوت و اتحاد پر بہت زور دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر مذاہب فقہ کے ساتھ اعلان عمان میں زیدی مراجع کے فتاویٰ کا بھی بطور تائید ذکر کیا گیا ہے۔ (۱۰)

لبنان کے ممتاز شیعہ عالم آیتہ اللہ محمد حسین فضل اللہ کا کہنا ہے کہ تشدد کے بارے میں اسلام کی تعریف ایک انسانی اور وہی تعریف ہے جو دنیا کی دوسری تہذیبوں میں کی جاتی ہے۔ ہم یہاں پہلے اس کا فردی پہلو بیان کریں گے۔ انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ بغیر کسی سبب کے کسی دوسرے انسان حتیٰ کہ اپنے بچوں تک کو زد و کوب کرے۔ اسلام کسی ایسے شخص کو زد و کوب کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا جو آپ کے خلاف صرف بدزبانی کا مرتکب ہوا ہو۔ بجز اپنے دفاع کے کسی انسان کو قتل یا زخمی کرنا اسلام میں جائز نہیں۔ اسی طرح صرف اسی صورت میں کسی دوسرے کے خلاف جنگ کی ابتدا کرنا جائز ہے جب خود اپنے دفاع اور تحفظ کی بات آ پڑے۔ (۱۱)

دہشت گردی: علمائے اسلام کا موقف

## حواشی

- ۱۔ (النساء ۴: ۱۲۷)
- ۲۔ (october27th,2008.http//www.newsurdu.net/articles/category/habib-ullah-salfi/)
- ۳۔ (http://abna.ir/data.asp?id=117871&lang=6) مورخہ 28-08-2008
- ۴۔ http://www.millat.com/com/news.php?id=6024
- ۵۔ (http://www.urdutimes.in/story.php?catId+7&ID+17113) مورخہ 8 نومبر 2008
- ۶۔ [www.wiki-me.com.uk # the shia revival by vali nazr#]
- ۷۔ [Dahr jamails mideast dispatches http %/ dahrjamailliraq.com/ who-benefits]
- ۸۔ (http://pashtu.trib.ir/index.php?option=com\_content&task=view&id=3904&Itemid=132)
- ۹۔ (www.ibfdhiyah.net)
- ۱۰۔ [www.al-majalis.com]
- ۱۱۔ (www.Bayynat.ir)



باب ہشتم:

## انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

ثاقب اکبر

انتہا پسندی اور دہشت گردی کی لہر نے اکیسویں عیسوی صدی کے آغاز میں دنیا کو تیز رفتاری سے زیر و زبر کرنا شروع کر دیا۔ ویسے تو یہ سلسلہ پہلے سے ہی جاری تھا اور گذشتہ صدی کو انسانیت کے لئے سکون و طمانیت کی صدی قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن موجودہ صدی کے آغاز میں دہشت گردی کے نئے اور خوفناک روپ سامنے آئے۔ گذشتہ صدی میں جن قوتوں کے مابین عالمی جنگیں ہوئی تھیں ان میں سے کئی ایک عالمی سطح پر آپس میں اتحادی بن گئیں۔ یورپ کا بڑا حصہ یورپین یونین کے نام پر ایک ہو گیا۔ نیٹو میں جرمنی، فرانس اور برطانیہ ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے۔ سرد جنگ کا ایک طرف کا محاذ بھی بظاہر تحلیل ہو گیا۔ لیگ آف نیشنز کی ناکامی کی راکھ سے اقوام متحدہ کی نئی عمارت تعمیر کر لی گئی۔ جمہوریت، آزادی اور انسانی حقوق کے زمزمے گونجنے لگے لیکن شادیانوں کی اوٹ سے گھن اور گرج کی صدائیں سنائی دیتی رہیں۔ طرح طرح کے نظریے جنم لینے لگے۔ سرد جنگ کے خاتمے کا اعلان کرنے والوں نے کہا کہ دنیا اب دو قطبی سے یک قطبی ہو گئی ہے۔ بعض سادہ دلوں نے اسے امن کی نوید جانا۔ کسی نے ”تاریخ کے خاتمے“ کا اعلان کیا چونکہ اس کی رائے میں تاریخ کشمکش سے جنم لیتی ہے اور کشمکش کا دور سوویت یونین کے انقراض اور بکھر جانے سے لگ گیا ہے۔ انسانیت کی آنکھوں میں امید کی نئی کرنیں جگمگانے کو تھیں کہ ”تہذیبوں کے تصادم“ کا نظریہ صفحہ سیاست پر دھمک کی صورت میں آ پڑا۔ امریکی پروفیسر سیمونل ہیننگٹن کے اس نظریے پر لے دے ابھی شروع ہی ہوئی تھی کہ 11 ستمبر کے دل دہلا دینے والے سانحے نے جنم لیا۔ پھر کیا تھا ساری دنیا گویا انتہا پسندی اور دہشت گردی کے دھوئیں سے اٹ گئی۔ دھواں، وہ بھی بارود کا ہو تو بیچ اور جھوٹ کی تمیز کہاں رہتی ہے۔ 9/11 ہو یا 7/7 جو نام سامنے آئے وہ مسلمان گھرانوں سے تعلق

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

رکھتے تھے۔ جن ملکوں سے اُن کا تعلق جڑا وہ عالم اسلام کے اہم ممالک تھے۔ پھر کیا تھا مسلمان ہی دہشت گرد قرار نہ پائے اسلام کا تعلق بھی انتہا پسندی اور دہشت گردی سے جڑ گیا۔ مغرب کے ذرائع ابلاغ نے انتہا گردی، مشرق میں بھی سنجیدگی اور متانت کا وہ اظہار کم ہوا۔ جس کا دعویٰ ”شناخوان تقدیس مشرق“ کرتے رہے ہیں۔

تاہم اس تصویر کا دوسرا حصہ بھی ہے کیونکہ یہ تصویر یک قطبی نہیں ہے۔ دونوں طرف حوصلہ مند اور حقیقت شناس لوگ موجود تھے اور آج بھی ہیں۔ انھوں نے دنیا کو حق شناسی کی دعوت دی۔ انھوں نے تصادم کے بجائے مکالمے کی بات کی، جنگ کے بجائے امن کی راہ تجویز کی، گمراہ ہوتی دنیا کو سیدھے راستے کی رہنمائی کی اور دھند اور دھول کے اُس پار صاف افق کا پتہ دیا۔ انھوں نے مختلفات کے بجائے مشترکات پر زور دیا اور انسانیت کے مشترک مفادات اور میراث کے تحفظ کے لئے مل جل کر جدوجہد کرنے کی دعوت دی۔

اس سلسلے میں عالم اسلام میں سیاسی، مذہبی، ثقافتی اور علمی سطح پر کئی ایک اقدامات کیے گئے۔ ان میں سے بعض کے تاریخ ساز ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس مختصر سی دستاویز میں ہم ان تمام اقدامات کا احاطہ نہیں کر سکتے لیکن چند ایک کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں تاکہ انسانی تاریخ کے اس مشکل دور میں عالم اسلام کے ذمہ دار حلقوں کی فرض شناسی کا کچھ اظہار ہو سکے۔ ممکن ہے بعض طریقوں، عبارتوں اور اصطلاحوں سے اختلاف کی گنجائش ہو لیکن اسلام اور مسلمانوں کے دفاع میں ان اور ان جیسے اقدامات کی اہمیت اور تاثیر سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اس باب میں ہم مندرجہ ذیل اسلامی ممالک کے اہم اقدامات کا جائزہ پیش کر رہے ہیں:

۱۔ مملکت سعودی عرب

۲۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان

۳۔ اسلامی جمہوریہ ایران

۴۔ مملکت اردن

## ۱۔ سعودی اقدامات

### مذہب و ادیان کے مابین مکالمہ امن

انتہا پسندی کے حوالے سے اسلامی موقف واضح کرنے کے لئے سعودی عرب کے شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے 2007ء میں عالمی سطح پر نمایاں کوششوں کا آغاز کیا۔ ان کی مساعی کے مثبت اثرات پوری دنیا میں محسوس کیے گئے۔ سعودی عرب کا اقدام کئی پہلوؤں سے خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اول یہ کہ سعودی عرب عالم اسلام کا روحانی مرکز ہے۔ حرمین شریفین کی اس سرزمین پر موجودگی نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس سے وابستہ کر رکھا ہے۔ اسی وجہ سے سعودی حکومت اور حکمرانوں کو عالم اسلام میں ایک خاص طرح کا تقدس بھی حاصل ہے۔ ثانیاً

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

سعودی عرب اس وقت تک دنیا کا سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا ملک ہے۔ مالی لحاظ سے اس کی خوشحالی کی وجہ سے دنیا میں اس کا کردار زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ سعودی عرب عالم اسلام کے بعض ملکوں کی مدد بھی کرتا ہے۔ دنیا بھر میں دینی مدارس اور مساجد کے لئے حکومت اور غیر حکومتی سعودی افراد مالی امداد فراہم کرتے رہتے ہیں۔ قرآن حکیم کی عالمی سطح پر اشاعت کا سلسلہ سرکاری طور پر جاری رہتا ہے۔ ثالثاً 11 ستمبر کو امریکہ میں ہونے والے واقعے سے لے کر دنیا میں ہونے والے دہشتگردی کے دیگر اہم واقعات میں بعض سعودی شہریوں کے نام سامنے آتے رہے ہیں۔ خاص طور پر القاعدہ کی بنیاد ہی ایک سعودی شہری نے رکھی ہے اگرچہ ان واقعات کو سرکاری سرپرستی حاصل نہیں ہے اور سعودی حکومت اپنی سرزمین پر دہشت گرد عناصر کے خلاف مسلسل مصروف عمل ہے اور اس کا عالمی موقف بھی دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف ہے۔

### بین المذاہب مکالمہ کانفرنسوں کا سلسلہ

2008ء میں شاہ عبداللہ نے بین المذاہب مکالمہ کانفرنسوں کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کا آغاز مکہ میں بین المذاہب مکالمہ کانفرنس سے ہوتا ہے۔ اس میں صرف عالم اسلام سے سیاسی و مذہبی شخصیات کو مدعو کیا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ پہلے مرحلے میں عالم اسلام کے مابین اتحاد و اخوت کا پیغام دیا جائے علاوہ ازیں انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف دنیا تک عالم اسلام کا اجتماعی پیغام پہنچایا جائے۔

### مکہ میں بین المذاہب مکالمہ کانفرنس

جون کے پہلے ہفتے میں مکہ میں سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی دعوت پر الصفا پبلس میں تین روزہ بین المذاہب مکالمہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پورے عالم اسلام سے 1235 غیر ملکی مہمانوں کے علاوہ 500 اسلامی دانشوروں اور جید علماء نے شرکت کی۔ ایران کے سابق صدر اور دو اہم ترین آئینی اداروں کے سربراہ علی اکبر رفسنجانی، مؤتمر عالم اسلامی کے سربراہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ، مفتی الازہر ڈاکٹر محمد طنطاوی، ورلڈ مسلم لیگ کے سربراہ عبداللہ عبدالرحمن الترمکی، پاکستان سے امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد اور دیگر بہت سے مسلمان اکابرین اس میں شامل تھے۔ یہ کانفرنس اس لحاظ سے بڑی اہم ہے کہ اس کے ذریعے بین المذاہب مکالمے کے حوالے سے امت اسلامیہ کے اجتماعی موقف کا اظہار ہوا کیونکہ اس میں عرب و عجم، شیعہ و سنی اور کسی بھی دوسری تفریق سے ہٹ کر اجتماعی طور پر عالم اسلام اور مسلمانوں کی مکمل نمائندگی دیکھنے کو ملی۔ اس کانفرنس کی دعوت سعودی عرب کے شاہ عبداللہ نے خاص طور پر خود جاری کی تھی اور اس کا اعلان انھوں نے ذاتی طور پر کیا تھا۔ اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سعودی فرمانروا نے کہا کہ مسلمانوں کو اس وقت کئی بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

جن سے نمٹنے کے لئے مسلم امہ کو حکمت عملی پر توجہ دینا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آج اکٹھے ہو کر دنیا کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ ہم انصاف، اخلاقی اقدار، بقائے باہمی اور بامقصد مذاکرات کے حق میں ہیں۔ دشمنان اسلام کے علاوہ انتہا پسند بھی مسلمانوں کی ساکھ کو بدنام کرنے کے لئے ناپاک کوششیں کر رہے ہیں۔ اس کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ دنیا کے تمام بڑے ادیان کے نمائندوں کی ایک کانفرنس میڈرڈ میں منعقد کی جائے گی۔ (۱)

## شاہ عبداللہ کا دورہ ویٹی کن

شاہ عبداللہ نے مناسب سمجھا کہ میڈرڈ کانفرنس سے قبل وہ ویٹی کن کا دورہ کریں۔ وہاں انہوں نے کیتھولک چرچ کے سربراہ پوپ بینیڈکٹ سے ملاقات کر کے انہیں مسلم دنیا کی طرف سے امن اور دوستی کی پیش کش کی۔ اس موقع پر دونوں رہنماؤں کے مابین تحائف کا تبادلہ بھی کیا گیا۔ اس دورے کو عالمی سطح پر بہت اہمیت دی گئی۔ 2006ء میں پوپ بینیڈکٹ کے بارے میں عالم اسلام میں اس وقت شدید رد عمل ہوا تھا جب انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں کچھ متنازعہ ریمارکس دیے تھے۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے دورہ ترکی کے موقع پر خود ان ریمارکس پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ عالم اسلام کی کئی ممتاز شخصیات ویٹی کن کا دورہ کر چکی ہیں جو اپنے مقام پر اہمیت رکھتی ہیں لیکن بعض وجوہ کی بنیاد پر شاہ عبداللہ کے دورے کی خاص اہمیت ہے۔ اس سلسلے میں خلیج ٹائمز کے ادارتی صفحہ کے مدیر اور کالم نگار اعجاز ذکا نے اپنے ایک مضمون میں تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”صلیبی جنگوں اور اسلام اور عیسائیت کے پیروکاروں کے درمیان کشیدہ تعلقات کی طویل تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو شاہ عبداللہ کا کام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ سعودی عرب کا یہ بادشاہ بہت سے حوالوں سے غیر روایتی انداز کا حامل ہے۔ بڑھاپے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے شاہ عبداللہ نے بارہا عام ڈگر سے ہٹ کر بھی عربوں اور خصوصاً سعودی عرب والوں کے بارے میں مغرب میں پائے جانے والے دقیانوسی تصورات کے خاتمے کے لئے دنیا تک پہنچنے کی کوشش کی۔۔۔ ان کے دورے نے دونوں ابراہیمی مذاہب کے درمیان تعلقات کے ایک نئے دور کا آغاز کر دیا جن میں بہت کچھ مشترک ہے لیکن دونوں ایک دوسرے کے ساتھ شاید ہی کبھی امن کے ساتھ رہے ہوں گے۔“ (۲)

## میڈرڈ کانفرنس برائے مکالمہ بین المذاہب

سعودی فرماں روا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی دعوت پر میڈرڈ میں 16 تا 18 جولائی 2008ء کو عالمی

کانفرنس بین المذاہب برائے مکالمہ منعقد ہوئی۔ اس میں اسلام، عیسائیت، یہودیت، ہندومت اور بدھ مت سے تعلق رکھنے والے وفد نے شرکت کی۔ یہ کانفرنس سپین کے رائل الپراڈو پیلس میں منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس اس لحاظ سے اپنی نوعیت کی پہلی بین الاقوامی کثیر العقائد کانفرنس تھی کہ اسے ایک مسلم عرب رہنما نے بلایا تھا، وہ بھی ایسا رہنما جسے حریم شریفین کی تولیت کی وجہ سے عالم اسلام میں ایک خاص مقام اور احترام حاصل ہے۔ کانفرنس کے انتظامات کی ذمہ داری موثر عالم اسلامی کے سپرد تھی۔

### شاہ عبداللہ کا افتتاحی خطاب

میڈرڈ کانفرنس سے 85 سالہ سعودی فرماں روا کا افتتاحی خطاب بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں کانفرنس کے مقاصد کو بہت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ دیگر مذاہب کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ بھی اس میں آگیا ہے۔ شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے کہا:

”شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنی مقدس کتاب میں بتایا ہے ”اے بنی نوع انسان! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قبیلوں اور گروہوں میں بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو جان سکو۔ بے شک اللہ کی نظر میں تم میں سب سے زیادہ محترم وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔“

اور ہمارے پیغمبر محمدؐ اور ان سے پہلے آنے والے تمام انبیا اور پیغمبروں پر خدا کی رحمت ہو۔

عزت مآب، میرے دوست، شاہ سپین جان کارلوس!

عزیز دوستو! میں آپ سب کو خوش آمدید کہتا ہوں اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ سب ہماری دعوت پر اس مکالمے میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ آپ لوگ انسانیت کی خدمت کے لئے جو کوششیں کر رہے ہیں، میں ان کی قدر کرتا ہوں۔ میں اپنے دوست شاہ جان کارلوس، سپین کی سلطنت اور یہاں بسنے والے مہربان لوگوں کا ممنون ہوں جنہوں نے اپنی سرزمین پر اس کانفرنس کے انعقاد کا خیر مقدم کیا۔ یہ سرزمین تمام مذاہب کے پیروکاروں کے لئے تاریخی اور تمدنی ورثہ رکھتی ہے اور اس نے مختلف نسلوں، ثقافتوں اور مذاہب کے لوگوں کو یہاں مل جل کر رہتے دیکھا ہے۔ یہ سرزمین دیگر تہذیبوں کے ساتھ بھی انسانیت کی ترقی میں مددگار ثابت ہو چکی ہے۔

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

پیارے دوستو! میں ایک ایسی جگہ سے آپ کے پاس آیا ہوں جو تمام مسلمانوں کے لئے محبوب ترین ہے یعنی حرمین الشریفین، میں وہاں سے مسلم دنیا کا ایک پیغام بھی لایا ہوں جو اس کے علما اور مفکرین نے حال ہی میں خانہ خدا میں اکٹھے ہونے کے بعد دیا ہے۔ یہ پیغام اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ اسلام اعتدال پسندی اور تحمل کا مذہب ہے۔ یہ پیغام تمام مذاہب کے ماننے والوں کے مابین تعمیری مکالمے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ پیغام اس عزم کا اظہار کرتا ہے کہ انسانیت کے لئے ایک نیا باب کھولا جائے گا جو انشاء اللہ اختلاف کی جگہ اتفاق قائم کرے گا۔

عزیز دوستو! ہم سب ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں جس نے اس دنیا اور آخرت میں بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے پیغمبر بھیجے، جس کے لئے تمام تعریفیں ہیں اس کی یہ مرضی تھی کہ لوگ اپنے عقائد میں مختلف ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس وقت تمام انسانوں کا ایک ہی مذہب ہوتا۔ ہم آج یہاں ثابت کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی خوشی کے لئے جو مذاہب چنے ہیں انھیں خوشی کا باعث ہی رہنا چاہیے۔ لہذا ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم دنیا کو بتادیں کہ اختلافات کو تنازعات اور تصادم میں تبدیل نہیں ہونا چاہیے اور یہ بھی واضح کریں کہ انسانی تاریخ میں جو سانچے ہو چکے ہیں ان کی بنیاد مذہب نہیں تھا بلکہ وہ ایک ایسی انتہا پسندی کا نتیجہ تھے جس میں تمام آفاقی مذاہب اور تمام سیاسی نظریات کے ماننے والوں میں سے کچھ لوگ ملوث رہے ہیں۔

بنی نوع انسان اقدار کے اس انحطاط اور نظری پرانگندگی کا شکار ہے اور ایک ایسے نازک دور میں سے گزر رہے ہیں جس میں تمام تر سائنسی ترقی کے باوجود جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے، دہشت گردی زوروں پر ہے، خاندان منتشر ہو رہے ہیں، نوجوان نسل منشیات میں ڈوب کر بھٹک رہی ہے، امیر غریب کا استحصال کر رہا ہے اور نسلی بنیادوں پر غلیظ رجحانات پروان چڑھ رہے ہیں۔ یہ سب اس روحانی خلا کا نتیجہ ہے جو لوگوں میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ خدا کو بھول جاتے ہیں اور تب خدا ایسا کرتا ہے کہ وہ خود کو بھی فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ ہمارے پاس اس صورتحال کا اس کے سوا کوئی اور حل نہیں ہے کہ ہم سب مذاہب اور تہذیبوں کے مابین مکالمے کے ذریعے ایک متحدہ نقطہ نظر پر متفق ہو جائیں۔

پیارے ساتھیو! ماضی میں اس طرح کے مذاکرات میں سے بیشتر ناکام رہے ہیں کیونکہ وہ

غلط زخ اختیار کر کے ایک دوسرے پر الزام تراشی اور اختلافات پر توجہ مرکوز کرنے اور انہیں بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی طرف چلے گئے تھے جس سے کشیدگی کم ہونے کے بجائے مزید بڑھ گئی یا شاید ان کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ ان میں مذاہب اور عقائد کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے بہانے انہیں ایک دوسرے میں ضم کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن یہ ایک بے ثمر کوشش ہے کیونکہ ہر مذہب کے پیروکار اپنے عقیدے پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور اس کے متبادل کے طور پر کوئی بات تسلیم نہیں کریں گے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ یہ تاریخی اجلاس کامیابی سے ہمکنار ہو تو ہمیں چاہیے کہ ان باتوں پر توجہ دیں جو ہمارے درمیان مشترک ہیں اور ہمیں ایک دوسرے کے قریب لاتی ہیں یعنی خدا پر پختہ ایمان، اعلیٰ اصول اور ارفع اخلاقی قدریں۔ یہ باتیں مذہب کا نچوڑ ہوتی ہیں۔

پیارے دوستو! ہو سکتا ہے انسان اس گڑبگڑ اور اس پر موجود ہر چیز کی تباہی و بربادی کی وجہ ہو لیکن وہ اسے امن و آشتی کے نخلستان میں بدلنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے جس میں لوگ مختلف مذاہب، فلسفیانہ نظریات اور عقائد کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوئے اکٹھے رہ سکتے ہیں اور جہاں ایک دوسرے کے احترام کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں اور اپنے مسائل کو تشدد کے بجائے بات چیت سے حل کر سکتے ہیں۔

اللہ کے کرم سے انسان میں نفرت کو محبت کے ذریعے، مکر اور تنگ نظری کو تحمل و بردباری کے ذریعے ختم کرنے کی صلاحیت بھی ہے جو تمام بنی نوع انسان کو اس عظمت سے لطف اندوز ہونے کے قابل بناتی ہے جو خدا نے سب انسانوں پر نازل کی ہے۔

عزیز دوستو! آئیں ہم اس مکالمے کو ایمان کی کفر پر، خیر کی شر پر، انصاف کی ظلم پر، امن کی جنگوں اور تنازعات پر اور انسانی اخوت کی نسل پرستی پر فتح کی علامت بنا دیں۔

ہم نے اللہ کے نام سے آغاز کیا ہے اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ میں ایک بار پھر آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں اور اپنی ممنونیت کا اظہار کرتا ہوں۔

آپ کا شکر یہ۔ والسلام“ (۳)

## جنرل اسمبلی میں بین المذاہب کانفرنس

جولائی 2008ء میں اسپین میں منعقد ہونے والی میڈرڈ کانفرنس میں سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ نے تجویز

پیش کی کہ تہذیبوں کے درمیان ایک مکالمہ امن کانفرنس اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں منعقد کی جائے۔ اسلام، عیسائیت، یہودیت، بدھ مت اور ہندومت کے ماننے والے ممالک کی نمائندگی کرنے والے وفد نے اس تجویز کی حمایت کی۔ اسی کے نتیجے میں 12، 13 نومبر 2008ء کو نیو یارک میں اقوام متحدہ کے دفاتر میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں شاہ عبداللہ کے علاوہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بانکی مون، امریکی صدر جارج بوش، پاکستان کے صدر آصف علی زرداری، افغانستان کے صدر حامد کرزئی، ایران کے صدر ڈاکٹر محمود احمدی نژاد، اسرائیل کے صدر شمعون پیریز سمیت ستر ممالک کے صدور اور وزرائے اعظم، وزرائے خارجہ اور سفیروں نے شرکت کی۔ کانفرنس کے آخری مرحلے میں ایک مشترکہ قرارداد منظور کی گئی جسے کانفرنس کے اختتام پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بانکی مون نے سعودی عرب کے وزیر خارجہ سعود الفیصل کے ساتھ یو این او میں ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں پڑھ کر سنایا۔ اس میں مذاہب کے نام پر معصوم لوگوں کے خون بہانے اور دہشت گردی اور تشدد کی مذمت کی گئی۔ قرارداد میں کہا گیا ہے کہ کوئی بھی مذہب بے گناہ لوگوں کا خون بہانے اور دہشت گردی اور تشدد کی اجازت نہیں دیتا اور کانفرنس کے شرکاء نے تمام مذاہب اور عقائد سے تعلق رکھنے والی اقلیتوں پر روا رکھے جانے والے امتیازی سلوک، عدم برداشت، نفرت انگیز اظہار اور انھیں ہراساں کیے جانے کے واقعات پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے تمام انسانوں، مختلف مذاہب و عقائد اور تہذیبوں کے درمیان مکالمے، رواداری، برداشت اور مفاہمت کی اہمیت پر زور دیا۔ قرارداد میں کہا گیا ہے کہ جنرل اسمبلی تہیہ کرتی ہے کہ مختلف مذاہب و عقائد کے درمیان رواداری اور مکالمے میں امن کی ثقافت کی ترویج اور انسانی حقوق کا احترام قائم کرنے کے لئے مذہبی رہنماؤں، سول سوسائٹی اور ممالک کی طرف سے کی جانے والی کوششوں کی حمایت اور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ (۴)

## پاکستان میں سعودی سفیر کا اظہار خیال

انتہا پسندی کے خلاف سعودی اقدامات کا ذکر کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں سعودی سفیر کے اُس خطاب کا ایک حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے جو انھوں نے اسلامی نظریاتی کونسل کے زیر اہتمام 3 فروری، 2009ء کو منعقد ہونے والی سفر کی گول میز کانفرنس میں کیا۔ اُن کی یہ تقریر نہایت اہم نکات کی حامل ہے۔ انھوں نے کہا:

”یہ بیان کرنا مبالغہ آمیزی نہیں ہوگی کہ مسلم امہ اس وقت ان مسائل کی وجہ سے دنیا کی توجہ کا مرکز بن گئی ہے جن کے بارے میں یہ گمان ہے کہ وہ اسلامی دنیا سے جنم پا رہے ہیں۔ یہ مسائل تنہا مسلمانوں کے پیدا کردہ نہیں ہیں لیکن اس کے نتائج بھگتنے کے لئے مسلم امہ ہی کا انتخاب کیا گیا ہے۔“

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات



دنیا میں ہر شخص مسلمانوں کے اس چھوٹے سے طبقے کے بارے میں بات کرتا ہے جس نے مسائل کے حل کے لئے تشددانہ طریق کار کو اختیار کیا ہوا ہے۔ غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ مسلم امہ عموماً اپنے مسائل کو حل کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کرتی ہے۔ سچائی سے کوئی بھی چیز بالاتر نہیں ہو سکتی۔ یہ ان مسلمانوں کی اکثریت کے نقطہ نظر کی بڑے پیمانے پر غلط تشریح ہے۔ جن کا دین انہیں دنیا کے دیگر مذاہب اور عقائد کے ساتھ پر امن طور پر اور ہم آہنگی کے ساتھ رہنے کا درس دیتا ہے۔ قرآن پاک کا غالب نظریہ امن و سلامتی ہے۔ بشرطیکہ کوئی ظلم و جبر یا ناانصافی نہ ہو۔ قرآن پاک کے مطابق مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات امن، اعتماد، رواداری اور باہمی عزت و احترام پر مبنی ہیں۔ اسلام مذہب اور عقائد سے قطع نظر، بے گناہ لوگوں کو قتل کرنے سے منع کرتا ہے۔ قرآن پاک میں واضح طور پر یہ حکم دیا گیا ہے ”دین میں کوئی جبر نہیں ہے“ اور مسلمانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں لوگوں پر جبر نہ کریں مگر یہ کہ وہ اپنی مرضی سے دین اسلام کو قبول کریں۔ اس سے اسلام کی صحیح روح کی عکاسی ہوتی ہے۔

اسلام مسلمانوں سے یہ کہتا ہے کہ وہ اپنا دفاع کریں اور ساتھ ہی اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ وہ جارح نہ بنیں۔ اسلام میں جنگ و امن کے حالات میں مسلمانوں کے لئے ضابطہ اخلاق کے اصول موجود ہیں۔ مسلمانوں کے لئے حالت جنگ و امن میں ہمدردی اور برداشت دین اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ہیں۔ قرآن پاک اس بات پر زور دیتا ہے: ”ایک شخص کا ناحق قتل پوری انسانیت کا قتل ہے اور کسی ایک شخص کی جان بچانا پوری انسانیت کی جان بچانے کے مترادف ہے“۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ گمراہ ذہن رکھنے والوں کے منصوبوں کی وجہ سے بھٹک نہیں گیا۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلم دنیا ایک طریق کار وضع کرے جس کے تحت لوگوں کے گمراہ طبقے کو منطقی دلائل کے ذریعے راہ راست پر لایا جائے۔ سعودی عرب میں ہم نے، انسداد دہشت گردی کی ایک نزم حکمت عملی وضع کی ہے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد پر اس حکمت عملی کا اطلاق کر کے انہیں تشدد کے رجحان سے روکا گیا ہے۔ اس حکمت عملی سے ایسے لوگ جو اسلام کے صحیح راستے سے بھٹک گئے تھے اور پر تشدد رویہ رکھتے تھے انہیں صحیح راستے پر لانے میں بھی کامیابی حاصل ہوئی اور ایسے لوگ ایک بار پھر سعودی معاشرے کے امن پسند شہری بن گئے ہیں۔

انسداد دہشت گردی کی حکمت عملی کے بنیادی خاکے کا انحصار درج ذیل رہنما اصولوں پر ہے:-

- (۱) روک تھام
- (۲) تربیت کے ذریعے سدھارنا
- (۳) سدھارنے کے بعد دیکھ بھال

دیگر وجوہات کے علاوہ جن کے سبب سعودی انسداد دہشت گردی کی حکمت عملی کو کامیابی حاصل ہوئی اس اصول کے گرد گھومتی ہے کہ محض طاقت کے ذریعے ان لوگوں کے دل و دماغ نہیں جیتے جاسکتے جن کے اذہان کو گمراہ لوگوں نے اپنے قبضے میں لے رکھا ہے۔ دہشت گردی کی سرگرمیوں کے سدباب کے لئے مشترکہ طور پر مؤثر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایسے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے جس سے گمراہ ذہن کو صحیح راستے پر لایا جاسکے۔ یہ ایک نسخہ ہے جسے سعودی عرب میں استعمال میں لایا گیا۔ سعودی عرب اور دیگر مسلم ممالک کے درمیان مذہبی، ثقافتی، سماجی اور دیگر حوالے سے باہم طور پر بہت زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم سعودی ماڈل کے کچھ اقدامات کو اختیار کریں اور ہر ملک ان اقدامات کو اپنے حالات کے مطابق تبدیلیاں کر کے استعمال میں لائے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ہر ملک کو مقامی طور پر وضع کردہ ماڈل کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے اپنے مخصوص تقاضوں اور مقاصد کے لیے موزوں ہو۔

انتہا پسندی کی اس آفت کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی دلائل موجود ہیں لیکن اس کے ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ان وجوہات پر بھی غور کیا جائے جو پر تشدد رویے کو تشکیل دیتے ہیں۔ درحقیقت اس معاملہ میں ہمیں ظاہری حدود سے ماورا دیکھنا ہوگا۔ یہ لوگوں کی مختلف اقسام کی ان محرومیوں پر غور کرنے کا معاملہ ہے جن کا دنیا کی آبادی خصوصاً ترقی پذیر دنیا کی آبادی بشمول اسلامی دنیا کو بڑے پیمانے پر سامنا ہے۔ یہ معاملہ ان لاکھوں کروڑوں لوگوں کا ہے جن کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے سکول بھیجنے کے مواقع حاصل نہیں ہیں اور جو نتیجتاً گمراہ لوگوں کا مطلوب ہدف بن جاتے ہیں۔ یہ معاملہ ہماری آبادی کے ان طبقوں کا ہے جنہیں خوراک کی قلت کا سامنا ہے اور جو سہولیات سے محروم ہیں۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں ان لوگوں کے لئے بہت احساس رکھنے کی ضرورت ہے جو اپنے خاندان کا سماجی طور پر اور صحت کے حوالے سے خیال نہیں رکھ سکتے اور مسلسل تکالیف کا سامنا کرتے ہیں، ان وجوہات کی وجہ سے جو ان کی بس میں نہیں ہوتیں مثلاً بچوں کی

خراب صحت اور خواتین کی شرح اموات۔ یہ بڑھتی ہوئی بے روزگاری کا معاملہ ہے۔ جو ظاہری نظام پر اعتماد کا خاتمہ کرنے اور اضطراب پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ امتیاز کسی بھی نوعیت کا ہو، بے سکونی اور بے اطمینانی کو جنم دیتا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ سماجی، سیاسی اور ثقافتی مسائل جن کا دنیا کی ایک بڑی آبادی کو سامنا ہے، کو فوری طور پر حل نہ کر کے ہم نے صرف ان اسباب کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے جن کی وجہ سے انتہا پسندی اور اس کے طرز عمل میں مزید اضافہ ہوتا رہا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ جہالت کے خلاف جنگ کر کے ہی ہم نجات پاسکتے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ بنی نوع انسان کی ضروریات کو ملحوظ نظر رکھ کر ہی ہم دہشت گردی کے عذاب کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ چیزیں اور مزید کئی چیزیں اس ذہنی رجحان کو تشکیل دیتی ہیں جو مسلم امہ اور پوری دنیا میں بے چینی پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ دنیا کو اس سلسلے میں انتہا پسندی کے مسئلہ کے ایک جامع حل پر غور کرنے کے لئے سنجیدہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس سلسلے میں اس طریق کار اور ذرائع کے بارے میں غور و فکر کرنا چاہئے جن کے ذریعے دنیا کی آبادی کے ایک بڑے طبقے کی محرومیت کے مسئلے کو حل کیا جاسکے۔ مسلمان ممالک کو اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے تاکہ دنیا میں انصاف اور مساوات قائم ہو اور امتیاز کی بنیاد کا خاتمہ کیا جاسکے اور تمام لوگوں کے ساتھ دنیا کے مساوی شہری کے طور پر سلوک کیا جاسکے۔ ان بنیادی وجوہات کے خاتمہ کے لئے جو انتہا پسندی اور پر تشدد رویے کو جنم دیتی ہیں ایک ٹھوس موقف اختیار کرنے کے لیے تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔ فلسطین کو چاہئے کہ وہ ریاستی دہشت گردی کے ذریعے خون بہانے کے نہ ختم ہونے والے سلسلے کی اجازت نہ دے اور فلسطین کے لوگوں کے ساتھ کسی دیگر ملک کے شہری سے کمتر انداز میں سلوک نہیں کیا جانا چاہئے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ دنیا کے ان دیگر مسائل پر بھی بات کی جائے جو پر تشدد رویے اور طرز عمل کو جنم دیتے ہیں۔

اگر دنیا میں امن کا مقصد حاصل کرنا ہے تو یہ بہت ضروری ہوگا کہ تمام مذاہب کے لوگ ہم آہنگی کے ساتھ رہنا سیکھیں۔ ان مذاہب کے رہنماؤں، حکومتوں اور ریاستوں کے سربراہوں کو واضح طور پر امن کے حصول کے لئے اپنے پختہ عزم کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور انہیں رواداری اور انسانی ہمدردی کی صفات کی تعلیم سے خود کو بہرہ مند کرنا چاہئے۔ ایک عرصے سے تمام مذاہب ایک دوسرے سے دور ہیں اور ایک دوسرے سے برسر پیکار رہے

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

ہیں۔ دہشت گردی کے آسیب سے جو خطرہ لاحق ہے اس سے نمٹنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ تمام مذاہب کے لوگ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور ان گمراہ لوگوں کو یہ باور کروائیں کہ وہ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہیں اور کسی حال میں بھی ان کی شیطانی چال کے سامنے بے بس نہیں ہوں گے۔“

## ۲- پاکستانی اقدامات

### اعتدال پسندی اور روشن خیالی

جو معاشرے انتہا پسندی اور دہشت گردی کا بہت زیادہ شکار ہوئے ہیں ان میں پاکستان بہت نمایاں ہے۔ 9/11 کے واقعے میں کوئی پاکستانی ملوث نہ تھا لیکن دہشت گردی کے خلاف جنگ کے اثرات کا آج افغانستان اور عراق کے بعد سب سے زیادہ شکار پاکستان ہے۔ اس کی وجوہات اپنے مقام پر بیان ہو چکی ہیں۔ فوجی اور سیاسی حوالے سے اگرچہ پاکستان نے بہت کوششیں کی ہیں تاہم یہاں پر انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف قومی سطح پر کی گئی نظریاتی کوششوں کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔

11 ستمبر کا واقعہ ہوا تو پاکستان میں سابق صدر جنرل پرویز مشرف کی حکومت تھی۔ وہ بیک وقت ملک کے چیف ایگزیکٹو اور فوج کے سربراہ تھے۔ اسلام کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے انھوں نے جس حکمت عملی کا چناؤ کیا اس کا نام خود انھوں نے ”اعتدال پسندی اور روشن خیالی“ رکھا۔ جہاں تک اس عنوان کے مثبت پہلوؤں کا تعلق ہے اس کی مخالفت تو جنرل پرویز مشرف کے ناقدین بھی نہیں کرتے تاہم اس حوالے سے ان کے ”مقاصد“ کچھ مختلف ضرور بیان کیے جاتے رہے ہیں۔ ان کے نقطہ نظر کو انہی کے الفاظ میں سمجھنے کے لئے ہم ان کی بعض تقاریر سے چند اہم اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ دسمبر 2006ء کے آخری ہفتے میں کرسس کی مناسبت سے ایوان صدر میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

”بین المذاہب ہم آہنگی وقت کی اہم ضرورت ہے اور تہذیبوں کے درمیان تصادم کو مسترد کر کے مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیا جائے۔۔۔ اسلام اور عیسائیت امن، بھائی چارے اور ہم آہنگی کے سبق دیتے ہیں۔۔۔ ہر ملک اور ہر رہنما عالمی امن و استحکام کے لئے اپنا کردار ادا کرے۔۔۔ پاکستان امن اور ہم آہنگی کے فروغ کے لئے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی حکمت عملی کے ذریعے سیاسی مسائل کا حل چاہتے ہیں۔۔۔ سیاسی تنازعات کو ختم کیے بغیر دنیا میں امن اور ہم آہنگی کا حصول ایک خواب رہے گا ہمیں ان تنازعات کو ختم کرنا ہے۔۔۔ پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے

لئے ہر ممکن اقدامات کیے جا رہے ہیں انہیں تمام حقوق حاصل ہیں مخلوط انتخابی نظام کے علاوہ [بھی] انہیں ہر سطح پر نمائندگی دی گئی ہے۔۔۔ حکومت اقلیتوں کی بہبود کے لئے اقدامات کر رہی ہے تاکہ وہ مسلمان شہریوں کے برابر رہیں۔۔۔ پاکستان میں ہمیں مغرب سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے جہاں کرمس کے موقع پر چیزیں سستی کر دی جاتی ہیں لیکن عید کے موقع پر یہاں مہنگائی میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس کو ختم کرنے کی ضرورت ہے اور ہمیں اس سلسلے میں مغرب سے سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔۔۔ ان کی عبادت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے، وہ پاکستان کے بلا امتیاز شہری ہیں۔۔۔ قائد اعظم کے ارشادات کے مطابق ہم اقلیتوں کو پاکستان کا مکمل شہری مانتے ہیں۔“ (۵)

جناب کنونشن سنٹر میں تیسرے قومی سیشنل سکاؤٹس کنونشن سے اپنے کلیدی خطاب کے موقع پر اعتدال پسندی اور روشن خیالی کے بارے میں اپنا موقف واضح کرتے ہوئے جنرل (ر) پرویز مشرف نے کہا:

”دہشت گردی، انتہا پسندی اور فرقہ واریت کی لعنتیں پاکستان کے لئے ناسور ہیں۔ حکومت ان کے خاتمے کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائے گی نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ معاشرے سے انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے آگے آئیں اور پاکستان کو عدم برداشت والا معاشرہ کہنے کے حوالے سے عالمی برادری کے خدشات کو دور کریں۔۔۔ انتہا پسندی کی وجہ سے ہمارے ملک کی ترقی کو بہت نقصان پہنچا ہے اور اس سے غیر ملکی سرمایہ کاری کی آمد میں بھی کمی ہوئی ہے جبکہ مجموعی اور پائیدار اقتصادی ترقی کو بھی نقصان پہنچا ہے۔۔۔ حکومت انتہا پسندی اور فرقہ پرستی کے خاتمے کے لئے تمام وسائل بروئے کار لارہی ہے اور اس حوالے سے ہم پر عزم ہیں کہ اپنے معاشرے سے انتہا پسندی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے اور اعتدال پسندی اور روشن خیالی کے طور پر پاکستان کا نام عالمی برادری میں اجاگر کریں گے۔“ (۶)

بڑی سیاسی جماعتوں نے ان کے اس نظریے کی بالعموم تائید کی اور یا پھر خاموشی اختیار کی، تاہم بہت سے سیاسی مذہبی رہنما ان کی مخالفت کرتے رہے۔ انھوں نے ”اعتدال پسندی اور روشن خیالی“ کا کیا مفہوم لیا، اس سوال کا جواب جاننے کے لئے جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد کے یہ الفاظ ہماری مدد کرتے ہیں:

”اس وقت مغربی استعمار سے ہمیں سب سے بڑا خطرہ نظریاتی اور ثقافتی میدان میں درپیش ہے۔ وہ ہمارے عقیدے اور ایمان کو کمزور اور ہماری تہذیب و ثقافت کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے نام پر مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم ہمارے کلچر، قوانین اور تہذیب و ثقافت کو قبول کر لو، ان کے خیال میں اعتدال پسندی یہ ہے کہ

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

مسلمان اپنی شناخت سے دستبردار ہو جائیں اور قرآن و سنت کے قوانین کو تبدیل کر دیا جائے۔ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ یہاں کے حکمران روشن خیالی کے اس برانڈ کے پرچارک ہیں۔۔۔ اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اس ملک میں جنسی بے راہ روی کو فروغ دینے کی کوشش ہو رہی ہے اور ان کے پروردہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت اور برائی نہیں ہے۔“ (۷)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ جنرل (ر) پرویز مشرف کسی اور بات کو ”اعتدال پسندی اور روشن خیالی“ کہہ کر اس کی حمایت کر رہے ہیں اور جناب قاضی حسین احمد کسی اور چیز کی مخالفت کر رہے ہیں۔ البتہ مذہبی، سیاسی اور فوجی مسائل میں سابق صدر کی حکومت کے اقدامات کو اسلام کی اعتدال پسندی اور حقیقی روشن خیالی سے الگ کر کے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر خالد مسعود نے سیاسیات سے قطع نظر اس موضوع پر نظریاتی اور علمی پیرائے میں گفتگو کی ہے۔ اس سلسلے میں ہم یہاں پر سیرت النبیؐ کی ایک قومی کانفرنس میں پیش کیے گئے ان کے مقالے کے کچھ حصے پیش کرتے ہیں جو یقینی طور پر نہایت اہم اور قابل غور نکات کے حامل ہیں۔

”اعتدال پسندی اور میانہ روی پر تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ اسلامی تہذیب کی ایک مسلمہ قدر ہے۔ البتہ روشن خیالی کی ترکیب پر بعض حلقوں کی طرف سے تحفظات کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ مغربی اور یورپی قدر ہے اور عالمی دباؤ کے تحت اسے اسلامیانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جدید اصطلاحات کے بارے میں جب اسلام کے حوالے سے بات ہو تو احتیاط لازم ہے کیونکہ یہ یورپ کے مخصوص تاریخی، ثقافتی اور مذہبی پس منظر میں وجود میں آئی ہیں۔ جن تحریکوں نے ان تصورات اور اصطلاحات کو جنم دیا، وہ اکثر دین بیزار تھیں، چنانچہ یہ کہا جا رہا ہے کہ ان تصورات اور اصطلاحات کے ذریعے مسلمانوں کو دین سے دور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان خدشات کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ لازماً سنجیدہ غور و فکر اور تجزیے کے متقاضی ہیں۔ ان تصورات کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ اس تحقیق کی ضرورت ہے کہ روشن خیالی کیا ہے؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ یہ دین بیزار تحریک کیسے بنی اور وہ کونسی باتیں ہیں جن سے اسے دین بیزار بننے سے روکا جاسکتا ہے؟ یاد رہے کہ ہماری روشن خیالی کی مخالفت سے مغربی تہذیب کو تو کوئی دھچکا نہیں پہنچے گا لیکن ایک طرح سے اس مغربی پراپیگنڈے کو تقویت ہی ملے گی کہ اسلام روشنی کا ساتھ نہیں دیتا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے لئے موقع ہے کہ وہ دنیا کو اس بات کی گواہی دے سکیں کہ دین پر قائم رہتے ہوئے عصر حاضر کے تقاضوں کو

پورا کیا جاسکتا ہے اور سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے اور یہ کہ ہم یورپ کی دین بیزاری کو بھی ایک متبادل فکر دے سکتے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہم نہ صرف دنیا سے کٹ جائیں گے، بلکہ ہمارا یہ فیصلہ اس بات کی توثیق کرے گا کہ یورپ کی غیر دینی روشن خیالی کے سوا اور کوئی صورت ممکن نہیں۔ روشن خیالی انگریزی کی اصطلاح این لائٹن منٹ کا ترجمہ ہے۔ فرانسیسی میں اس کے لئے ”سی ایگل دیومی الیغ“ اور جرمن میں ”آف کلارنگ“ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ یہ سترھویں صدی کی ایک یورپی تحریک کا نام ہے، جس نے جوش کے بجائے ہوش اور جذبات کے بجائے عقل اور تجرباتی استدلال پر زور دیا، قانون کی بالادستی اور قوانین فطرت کے مطالعے کی دعوت دی، عظمت انسانی کا سبق دیا، فرد کی اہمیت اور جمہور کی حکومت کا تصور دیا، دین میں شخصی اقتدار کی جگہ مقدس صحیفوں کی حجیت پر زور دیا، بدعات کی تردید کی اور کلیسا کے اقتدار کے خاتمے کے لئے اصلاح مذہب کی دعوت دی۔ اس تحریک کا بنیادی پیغام کلیسا کی غلامی سے آزادی اور عقل انسانی پر بھروسہ تھا۔

غور فرمائیں تو اس تحریک کی اکثر باتوں سے آپ اتفاق کریں گے، کیونکہ اسلام بھی ایسے ہی فکری انقلاب کی دعوت دیتا ہے۔ علمائے کرام، صوفیائے عظام اور مفکرین اسلام انہی اصولوں کی تعلیم دیتے آئے ہیں۔ فرق یہ ہے اور جو یقیناً بہت بڑا فرق ہے کہ روشن خیالی کی یہ یورپی تحریک دین سے بیزار تھی اور اس کی وجہ وہ مخصوص تاریخی پس منظر تھا جس میں کلیسا نے اسے دین سے بیزار کیا۔ اسلام میں ایسی فکری تحریکیں دینی تحریکوں کی شکل میں سامنے آئیں۔ روشن خیالی اور دین بیزاری لازم و ملزوم نہیں لیکن جب دینی قیادت اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے انتہا پسندی، غلوئی الدین اور آباء پرستی کی روش اپناتی ہے اور عصری تقاضوں کو نظر انداز کر کے روایت پرستی میں عافیت تلاش کرتی ہے تو دین سے بیزاری کی راہیں کھلتی ہیں۔ یورپی روشن خیالی میں دین بیزاری سرایت کرنے کی وجوہات بھی کچھ ایسی ہی تھیں۔

اس عہد میں کلیسا کی قوت و اقتدار پر نظر ڈالیں تو اس تحریک سے ہمدردی ہوتی ہے۔ کلیسا کی ساری دینی قوت سیاسی جوڑ توڑ پر صرف ہوتی تھی۔ کلیسا خدا کا نمائندہ ہی نہیں خود خدا کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ مذہبی پیشوا گناہ معاف کر سکتے تھے۔ معافی نامے فروخت کر سکتے تھے۔ دین کی جو چاہے تعبیر کر سکتے تھے۔ عبادات اور دینی واجبات میں تبدیلی کر سکتے تھے۔

جس کو چاہیں جنت میں اور جس کو چاہیں دوزخ میں ڈال سکتے تھے۔ تعلیم پر کلیسا کا قبضہ تھا تو معیشت پر اس کی حکمرانی تھی۔ کوئی سوچے تو ان کی اجازت سے اور سانس لے تو ان کی اجازت سے۔ فطری بات ہے کہ اس دور میں جتنی فکری تحریکیں ابھریں، کلیسا نے ان کی مخالفت کی۔ اس کا منطقی نتیجہ تھا کہ یہ تحریکیں بتدریج بغاوتی تحریکوں میں تبدیل ہوتی گئیں۔ روایت سے بغاوت، کلیسا سے بغاوت، دینی اقدار سے بغاوت اور بالآخر دین سے بیزاری۔ اسلامی تاریخ میں بھی ایسی بہت سی روشن خیال تحریکیں وجود میں آئیں، لیکن ان میں سے کسی نے بھی دین بیزاری کی راہ اختیار نہیں کی۔ معتزلہ کی عقل پسندی کی تحریک ہو یا زہد کی صوفیانہ تحریک، فلسفہ کی مابعد الطبیعیاتی طرز فکر ہو یا اخوان الصفا کی باطنی سوچ، ارباب طریقت کی اصحاب شریعت پر کڑی تنقید ہو یا سلفیہ کی مذاہب فقہ اور تقلید پر رد و قدح، آج کی جدیدیت کی تحریک ہو یا مسلم ترقی پسند فکر، کسی سوچ کے دھارے میں دین بیزاری نہیں پائی جاتی۔ حتیٰ کہ مخالفین اور معاندین نے ان پر گمراہی اور کفر کے فتوے تک لگائے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی دین سے بیزاری کا اعلان نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کا فکری دامن بہت وسیع ہے اور عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اسلام سے باہر نہیں جانا پڑتا۔ آج بھی عصری تقاضوں سے نبرد آزمانی میں جہاں دوسرے ادیان مضحک اور سراسیمہ نظر آتے ہیں اسلام اسی طرح تازہ دم ہے، جیسے آج سے صدیوں پہلے تھا۔

آج کا مسئلہ یہ ہے کہ مغرب نے اسلام کے خلاف پراپیگنڈے کا جو انداز اختیار کیا ہے، مسلمان اس کے بری طرح فریب میں آگئے ہیں۔ مغرب کا کہنا ہے کہ روشنی پہلے یورپ میں آئی اور وہ بھی سترھویں صدی میں۔ اس سے پہلے یورپ سمیت ساری دنیا اندھیرے میں تھی۔ آج بھی ان کے بقول مغرب کے سوا ساری دنیا خصوصاً عالم اسلام اندھیرے میں ہے۔ مغرب کا یہ دعویٰ تاریخ عالم کی تکذیب بھی ہے اور متکبرانہ ناسپاسی بھی۔ ایک تو مغرب ان تمام دوسری تہذیبوں کے احسانات سے انکار کر رہا ہے، جو صدیوں پر محیط اس انسانی تہذیبی سفر میں شامل رہیں۔ یورپ نے یہ ترقی تن تنہا حاصل نہیں کی۔ اس میں مصر، یونان، ہند اور اسلام نے بھی برابر حصہ لیا ہے۔ مسلمانوں نے کبھی یہ احسان فراموشی نہیں کی، وہ یونان اور ہند کے علوم سے استفادے کا ذکر کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔

دوسرے مغرب تاریخ کو یوں بھی جھٹلا رہا ہے کہ یورپ سے صدیوں پہلے روشن خیالی کی یہ لہر نبی اکرم حضرت محمد کی دعوت سے وجود میں آئی تھی جب آپ نے جاہلیت کے خاتمے کا



اعلان کیا۔ اسلام نے جاہلیت اور جہالت میں فرق قائم کرتے ہوئے واضح کیا کہ جاہلیت نہ تو لاعلمی کا نام ہے اور نہ ہی یہ قبل از اسلام زمانے کا نام ہے۔ یہ اس مخصوص جاہلی رویے کا نام ہے جو جھوٹے غرور، قبائلی فخر و مباہات اور اندھے جوش و جذبے، انتقام، تعصب، شدت پسندی اور انتہا پرستی کے یکجا ہونے سے مرتب ہوتا ہے۔ یہ رویہ طاقت اور مردانگی کی پرستش کا رویہ ہے جو صبر، برداشت، تحمل اور بردباری کو کمزوری گردانتا ہے، جو عقل کی جگہ جنون کا قائل ہے اور مکالمہ کے بجائے انتقام کا نعرہ لگاتا ہے۔ رسول کریمؐ نے مکی زندگی کے تیرہ سال صحابہؓ کو صبر و تحمل کی تربیت دینے میں گزار دیے اور جب مدینہ میں جہاد کا حکم آیا تو وہاں بھی یہ مطالبہ تھا کہ دشمنی میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ جہاد اعلیٰ کلمۃ الحق کے لئے ہے، انتقام کے لئے نہیں۔ توحید کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ دوسروں کے خداؤں کو برا بھلا کہو۔ یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہیں اور قابل احترام۔ آپؐ نے انسان کی تکریم کا سبق دیا۔ کسی کو رنگ نسل زبان مال اور دولت یا مذہب کی بنیاد پر دوسرے پر فضیلت نہیں، وجہ فضیلت صرف تقویٰ ہے، نیک اعمال ہیں اور عدل ہے کیونکہ یہی تقویٰ کے راستے ہیں۔

سیرت طیبہ نے انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی راہ دکھائی۔ نور یعنی روشنی اللہ کا نام بھی ہے، نبی کی صفت بھی ہے اور صحف سماوی کی بھی۔ سیرت طیبہ کے ذریعے دین کی تکمیل بھی ہوئی اور نبوت کا سلسلہ بھی اپنے اختتام کو پہنچا۔ اللہ نے اپنے آخری نبیؐ اور آخری کتاب کے ساتھ اپنی حجت کو تمام کر دیا۔ اب غیٰ الگ اور رشد الگ، نیکی اور بدی دونوں واضح کر دیے گئے۔ اب کسی نبی کی ضرورت نہیں، نہ ظلی کی نہ بروزی کی۔ دوسرے مذاہب میں پنڈت، پادری اور ربی خدا کے نائب بن کر مذہبی اقتدار کے دعویدار بنتے ہیں۔ یورپ میں روشن خیالی کی تحریک نے تو سترھویں صدی میں کلیسا کے اس مذہبی اقتدار کے خلاف آواز اٹھائی۔ قرآن کریم نے چھٹی صدی میں اعلان کیا کہ مذہبی پیشوائی ان لوگوں کی اپنی اختراع ہے، انھوں نے احبار اور رہبان کو خدا کا درجہ دے دیا ہے۔ نبی اکرمؐ نے روشنی کی جانب دعوت دی تو قریش سخت مزاحم ہوئے، کیونکہ ان کی سیاسی اور اقتصادی قوت کا دار و مدار ان کے دینی اقتدار پر تھا۔ کعبہ کی تولیت ان کے پاس تھی، حج کے مناسک کا تعین وہ کرتے تھے، قربانیوں کا اہتمام وہ کرتے، حج کے مہینوں میں جنگ و جدل اور لوٹ مار حرام تھی تو اس لئے کہ دور دراز سے لوگ امن و سلامتی کے ساتھ حج کے لئے مکہ مکرمہ آسکیں۔ سال میں کتنے مہینے ہوں گے اور کون سے مہینے حرمت کے ہوں گے، اس کا حساب کتاب بھی

قریش نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ ہر سال حج کے موقع پر قریش کا دینی پیشوا بڑے اہتمام سے اعلان کرتا تھا کہ اگلا سال بارہ مہینوں کا ہوگا یا تیرہ کا۔ نبی اکرمؐ نے دینی اقتدار کی ان رسوم پر ضرب لگاتے ہوئے اعلان کیا کہ مہینوں کے آغاز اور تعیین کے لئے کسی پیشہ ور کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص خود چاند دیکھ کر مہینے کا حساب لگا سکتا ہے۔ مہینوں کی تعداد بارہ مقرر کر دی گئی، ان میں کمی بیشی کو کفر بتا کر قریش کے دینی پیشوا کے عہدے کا خاتمہ کر دیا گیا۔ قریش کا سارا سود کا کاروبار اسی کمی بیشی پر چلتا تھا۔ قرآن کریم نے اس کمی بیشی کو بھی ممنوع قرار دیا اور سود کو بھی حرام کر دیا۔“ (۸)

مارچ 2008ء میں پاکستان میں حکومت تبدیل ہو گئی۔ ”اعتدال پسندی اور روشن خیالی“ کی اصطلاح سے قطع نظر انتہا پسندی کے بارے میں اس کے نقطہ نظر میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ پاکستان نے بین المذاہب امن مکالمے کے سلسلے میں سعودی اقدام کی حمایت کی۔ صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری نے جنرل اسمبلی میں 12، 13 نومبر 2008ء کو منعقد ہونے والی بین المذاہب کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کانفرنس کا نام ”امن کی ثقافت“ رکھا گیا تھا۔ صدر پاکستان نے 13 نومبر 2008ء کو کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس خطاب کے چند اہم اقتباسات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:

### نیو یارک میں بین المذاہب کانفرنس سے صدر زرداری کے خطاب کے اہم نکات

”موثر اقدامات کے ذریعے عصبیت کا مقابلہ کیا جانا چاہیے، نفرت انگیز تقاریر کو مسترد کیا جانا چاہیے، نا انصافی اور امتیازی سلوک کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے۔۔۔ اسلام فوبیا اور سامی نسل کے خلاف متعصبانہ رویہ جو کہ عالمی تنازعات اور کشیدگی کی بڑی وجہ ہے، مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان خاص طور پر اس عفریت کا مقابلہ کیا جانا چاہیے۔۔۔ یہ وقت یہ جانچنے کا ہے کہ بڑی قومیں امن کے لئے یا امن کے کلچر کے فروغ کے لئے کس قدر مخلص ہیں اور یہ عمومی یقین ہے کہ امن کا کلچر اس وقت تک فروغ نہیں پاسکتا جب تک معقولیت، دانشمندی اور مفاہمت پر کٹرپن اور انا غالب رہے گی۔۔۔ نفرت کی عفریت کا شکار 180 ملین پاکستانیوں کے نمائندے کی حیثیت میں ان کو مسترد کرتا ہوں جو ہمیں تقسیم کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ہوں جو ہمیں ایک اللہ کی مخلوق کی حیثیت سے متحد کرتا ہو۔ اگر دنیا کو امن کا گہوارہ بنانا ہے تو پھر اس میں نفرت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، نفرت کی وجہ سے پیدا ہونے والی تفریق اور دھڑے بندیوں کو مسترد کرنا ہوگا، واضح طور پر یہ وقت ہے کہ ہم ان کا ساتھ دیں

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

جو خوف اور تعصبات کی بنیاد پر تقسیم انسانیت کو متحد کرتے ہیں، یہ تعصبات محض غیر ملکیوں کے بلا جو خوف کا نتیجہ ہیں، عالمی تنازعات کے پیچھے دراصل غیر ملکیوں کا خوف عمل پیرا ہے، ایک ثقافت اور مذہب کے لوگ دوسری ثقافت اور مذاہب کے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں جو کہ فطرت کی پچرنگی اور انسانی وجود کو سمجھے بغیر کی جاتی ہے، اکثر اوقات نفرت بے بنیاد ہوتی ہے، درحقیقت عموماً لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ حقیقی اختلافات کیا ہیں۔ عموماً رائے، سوچ اور نقطہ نظر کے اختلافات کو سنجیدہ اختلاف کے طور پر لیا جاتا ہے جو کہ قطعی طور پر غلط طریقہ ہے۔ پھر تمام چیزیں حقیقت جانے بغیر اسی تناظر میں دیکھی جاتی ہیں، دوسروں کے لئے نفرت اس قسم کے حالات میں پیدا ہوتی ہے، اس کا حل یہ ہے کہ مختلف نظریات سننے کے لئے عالمی اور بین المذاہب کانفرنس اور سیمینارز کا سلسلہ شروع کیا جائے۔۔۔ ہم سنجیدگی کے ساتھ انتہا پسندی اور دہشت گردی کی وجوہات کے خاتمے کا عزم کریں، تمام لوگوں کا ان کے ملکوں اور قوانین پر اور ان کے بچوں کے مستقبل کے بارے میں اعتماد بحال کیا جائے۔۔۔ اسلام کے خلاف نفرت سے بھری باتیں نہ صرف مسلمانوں کے خلاف زیادتیوں کو جنم دیتی ہیں بلکہ مختلف مذاہب میں کشیدگیوں کو بڑھاتی ہیں۔۔۔ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے متعلق بے بنیاد خوف میں اضافہ ہوا ہے جس سے بچنا چاہیے کیونکہ دہشت گرد یہی چاہتے ہیں۔۔۔ ایک عالمی ایجنڈے پر اتفاق کیا جائے جس کے تحت کسی بھی مذہب کے خلاف نفرت پھیلانے کو رد کیا جائے اور خصوصاً مسلمانوں اور یہودیوں کے خلاف پھیلے تعصب کا مقابلہ کیا جائے۔۔۔ اس کے علاوہ ان ممالک کی مدد کی جائے جو انتہا پسندی کی گرفت میں ہیں لیکن اس سے مقابلے کے لئے ان کے پاس وسائل کی کمی ہے۔“ (۹)

### ۳۔ ایرانی اقدام

#### تہذیبوں کے مابین مکالمہ

بیسویں صدی کے آخری عشرے میں معروف امریکی سیاسی مفکر پروفیسر سیمول ہینٹنگٹن نے تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ پیش کیا۔ یہ نظریہ ان کی کتاب ”کلیشن آف سویلائزیشنز اینڈ دی ری میکنگ آف ورلڈ آرڈر“ میں مبسوط اور جامع طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب 1996ء میں شائع ہوئی۔ وہ کچھ عرصہ پہلے سے اپنے اس نظریے کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کا نظریہ ہے کہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد نظریے کے بجائے مذہب کی بنیاد پر جنگیں ہوں گی۔ ان کے استدلال کے مطابق عیسائیت، اسلام، کنفیوشس ازم اور ہندومت میں تصادم ناگزیر ہے۔

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

پروفیسر ہیننگٹن کے نظریے اور دلائل کا جواب بہت سے دانشوروں نے دیا۔ ان کا نظریہ تمام براعظموں کے سیاسی، ادبی، ثقافتی اور علمی حلقوں میں موضوع سخن بنا رہا۔ ان کے رد میں مقالے لکھے گئے۔ غیر مسلموں نے بھی ان کے نظریے کا ناقدانہ جائزہ لیا۔ ان پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ سامراجی مقاصد اور استعماری ایجنڈے کی تشکیل نو میں شریک کار رہتے ہوئے درحقیقت تہذیبوں کے درمیان تصادم کی راہ ہموار کرنے کے لئے ایک آلہ کار کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ ان کے خلاف لکھنے والوں میں عالم عرب کے ممتاز دانشور ایڈورڈ سعید بھی شامل ہیں۔ انھوں نے جواباً Clash of Ignorance کے نام سے مقالہ لکھا۔ اس میں انھوں نے یہ بھی لکھا کہ:

”ہیننگٹن نظریہ پرست ہیں اور وہ سات آٹھ تہذیبوں کے تعلقات کار کو پیش نظر رکھتے ہیں

اور اس میں بھی ”اسلام بمقابلہ مغرب“ کا تصور ان کے خیالات کے بڑے حصے کی غمازی

کرتا ہے جبکہ انھوں نے ”مغرب بمقابلہ باقی دنیا“ کو سرے سے نظر انداز کر دیا ہے۔“ (۱۰)

پروفیسر سیمول ہیننگٹن جو 24 دسمبر 2008ء کو 81 برس کی عمر میں انتقال کر گئے، کے مذکورہ نظریے پر نظر

ڈالے بغیر عصر حاضر میں عالم اسلام کی طرف سے مذاہب اور تہذیبوں کے مابین مکالمے کی تجاویز اور کوششوں کی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھا جاسکتا۔

### ڈاکٹر محمد خاتمی کی تجویز

اس سلسلے میں ایران کی طرف سے بھی عالمی سطح پر ایک اقدام کیا گیا جو اپنے اثرات اور اقدامات کے لحاظ سے خاصا وسیع تھا۔ ایران کے صدر ڈاکٹر سید محمد خاتمی نے 1999ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ اقوام متحدہ 2001ء کو تہذیبوں کے مابین مکالمے کا سال قرار دے۔ تجویز پیش کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

”گذشتہ صدی میں استعمار قدیم کی خشونت، انسان آزاری اور اس کے جدید وراثت خواروں کے بے مثال ظلم کے مظاہر کا سلسلہ جاری رہنے کے علاوہ اشتراکی حکومتوں کا ظہور و زوال بھی دیکھنے میں آیا۔ توقع ہے کہ آئندہ صدی ایسے نظاموں اور ایسی حکومتوں کی صدی ہوگی جو طاقت اور ظلم کا احترام نہ کریں گی اور سیاسی اقتدار کا باطن محبت و عدالت سے عبارت ہوگا، اس طرح سے کہ مختلف تہذیبوں کے مابین مکالمہ اس باطن کا مظہر قرار پائے۔“

جناب صدر! اب سوال یہ ہے کہ اقوام متحدہ نئے تقاضوں کی روشنی میں اپنے اندر کیا تبدیلی

لائے گی اور انسانی فلاح کے اس درکار سفر میں کیا اثر قائم کرے گی؟ میں اسلامی جمہوریہ ایران کی طرف سے تجویز پیش کرتا ہوں کہ پہلے قدم کے طور پر 2001ء کو اقوام متحدہ کی طرف سے تہذیبوں کے مابین مکالمے کا سال قرار دیا جائے، اس امید کے ساتھ کہ اس مکالمے کے ساتھ ساتھ عالمی عدالت و آزادی کے لئے پہلے مرحلے میں جو اقدامات ضروری ہیں، وہ کیے جائیں۔ اس صدی کا بلند ترین ماحصل یہ ہے کہ اس میں گفتگو کرنے اور طاقت کے استعمال کو ترک کرنے کی ضرورت و اہمیت کو قبول کر لیا گیا ہے۔ اس میں ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی میدان میں باہمی روابط اور افہام و تفہیم کو فروغ حاصل ہوا ہے نیز آزادی، عدالت اور حقوق انسانی کی اقدار کو تقویت پہنچی ہے۔ تمدن کی بقا اور فروغ کے لئے ناگزیر ہے کہ ممالک کی سطح پر بھی اور عالمی سطح پر بھی مختلف گروہوں اور تہذیبوں کے مابین سلیقوں، آرا اور نظریات کے اختلاف کے باوجود مکالمہ ہو۔ اگر نئے ہزارہ اور نئی صدی کی آمد کے موقع پر انسانیت اپنی ہمت و کوشش اس امر پر صرف کرے کہ مکالمے کا آغاز ہو، دشمنی اور جنگجویی کی جگہ افہام و تفہیم اور گفتگو لے لے تو یہ آنے والی نسل کے لئے ایک بہت بڑا تحفہ ہوگا۔“ (۱۱)

ایران کے اُس وقت کے صدر ڈاکٹر خاتمی کی اس تجویز کو منظور کر لیا گیا اور اقوام متحدہ کی طرف سے 2001ء کو تہذیبوں کے مابین مکالمے کا سال قرار دیا گیا۔ اس سلسلے میں پوری دنیا میں بہت سی تقاریب اور سیمینار منعقد ہوئے۔ تہران میں اس مقصد کے لئے مرکزی دفتر قائم کیا گیا تھا اور ایرانی حکومت نے اس مقصد کے لئے خطیر رقم صرف کی۔ بعد ازاں اس مشن کو جاری رکھنے کے لئے 2007ء میں تہذیبوں کے مابین مکالمے کی فاؤنڈیشن قائم کی گئی جس کا مرکز جنیوا ہے۔ اس کے بانی ڈاکٹر محمد خاتمی ہی ہیں۔ دنیا کے بعض نہایت اہم ادارے اس فاؤنڈیشن سے ڈائریک پارٹنر کی حیثیت سے وابستہ ہیں۔ فاؤنڈیشن مختلف مذاہب، ممالک اور تہذیبی اکائیوں کے مابین مکالمے اور ہم آہنگی کے فروغ کے لئے سرگرم عمل رہتی ہے۔ یہ فاؤنڈیشن مسائل اور تنازعات کو گفتگو کے ذریعے حل کرنے میں مدد فراہم کرتی ہے۔ (۱۲)

## ۴۔ حکومت اردن کا اقدام

علمائے اسلام کا علمائے مسیحیت کے نام دوستی کا پیغام  
جہاں ایک طرف تہذیبوں کے تصادم کی بات چل رہی ہے، دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں اور اسلام

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

کے خلاف پراپیگنڈا کا سلسلہ جاری ہے اور زیر لب، بالائے لب صلیبی جنگ کے تذکرے ہیں وہاں عالم اسلام کے علمی، دینی اور سیاسی حلقے اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور مذاہب و تہاذیب کے مابین مکالمے کی روش کے احیا اور فروغ میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہم نے عالم اسلام کے بعض ذمہ دار سیاسی رہبروں کے چند اقدامات کا ذکر کیا ہے۔ علمائے اسلام نے جہاں داخلی محاذ پر انتہا پسندی کی ہر شکل کا اجتماعی شعور سے مقابلہ کیا ہے وہاں خارجی محاذ پر بھی اپنی عصری ذمہ داریوں سے غافل نہیں رہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے بعض ایسے اقدامات بھی کیے ہیں جو تاریخ میں اپنی نوعیت کے آپ ہیں اور جو آئندہ کی مذہبی و انسانی تاریخ پر بھی اہم نقش قائم کریں گے۔

### پاپائے روم کے نام 38 جید علماء کا مکتوب

دنیا کے اسلام کے 38 جید علماء نے عمان میں ایک تاریخی مکتوب پر دستخط کیے۔ یہ کھلا مکتوب پاپائے روم پوپ بینیڈکٹ شانزدہم کے نام ہے۔ یہ خط 12 اکتوبر 2006ء کو روانہ کیا گیا۔ اس مکتوب کی ضرورت علمائے اسلام نے پاپائے روم کے 12 ستمبر 2006ء کے جرمنی کی ایگنز برگ یونیورسٹی میں دیے گئے لیکچر میں اسلام کے بعض عقائد کے بارے میں منفی ریمارکس پر محسوس کی تھی۔ یہ ریمارکس ”قرون وسطیٰ کے مسیحی بادشاہ مینوئل دوم پلویوگوس اور ایک ”تعلیم یافتہ ایرانی“ کے درمیان ہونے والی بحث کے حوالے سے تھے۔ علما نے اس خط میں ایسے اختلافی امور سے اجتناب کا مشورہ دیا ہے۔ ان دنوں پورے عالم اسلام میں پوپ کے ان ریمارکس کے خلاف سخت عوامی رد عمل کا مظاہرہ کیا گیا تھا لیکن ان جید علمائے کرام نے اس معاملے پر نہایت سنجیدہ اور ذمہ دارانہ رد عمل کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے پوپ کے اظہارِ افسوس کے بیان کو سراہا جس میں انہوں نے واضح کیا تھا کہ وہ لیکچر میں بازنطینی بادشاہ کا حوالہ دے رہے تھے، اپنے نقطہ نظر کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔ اس خط میں لیکچر میں اٹھائے گئے نکات کے پیش نظر بعض اسلامی تعلیمات کی وضاحت کی گئی۔ علماء نے واضح کیا کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کسی شخص کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں خط میں لآ اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (۱۳) کے علاوہ سورہ کہف کی آیت ۲۹ اور سورہ کافرون کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ مکتوب میں اللہ تبارک تعالیٰ کے ناقابل رویت ہونے، اسلام کے نزدیک عقل و دلیل کی اہمیت اور جہاد کے اسلامی تصور کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

یہ مکتوب ”جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ“ (۱۴) کی قرآنی تعلیم کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس کے آخری حصے میں اسلام اور مسیحیت کے مابین بعض مشترکہ تعلیمات کا حوالہ دے کر قربت، افہام و تفہیم اور تعاون و تعامل کی دعوت دی گئی ہے۔ مکتوب میں کہا گیا ہے کہ عیسائی اور مسلمان مل کر اس دنیا کی آبادی کا نصف سے زائد حصہ بنتے ہیں

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

لہذا دونوں کو دنیا میں امن کے قیام میں اپنی ذمہ داری ادا کرنا چاہیے اور کھلے دل و دماغ سے مکالمے کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ (۱۵)

اس مکتوب کا پورا متن عربی، فرانسیسی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں ویب سائٹ پر موجود ہے۔ متن کے ساتھ دستخط کرنے والے علماء کرام کے اسما اور ان کا مختصر تعارف بھی موجود ہے۔ ویب سائٹ کا ایڈریس حوالہ جات میں موجود ہے۔

## مسیحی اکابرین کے نام 138 علمائے عالم اسلام کا مکتوب

مذکورہ بالا مکتوب لکھے جانے کے تقریباً ایک سال بعد 1428ھ کی عید الفطر (13، اکتوبر 2007ء) کے موقع پر عالم اسلام کے 138 جید علماء کرام کا ایک اور اجلاس منعقد ہوا۔ اس موقع پر ایک مکتوب تیار کیا گیا جو عالم مسیحیت کے تمام گروہوں کے سربراہوں اور مسیحیت کے ممتاز مذہبی قائدین کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ اس مکتوب کا عنوان ہے ”كَلِمَةٌ سَوَاءٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ“۔ اس عنوان سے ہی اس مکتوب گرامی کے مقاصد آشکار ہیں۔ یہ عنوان قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ. (۱۶)

”کہیے: اے اہل کتاب! آئیے اُس ایک بات پر اکٹھے ہو جائیں جو تمہارے اور ہمارے درمیان ایک جیسی ہے یعنی ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اُس کا شریک نہ گردانیں اور اللہ کو چھوڑ کر کوئی دوسروں کو ارباب نہ بنائیں۔“

اس مکتوب کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

”امن اور افہام و تفہیم کی بنیادیں پہلے سے موجود ہیں۔ ایک خدا کی محبت اور ہمسائے سے محبت کا حکم دونوں ادیان کے بنیادی اصولوں کا اہم حصہ ہے۔ یہ اصول اسلام اور مسیحیت کی مقدس کتب میں جا بجا ملتے ہیں۔ پس خدا کی وحدانیت سے محبت کا ضروری ہونا اور ہمسائے سے محبت کا ضروری ہونا اسلام اور مسیحیت کی مشترکہ بنیادیں ہیں۔“

اسلام اور مسیحیت اگرچہ واضح طور پر دو مختلف ادیان ہیں اور دونوں ادیان کے درمیان بعض رسمی اختلافات کو کم نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ واضح ہے کہ مندرجہ بالا دو

عظیم ترین احکام قرآن، تورات اور عہد نامہ جدید کے مابین مشترک بنیادیں اور وجہ اتصال ہیں۔

ادیان کے درمیان مشترک بنیاد کی تلاش صرف چنیدہ مذہبی علماء کے درمیان باہم شائستہ مکالمہ تک ہی محدود نہیں ہے۔ مسیحیت اور اسلام دنیا اور تاریخ کے دو بڑے ادیان ہیں جبکہ عیسائی اور مسلمان انسانی آبادی کا بالترتیب تیسرا اور پانچواں حصہ ہیں۔ مشترکہ طور پر دونوں ادیان کے پیروکار انسانی آبادی کا 55 فیصد سے زیادہ بنتے ہیں۔ ان دونوں مذہبی طبقات کے درمیان تعلق پیدا کرنے کا سب سے اہم فائدہ دنیا میں با معنی امن کے قیام میں کردار ادا کرنا ہے۔ اگر مسلمان اور مسیحی امن سے نہ ہوں گے تو دنیا بھی امن سے نہیں رہ سکتی۔ خوفناک حد تک مسلح جدید دنیا جس میں مسلمان اور مسیحی اس طرح سے مل جل کر رہے ہیں کہ پہلے کبھی ایسا نہ تھا، کوئی فریق بھی جھگڑے میں دنیا کی آدھی سے زیادہ آبادی میں سے اکیلے کامیابی حاصل نہیں کر سکتا لہذا ہمارا مشترکہ مستقبل خطرے میں رہے گا۔ خود دنیا کی بقا بھی شاید خطرے سے دوچار رہے۔

اس کے باوجود جو جھگڑے اور تباہی سے اپنے مفاد کے لئے لطف اندوز ہوتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ آخر کار وہ ان سے کوئی مفاد اٹھالیں گے، ان سے ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم نے خلوص کے ساتھ امن کے قیام کے لئے اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے تمام تر کوششیں نہ کیں تو ہماری لازوال روہیں بھی خطرے میں رہیں گی۔

لہذا آئیے اپنے اختلافات کو اپنے مابین نفرت اور ناچاقی کا سبب نہ بننے دیں۔ آئیے صرف نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں۔ آئیے ایک دوسرے کا احترام کریں۔ ایک دوسرے سے مخلص رہیں۔ انصاف کریں اور ہمدرد رہیں نیز مخلصانہ امن، ہم آہنگی اور ایک دوسرے کے لئے نیک تمنا کے ساتھ رہیں۔“ (۱۷)



## مکتوب پر دستخط کرنے والے علماء

(فہرست بلحاظ حروف تہجی)

- ۱۔ پروفیسر ابراہیم احمد شہبوح  
ڈائریکٹر جنرل رائل اہل بیت فکر اسلامی انسٹیٹیوٹ۔  
صدر انجمن تحفظ شہر قیروان، تیونس
- ۲۔ جسٹس ابراہیم کولابو سولو جامباری  
جسٹس نائیجیریا کورٹ آف ایپل، نیشٹل وائس چیئرمین  
نائیجیریا فوٹبال ایسوسی ایشن۔
- ۳۔ ڈاکٹر ابراہیم کالین  
ڈائریکٹر SETA فاؤنڈیشن، انقرہ ترکی۔  
پروفیسر جارج ٹاؤن یونیورسٹی امریکہ۔
- ۴۔ شیخ ابو بکر احمد الملباری  
سیکرٹری جنرل جماعت اہل سنت بھارت
- ۵۔ آیۃ اللہ السید ابو القاسم الدیباجی  
امام مسجد امام زین العابدین، کویت
- ۶۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد شوقی بنین  
ڈائریکٹر حسینہ لائبریری مراکش
- ۷۔ ڈاکٹر شیخ احمد بدر الدین حسون  
مفتی اعظم عرب جمہوریہ شام
- ۸۔ شیخ احمد بن حمد الخلیلی  
مفتی سلطنت عمان
- ۹۔ شیخ احمد بن سعود السیابی  
سیکرٹری جنرل ڈائریکٹوریٹ آف مفتی اعظم عمان
- ۱۰۔ ڈاکٹر شیخ احمد عبدالعزیز الحداد  
مفتی اعظم دوحی، متحدہ عرب امارات
- ۱۱۔ پروفیسر ڈاکٹر شیخ احمد محمد الطیب  
رئیس جامعہ الازہر، سابق مفتی اعظم جمہوریہ مصر
- ۱۲۔ شیخ ڈاکٹر احمد لکھنوی  
بانی ہیئت علماء عراق
- ۱۳۔ شیخ احمد محمد مطیع تمیم  
مفتی یوکرین، صدر ادارہ دینی مسلمین یوکرین
- ۱۴۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد مطلوب  
سابق وزیر ثقافت عراق، صدر اکیڈمی آف سائنسز عراق
- ۱۵۔ پروفیسر ڈاکٹر شیخ احمد ہلیل  
چیف جسٹس آف اردن۔ امام عدالت ہاشمیہ،  
سابقہ وزیر مذہبی امور، اردن
- ۱۶۔ پروفیسر ڈاکٹر اختر الواسع  
ڈائریکٹر ڈاکٹر حسین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز  
جامعہ جمعیتہ اسلامیہ بھارت۔
- ۱۷۔ پروفیسر ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلو  
سیکرٹری جنرل اسلامی تنظیم کانفرنس
- ۱۸۔ پروفیسر ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلو  
سیکرٹری جنرل اسلامی تنظیم کانفرنس
- ۱۹۔ پروفیسر ڈاکٹر الان جودلاس  
کوچیزمین تعلیمات اسلامی جار جیا یونیورسٹی امریکہ،  
چیف ایڈیٹر صوتی نیوز و صوتی ازم ورلڈ رپورٹ  
ڈائریکٹر تنظیم صوفیا العالمی
- ۲۰۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر اللہ شکر بن ہمت باشاہ زادہ  
مفتی اعظم آذربائیجان، سربراہ ادارہ مسلمین قفقاز
- ۲۱۔ پروفیسر ڈاکٹر انجرید ماتسون  
پروفیسر تعلیمات اسلامی و مسیحی مسلم تعلقات،  
صدر اسلامک سوسائٹی شمالی امریکہ
- ۲۲۔ ڈاکٹر انس شیخ علی  
چیئرمین آف مسلم سوشل سائنسٹس، صدر انجمن اسلامو  
فوبیا و نسل پرستی برطانیہ، تعلیمی مشیر IIII برطانیہ

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

- ۲۳۔ ڈاکٹر انور ابراہیم  
سابقہ ڈپٹی وزیراعظم ملائیشیا، اعزازی صدر احتساب
- ۲۴۔ پروفیسر ڈاکٹر ایمین فواد سید  
مورخ و ماہر مخطوطات، سابقہ سیکرٹری جنرل دارالکتب  
قاہرہ، مصر
- ۲۵۔ پروفیسر ڈاکٹر بشار عواد معروف  
سابق صدر جامعہ اسلامیہ عراق
- ۲۶۔ پروفیسر ڈاکٹر ابو عبد اللہ بن الحاج محمد آل غلام اللہ  
وزیر مذہبی امور الجزائر
- ۲۷۔ جسٹس پرنس بولا اچیبولا  
سابق جج انٹرنیشنل ہائی کورٹ، سابق وزیر انصاف نائیجیریا،  
سابق اتارنی جنرل نائیجیریا، بانی کریسنٹ یونیورسٹی و بانی  
تحریک اسلامی افریقہ
- ۲۸۔ ڈاکٹر شیخ تیسیر رجب تمیمی  
چیف جسٹس فلسطین، سربراہ مرکز فلسطین برائے مکالمہ  
بین مذاہب و تہاذیب
- ۲۹۔ ڈاکٹر جانرڈی  
اسٹنٹ پروفیسر رونیگ کالج امریکہ
- ۳۰۔ ڈاکٹر جین۔ لوئیس میٹون  
مؤلف، اسلامی اسکالر، مہندس، سابق ماہر  
UNESCO، سویٹزرلینڈ
- ۳۱۔ سید جواد الخوئی  
سیکرٹری جنرل امام خوئی فاؤنڈیشن العالمی
- ۳۲۔ ڈاکٹر جوزف لبارڈ  
اسٹنٹ پروفیسر برینڈیز یونیورسٹی امریکہ
- ۳۳۔ پروفیسر ڈاکٹر حسن حنفی  
اسلامی مفکر، شعبہ فلسفہ، مصر یونیورسٹی
- ۳۴۔ پروفیسر ڈاکٹر حافظ یوسف کافاشی  
ریزیڈنٹ سکالر اسلامک ایسوسی ایشن شمالی امریکہ،  
بانی و معلم IANT قرآن اکیڈمی ٹیکساس، بانی ڈین صوفہ  
اسلامک سیمینری ڈیلاس، ٹیکساس امریکہ
- ۳۵۔ شیخ سید حسن القاف  
ڈائریکٹر دارالامام نووی، اردن
- ۳۶۔ انجینئر سید حسن شریعتمداری  
سربراہ ایرانی نیشنل ریپبلکن پارٹی
- ۳۷۔ ڈاکٹر شیخ حسین حسن ابابکر  
امام المسلمین چاڈ و صدر کونسل عالی برائے امور مسلمین چاڈ
- ۳۸۔ آیت اللہ شیخ حسین المؤید  
صدر و بانی علمی فورم بغداد عراق
- ۳۹۔ پروفیسر ڈاکٹر سید حسین نصر  
پروفیسر اسلامیات، جارج واشنگٹن یونیورسٹی واشنگٹن امریکہ
- ۴۰۔ آیت اللہ سید حسین اسماعیل الصدر  
بغداد، عراق
- ۴۱۔ شیخ حمزہ یوسف ہانسون  
ڈائریکٹر و بانی زیتونہ انسٹیٹیوٹ کیلیفورنیا امریکہ
- ۴۲۔ شیخ راوی عین الدین  
مفتی اعظم جمہوریہ روس
- ۴۳۔ پروفیسر ڈاکٹر روز میر محمود تشیبا بیٹش  
پروفیسر سراویو یونیورسٹی، صدر عالمی فورم بوسنیا،  
سابق نائب صدر حکومت بوسنیا ہرزگوینا۔
- ۴۴۔ ڈاکٹر سید رضا شاہ کاظمی  
مؤلف و محقق اسلامی، برطانیہ
- ۴۵۔ پروفیسر ڈاکٹر زغلول النجار  
پروفیسر شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ سعودی عرب،  
سربراہ کمیٹی الحائق العلمیہ فی القرآن الکریم،  
سربراہ سپریم کونسل امور اسلامی، مصر۔
- ۴۶۔ امام زید شاکر  
لیکچرر و سکالر زیتونہ انسٹیٹیوٹ کیلیفورنیا امریکہ۔

- ۴۷۔ شیخ سالم یوسف الفلاحات  
ڈائریکٹر جنرل اخوان المسلمین اردن
- ۴۸۔ شیخ سعید حجاوی  
چیف سکالر رائل انسٹیٹیوٹ آف اہل بیت برائے افکار  
اسلامی اردن، سابق مفتی اعظم اردن
- ۴۹۔ پروفیسر ڈاکٹر سعید بہت اللہ کامیلیف  
ڈائریکٹر ماسکو انسٹیٹیوٹ برائے ثقافت اسلامی روس
- ۵۰۔ شیخ سفکی عمر باستش  
مفتی اعظم کروشیا
- ۵۱۔ پروفیسر ڈاکٹر سلیمان عبداللہ شلاہیر  
پروفیسر امریکن یونیورسٹی قاہرہ
- ۵۲۔ پروفیسر سہیل ناخودا  
ایڈیٹر انچیف میگزین اسلامیکا اردن
- ۵۳۔ ڈاکٹر حاج سہیل بن حاج محی الدین  
نائب مفتی اعظم بروٹائی
- ۵۴۔ پروفیسر ڈاکٹر شا کر الفحام  
رئیس لخت العربیہ اکیڈمی سابق وزیر تعلیم شام
- ۵۵۔ امام سید صادق المہدی  
سابق وزیر اعظم سوڈان، سربراہ حزب انصار، سوڈان
- ۵۶۔ ڈاکٹر طارق سویدان  
ڈائریکٹر جنرل رسالہ سٹیلاٹ چینل
- ۵۷۔ پروفیسر ڈاکٹر طہ عبدالرحمن  
صدر دائرہ حکمت برائے مفکرین و محققین مراکش  
ڈائریکٹر الامت الوسط میگزین، ڈائریکٹر انٹرنیشنل یونین  
آف مسلم سکالرز
- ۵۸۔ محترمہ ڈاکٹر طیبہ حسن شریف  
مسئول UNHCR دارفر، سوڈان
- ۵۹۔ عارف کمال (سفیر)  
مفکر اسلامی پاکستان
- ۶۰۔ پروفیسر ڈاکٹر عارف علی نایض  
سابق پروفیسر پونٹنل انسٹیٹیوٹ فار عربک اینڈ اسلامک  
سٹڈیز (روم) سابق پروفیسر انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ برائے  
افکار و ثقافت اسلامی ملائیشیا سفیر ایڈوائزر بین المذاہب  
پروگرام کیمرج، برطانیہ۔
- ۶۱۔ پروفیسر ڈاکٹر عباس الجحاری  
مشیر شاہ مراکش
- ۶۲۔ پروفیسر ڈاکٹر علامہ شیخ عبداللہ بن محفوظ بن بیہ  
پروفیسر شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی سعودی عرب، سابق وزیر  
قانون، سابق وزیر تعلیم، سابق وزیر مذہبی امور  
موریطانیہ، نائب صدر انٹرنیشنل یونین آف مسلم اسکالرز  
بانی و صدر عالمی مرکز تجدید و ہدایت
- ۶۳۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالکیم مراد ووتر  
پروفیسر شیخ زید چیئر برائے علوم اسلامی، کلیۃ اللہ جوت  
یونیورسٹی آف کیمرج، ڈائریکٹر اسلامک اینڈ تک  
ٹرسٹ برطانیہ
- ۶۴۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام عبادی  
صدر جامعہ اہل بیت، سابق وزیر مذہبی امور، اردن
- ۶۵۔ ڈاکٹر واثو عبدالحمید عثمان  
وزیر مملکت و مشیر وزیر اعظم ملائیشیا، برائے امور اسلامی
- ۶۶۔ ڈاکٹر شیخ عبدالقدوس ابو صلاح  
صدر انٹرنیشنل لیگ برائے اخلاق اسلامی، ایڈیٹر مجلہ  
الاخلاق اسلامیہ ریاض سعودی عرب
- ۶۷۔ ڈاکٹر عبدالعزیز بن عثمان التویجری  
ڈائریکٹر جنرل (ISESCO)

انتہا پسندی دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

- ۶۹۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالکبیر العلوی المدغری  
ڈائریکٹر جنرل بیت المال قدس شریف، سابق وزیر مذہبی  
امور مراکش
- ۷۰۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خلیفہ  
صدر لغت العربیۃ الاردنیۃ اکیڈمی، سابقہ صدر اردن  
یونیورسٹی
- ۷۱۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم غرابیہ  
مورخ، سینئر، اردن
- ۷۲۔ پروفیسر عبدالوہاب بن ابراہیم ابوسلیمان  
ممبر کمیٹی برائے کبار العلماء سعودی عرب
- ۷۳۔ سردار عبدالوہاب ایاندا فولا ویو  
ممبر سپریم کونسل امور اسلامی نائیجیریا، نائب صدر  
جماعت نصر الاسلام
- ۷۴۔ ڈاکٹر شیخ عزالدین ابراہیم  
مشیر برائے ثقافتی امور وزیر اعظم، متحدہ عرب امارات
- ۷۵۔ محترمہ ڈاکٹر عبلة محمد کلاوی  
رائٹر، ڈین فیکلٹی برائے علوم اسلامی و عربی الا زہر یونیورسٹی  
برائے خواتین مصر
- ۷۶۔ پروفیسر ڈاکٹر عزالدین عمر موسیٰ  
پروفیسر تاریخ اسلامی شاہ سعود یونیورسٹی، سعودی  
عرب۔
- ۷۷۔ شیخ عزالدین الخطیب التیمی  
سینئر، سابق قاضی القضاة، وزیر مذہبی امور مفتی اعظم، اردن
- ۷۸۔ ڈاکٹر شیخ عکرمہ سعید صبری  
سابق مفتی اعظم یروشلم و فلسطین، امام مسجد الاقصی،  
صدر مجلس عالی فلسطین
- ۷۹۔ ڈاکٹر عصام البشیر  
سیکرٹری جنرل انٹرنیشنل موڈریشن سینٹر کویت، سابق وزیر  
مذہبی امور، سوڈان
- ۸۰۔ پروفیسر ڈاکٹر علی اوزاک  
سربراہ سائنٹیفک اسلامک سٹڈیز اسٹینبول، ترکی
- ۸۱۔ پروفیسر ڈاکٹر علی جمہوریہ مصر  
پروفیسر ڈاکٹر علی عبداللہ شملان
- ۸۲۔ ڈائریکٹر جنرل کویت فاؤنڈیشن برائے ترقی علوم،  
سابق وزیر ثانوی تعلیم، کویت
- ۸۳۔ شیخ حبیب علی زین العابدین الجعفری  
بانی و ڈائریکٹر طالبہ انسٹیٹیوٹ، متحدہ عرب امارات
- ۸۴۔ شیخ سید علی عبدالرحمن ہاشمی  
مشیر صدر برائے قانون و مذہبی امور، عرب امارات
- ۸۵۔ پروفیسر ڈاکٹر عمار طالبی  
سابق ممبر پارلیمنٹ، پروفیسر آف فلاسفی یونیورسٹی آف الجزائر
- ۸۶۔ شیخ حبیب علی مشہور بن محمد بن حفیظ  
مفتی ترمیم، یمن
- ۸۷۔ ڈاکٹر عمر جاہ  
سیکرٹری مسلم اسکالرز کونسل گیمبیا، پروفیسر تمدن و افکار  
اسلامی یونیورسٹی آف گیمبیا۔
- ۸۸۔ پروفیسر عمر خالد  
مبلغ اسلام و اعظ مصر، بانی و صدر رائٹ شارٹ  
فاؤنڈیشن
- ۸۹۔ شیخ حبیب عمر بن محمد بن حفیظ  
امام مسجد ترمیم، سربراہ فتویٰ کونسل ترمیم، یمن
- ۹۰۔ پروفیسر ڈاکٹر فاروق حمادہ  
پروفیسر علوم حدیث محمد الخامس یونیورسٹی، مراکش
- ۹۱۔ پروفیسر ڈاکٹر پرنس غازی بن محمد بن طلال  
مشیر خاص شاہ عبداللہ دوم، چیئرمین رائل اہل بیت  
انسٹیٹیوٹ، اردن

- ۹۳- امام فیصل عبدالرؤف  
بانی و سربراہ بورڈ آف قرطبہ، بانی ASMA سوسائٹی،  
امام مسجد الفرح نیویارک، امریکہ
- ۹۴- پروفیسر ڈاکٹر کامل عجیلونی  
سربراہ نیشنل سنٹر آف ڈائباٹیز، بانی اردن یونیورسٹی  
برائے سائنس و ٹیکنالوجی، سابق وزیر وینیٹز، اردن
- ۹۵- شیخ کبیر بلنسکی  
شیخ طریقہ مولویہ، کوآرڈینیٹر بک فاؤنڈیشن، امریکہ
- ۹۶- ڈاکٹر لطیف اولادیکچی ادبجہایت  
سیکرٹری وقانونی مشیر ناٹجمرین سپریم کونسل برائے  
مذہبی امور
- ۹۷- ڈاکٹر محمد بشاری  
سربراہ جنرل فیڈریشن برائے مسلمین فرانس،  
جنرل سیکرٹری معتمر اسلامی، یورپ، فرانس،  
ممبر انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی
- ۹۸- مفتی علامہ تقی عثمانی  
نائب صدر دارالعلوم کراچی، پاکستان
- ۹۹- سلطان محمد سعد ابوبکر  
سلطان ہستم سوکوٹو، سربراہ مسلمین، ناٹجمریا
- ۱۰۰- پروفیسر ڈاکٹر علامہ شیخ محمد سعید رمضان البوطی  
ڈین شریعہ فیکلٹی جامعہ سوربہ، شام
- ۱۰۱- ڈاکٹر محمد علوانی الشریف  
سربراہ یورپین اکیڈمی برائے ثقافت اسلامی و سائنس  
برسلز، بیلجیئم
- ۱۰۲- ڈاکٹر محمد عبدالغفار الشریف  
سیکرٹری جنرل وزارت مذہبی امور، کویت
- ۱۰۳- آیت اللہ محمد علی تہجیری  
سیکرٹری جنرل مجمع جهانی تقریب مذاہب اسلامی، ایران
- ۱۰۴- پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالرحیم سلطان العلماء  
نائب ڈین امور، فیکلٹی برائے سائنٹیفک ریسرچ،  
متحدہ عرب امارات
- ۱۰۵- پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم العوا  
سیکرٹری جنرل انٹرنیشنل یونین آف سکارلز، سربراہ ایسوسی  
ایشن برائے ثقافت و مکالمہ، مصر
- ۱۰۶- پروفیسر ڈاکٹر محمد السماک  
سیکرٹری جنرل نیشنل کونسل برائے مکالمہ بین اسلام  
و مسیحیت،
- ۱۰۷- پروفیسر ڈاکٹر محمد بن شریفہ  
سابق ریکٹر وجدة یونیورسٹی مراکش، ممبر رائل مراکش اکیڈمی
- ۱۰۸- شیخ محمد صادق محمد یوسف  
مترجم و مفسر قرآن، سابق مفتی برائے ادارہ مسلمین  
وسط  
ایشیا، ازبکستان
- ۱۰۹- شیخ محمد حسن عمیران  
مفتی فقہ جعفریہ برائے صیدوزہرائی، لبنان
- ۱۱۰- علامہ سید محمد بن محمد منصور  
مرجع زیدیہ، یمن
- ۱۱۱- سید علی خانی  
بانی و چیف ایڈیٹر مجلہ سکرٹریٹ و مجلہ لاصالۃ والمعاصرة، کینڈا
- ۱۱۲- پروفیسر ڈاکٹر محمد مختار ولد ابابہ  
صدر چنگوتی ماڈرن یونیورسٹی، مورطانیہ
- ۱۱۳- پروفیسر ڈاکٹر محمد فاروق تبہان  
سابق ڈائریکٹر دارالحدیث الحسینیہ، مراکش

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

- ۱۱۵- پروفیسر ڈاکٹر محمد ہاشم  
سیکرٹری ISTAC پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، ملائیشیا
- ۱۱۶- شیخ محمود المدنی  
سیکرٹری جنرل جمعیت علمائے ہند، ممبر پارلیمنٹ،  
بھارت
- ۱۱۷- پروفیسر ڈاکٹر مدثر عبدالرحیم طیب  
پروفیسر سیاسیات و علوم اسلامی (ISTAC)، ملائیشیا
- ۱۱۸- ڈاکٹر مراد ہونمان (سفر)  
مؤلف و اسکالر، جرمنی
- ۱۱۹- پروفیسر ڈاکٹر منزل صدیقی  
اسکالر، متکلم، چیئر مین فقہ کونسل شمالی امریکہ
- ۱۲۰- پروفیسر ڈاکٹر مصطفیٰ تسیریتش  
مفتی اعظم و رئیس علما بوسنیا و ہرزگووینا
- ۱۲۱- آیت اللہ پروفیسر ڈاکٹر سید مصطفیٰ محقق داماد  
سربراہ شعبہ قانون و فلسفہ اسلامی تہران یونیورسٹی،  
ممبر ایران اکیڈمی آف سائنس، سابق انسپکٹر جنرل ایران
- ۱۲۲- پروفیسر ڈاکٹر مصطفیٰ شاعرچی  
مفتی استنبول، ترکی
- ۱۲۳- پروفیسر ڈاکٹر مصطفیٰ شریف  
مفکر، سابق وزیر ہائیر ایجوکیشن، سابق سفیر، الجزائر
- ۱۲۴- شیخ معمر زاکولیتش  
مفتی سنجق، بوسنیا
- ۱۲۵- شیخ زداد جرابوس  
مفتی اعظم، سلووینیا
- ۱۲۶- پروفیسر ڈاکٹر نصر الدین عمر  
ریکٹر ایڈوانس قرآنک سٹڈیز، سیکرٹری جنرل شوری  
نہضتہ العلماء،  
لیکچرر سٹیٹ یونیورسٹی شریف ہدایت اللہ جکارتہ،  
انڈونیشیا
- ۱۲۷- شیخ نعیم ترنافا  
مفتی اعظم، کوسوو
- ۱۲۸- سید نہاد عوض  
نیشنل ایگزیکٹو ڈائریکٹر، کوفاونڈر (CAIR)، امریکہ
- ۱۲۹- ڈاکٹر شیخ نوح علی سلمان القضاہ  
مفتی اعظم، اردن
- ۱۳۰- شیخ نوح حامیم کلر  
شیخ طریقت شاذلیہ، امریکہ
- ۱۳۱- پروفیسر ڈاکٹر ہادی البکوش  
مؤلف، سابق وزیر اعظم، تیونس
- ۱۳۲- شیخ ہانی فخص  
ممبر سپریم شیعہ کونسل، بانی رکن کمیٹی برائے مکالمہ  
بین اسلام و مسیحیت، لبنان
- ۱۳۳- پروفیسر ڈاکٹر شیخ وہبہ مصطفیٰ الزحیلی  
سربراہ شعبہ فقہ اسلامی یونیورسٹی آف دمشق، شام
- ۱۳۴- پروفیسر ڈاکٹر یحییٰ محمود بن جنید  
سیکرٹری جنرل شاہ فیصل سنٹر برائے تحقیق علوم  
اسلامی، سعودی عرب
- ۱۳۵- پروفیسر ڈاکٹر ہشام نشاہ  
چیئر مین بورڈ آف ہائیر ایجوکیشن، سربراہ جمعیت  
مقاصد خیریتہ اسلامیہ، لبنان
- ۱۳۶- ڈاکٹر یوسف مرعی  
اسپیشل اسکالر رائل اہل بیت انسٹیٹیوٹ برائے فکر  
اسلامی، اردن
- ۱۳۷- امام یحییٰ سیرجیویا ہی بالافیشینی  
نائب صدر CO.RE.IS اٹلی، چیئر مین ISESCO،  
مشیر وزیر داخلہ برائے امور مسلمین، اٹلی
- ۱۳۸- الحاج یوسف مہتما سولی  
سابق نمائندہ نائیجیریا برائے اقوام متحدہ، سابق وزیر نیشنل  
گائیڈنس، نائیجیریا
- ۱۳۹- ڈاکٹر شیخ نوح علی سلمان القضاہ  
مفتی اعظم، اردن
- ۱۴۰- پروفیسر ڈاکٹر مصطفیٰ تسیریتش  
مفتی اعظم و رئیس علما بوسنیا و ہرزگووینا
- ۱۴۱- آیت اللہ پروفیسر ڈاکٹر سید مصطفیٰ محقق داماد  
سربراہ شعبہ قانون و فلسفہ اسلامی تہران یونیورسٹی،  
ممبر ایران اکیڈمی آف سائنس، سابق انسپکٹر جنرل ایران
- ۱۴۲- پروفیسر ڈاکٹر مصطفیٰ شاعرچی  
مفتی استنبول، ترکی
- ۱۴۳- پروفیسر ڈاکٹر مصطفیٰ شریف  
مفکر، سابق وزیر ہائیر ایجوکیشن، سابق سفیر، الجزائر
- ۱۴۴- شیخ معمر زاکولیتش  
مفتی سنجق، بوسنیا
- ۱۴۵- شیخ زداد جرابوس  
مفتی اعظم، سلووینیا
- ۱۴۶- پروفیسر ڈاکٹر نصر الدین عمر  
ریکٹر ایڈوانس قرآنک سٹڈیز، سیکرٹری جنرل شوری  
نہضتہ العلماء،  
لیکچرر سٹیٹ یونیورسٹی شریف ہدایت اللہ جکارتہ،  
انڈونیشیا
- ۱۴۷- شیخ نعیم ترنافا  
مفتی اعظم، کوسوو
- ۱۴۸- سید نہاد عوض  
نیشنل ایگزیکٹو ڈائریکٹر، کوفاونڈر (CAIR)، امریکہ
- ۱۴۹- ڈاکٹر شیخ نوح علی سلمان القضاہ  
مفتی اعظم، اردن
- ۱۵۰- شیخ نوح حامیم کلر  
شیخ طریقت شاذلیہ، امریکہ
- ۱۵۱- پروفیسر ڈاکٹر ہادی البکوش  
مؤلف، سابق وزیر اعظم، تیونس
- ۱۵۲- شیخ ہانی فخص  
ممبر سپریم شیعہ کونسل، بانی رکن کمیٹی برائے مکالمہ  
بین اسلام و مسیحیت، لبنان
- ۱۵۳- پروفیسر ڈاکٹر شیخ وہبہ مصطفیٰ الزحیلی  
سربراہ شعبہ فقہ اسلامی یونیورسٹی آف دمشق، شام
- ۱۵۴- پروفیسر ڈاکٹر یحییٰ محمود بن جنید  
سیکرٹری جنرل شاہ فیصل سنٹر برائے تحقیق علوم  
اسلامی، سعودی عرب
- ۱۵۵- ڈاکٹر یوسف مرعی  
اسپیشل اسکالر رائل اہل بیت انسٹیٹیوٹ برائے فکر  
اسلامی، اردن
- ۱۵۶- پروفیسر ڈاکٹر ہشام نشاہ  
چیئر مین بورڈ آف ہائیر ایجوکیشن، سربراہ جمعیت  
مقاصد خیریتہ اسلامیہ، لبنان
- ۱۵۷- امام یحییٰ سیرجیویا ہی بالافیشینی  
نائب صدر CO.RE.IS اٹلی، چیئر مین ISESCO،  
مشیر وزیر داخلہ برائے امور مسلمین، اٹلی
- ۱۵۸- الحاج یوسف مہتما سولی  
سابق نمائندہ نائیجیریا برائے اقوام متحدہ، سابق وزیر نیشنل  
گائیڈنس، نائیجیریا

سربراہ سے لے کر تمام قابل ذکر گرجوں کے سربراہوں اور ممتاز مسیحی علماء اور قائدین نے اس اقدام کو خوش آمدید کہا اور سراہا۔ اس سلسلے میں ایک ویب سائٹ بنائی گئی ہے جس میں مکتوب کا متن، مختلف زبانوں میں اس کے تراجم، پوری دنیا میں اس کی بازگشت اور عالم مسیحیت کے وسیع ردعمل کا ریکارڈ موجود ہے۔ ویب سائٹ یہ ہے:

<http://www.acommonword.com>

اس مثبت ردعمل کو دیکھ کر ہمیں حکیم الامت علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آتا ہے:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے  
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے (۱۸)

## ایک مختصر تبصرہ

عالم اسلام کے مذکورہ بالا اقدامات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حالات جیسے بھی کیوں نہ ہوں اگر کچھ لوگ سلیقے سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہیں تو تاثیر ضرور ہوتی ہے اگرچہ اہل ایمان کی ذمہ داری صحیح راستے پر صحیح انداز سے قدم بڑھاتے رہنا ہے تاثیر اور نتیجہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے اس باب کے شروع میں عرض کیا ہے انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خاتمے اور مذاہب و تہاذیب کے مابین مکالمے کے حوالے سے ہم نے چند ایک اقدامات کو بطور مثال پیش کیا ہے ورنہ داخلی طور پر افراط و تفریط کا مقابلہ کرنے اور خارجی طور پر اسلام کا درست تشخص واضح کرنے کے لئے کئی ایک اقدام کیے گئے ہیں اور کئی ایک تحریکیں معرض وجود میں آئی ہیں۔ اسلام کی اعتدال پسندی کی روش کو واضح کرنے کے لئے مصر میں تنویر اسلامی، ملائیشیا میں الاسلام الجھاری اور انڈونیشیا میں رحمۃ للعالمین کی تحریکوں کا بھی مثال کے طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں ترکی، شام، تیونس، مراکش اور متحدہ عرب امارات میں بھی سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر ایسے اقدامات کیے گئے ہیں جن کا مقصد اسلام کی حقیقی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔

یہاں اس امر کا تذکرہ بھی اہمیت رکھتا ہے کہ بعض مسیحی اور یہودی رہنماؤں اور اداروں نے بھی بعض امور میں پیش قدمی کی ہے۔ اس ضمن میں چرچ آف انگلینڈ کے سربراہ ڈاکٹر روون ولیمز کا وہ بیان قابل ذکر ہے جس میں انھوں نے برطانیہ میں اسلامی شریعت کے بعض قوانین سے مسلمان آبادی کے لئے استفادے کی وکالت کی تھی۔ شدید مخالفت کے باوجود وہ اپنے موقف پر قائم رہے ہیں۔ ایسے اقدامات اور موقوفات آئندہ کے انسانی معاشرے کے لئے نشاط انگیز پیغام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

انتہا پسندی و دہشت گردی: عالم اسلام کے چند اہم اقدامات

## حواشی

(۱) <http://search.jang.com.pk/print.asp?nid=282314&param=tbl>

(۲) <http://www.arabnews.com> (21 نومبر 2008)

(۳) <http://www.commongroundnews.org/article.php?id=23>

600&lan=ur&sid=1&sp=0

(۴) <http://www.bbc.co.uk/urdu/regional/story>

/2008/11/081114\_conference\_ends\_as.shtml

(۵) <http://daily.urdupoint.com/Live-News.php?page1=2&page=1&date1>

=2006-12-24&cat\_id=2&news\_id=16464

(۶) <http://www.geoworldonline.com/Urdu/newsDetail.php?uID=1587>

(۷) <http://www.jamaaturdu.org/mazameen/default.php?>

path-2007-02-10-12-27.xml

(۸) اسلام اور دہشت گردی (اسلام آباد: اسلامی نظریاتی کونسل، ۲۰۰۵ء) ص ۳۱-۳۲۔

(۹) <http://search.jang.com.pk/print.asp?nid317551&param=tbl>

(۱۰) نادر شاہ عادل، مقالہ ”پروفیسر سیمونل ہیننگٹن“ سنڈے ایکسپریس، ۱۱ جنوری ۲۰۰۹ء، اسلام آباد

(۱۱) وحدت اسلامی، جنوری، فروری ۱۹۹۹ (اسلام آباد: دفتر ثقافتی قونصلر اسلامی جمہوریہ ایران)، ص ۱۸-۱۹۔

(۱۲) <http://dialoguefoundation.org>

(۱۳) (البقرہ ۲: ۲۵۶)

(۱۴) (النحل ۱۶: ۱۲۵)

(۱۵) <http://www.islamicmagazine.com/letter/pdf/arabic.pdf>

(۱۶) (آل عمران ۳: ۶۴)

(۱۷) <http://www.acommonword.com/index.php?lang=en&page=downloads>

[http://en.wikipedia.org/wiki/a\\_common\\_word\\_betwen\\_us\\_and\\_you](http://en.wikipedia.org/wiki/a_common_word_betwen_us_and_you)

(۱۸) اقبال، بانگ درا، نظم (جواب شکوہ)، (لاہور: ادارہ اہل علم، ہما بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، ۲۰۰۵ء)، ص ۲۴۷۔



باب نہم:

## اسلامی نظریاتی کونسل کی کوششیں

دہشت گردی کے مسئلہ پر غور و فکر کے لیے تشکیل دیئے گئے، مباحثہ گروپ کے، اسلامی نظریاتی کونسل کے میٹنگ ہال میں ۲۔ نومبر ۲۰۰۲ء اور ۱۰ جنوری ۲۰۰۵ء کو جناب چیئر مین کونسل ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے زیر صدارت دو اجلاس منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں میں دہشت گردی کے مسئلہ پر مندرجہ ذیل جہتوں سے غور کیا گیا۔

### ۱۔ دہشت گردی کیا ہے؟

دہشت گردی کسے کہتے ہیں؟ اس کی تعریف کیا ہے؟  
دہشت گردی انگریزی لفظ Terrorism کا ترجمہ ہے۔ انگریزی لغت کی کتابوں میں Terror کے بارے میں جو وضاحت ملتی ہے، وہ کچھ اس طرح ہے:

"Intense fear, a person or thing causing intense fear, the quality of causing such fear, terribleness." (۱)

”شدید خوف، سخت خوف کا موجب کوئی شخص یا کوئی شے، یا اس درجے کا خوف پیدا کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہونا، پُر مصائب۔“  
اور Terrorism کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"The act of terrorizing, use of force or threats to demoralize, intimidate, and subjugate especially such as a political weapon or policy, the demoralization and intimidation produced in this

way."(۲)

”خوف زدہ کرنے کا عمل کسی کو ہراساں کرنے کے لیے طاقت کا استعمال، سیاسی ہتھیار یا سیاسی پالیسی کے طور پر خوف زدگی کی ترغیب یا نفاذ، ڈر کے تحت ہراساں کر کے ترغیب دینا۔“

ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"Terrorism is a deliberate, unjustifiable and random use of violence for political ends against protected persons." (۳)

”تحفظ یافتہ افراد کے خلاف اچانک غیر منصفانہ طریقے سے جان بوجھ کر طاقت کا استعمال دہشت گردی ہے۔“

مشہور امریکی مصنف ہیننگٹن نے دہشت گردی کے بارے میں لکھا ہے:

”یہ محرومی اور بے بسی کے جواب میں سیاسی مقاصد کے لیے قوت کا ایسا استعمال ہے، جس کا ہدف کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرنا نہ ہو بلکہ مقابل قوت کو متوجہ بلکہ خائف کرنے کے لیے کوئی ایسی چونکا دینے والی کارروائی کرنا ہے، جو نقصان بھی پہنچائے اور توجہ کو اسی مقصد کی طرف مبذول کرانے کا ذریعہ بنے، جس کے لیے تشدد کا ارتکاب کیا گیا ہے، اسی لیے اسے طاقتور کے مقابلے میں کمزور کا ہتھیار کہا گیا ہے۔“ (۴)

Oxford Concise Dictionary of Politics نے اسے زیادہ بہتر انداز میں بیان کرنے کی

کوشش کی ہے:

”خوف اور ہنگامی حالت پیدا کرنے کے لیے تشدد کی دھمکی دہشت گردی کہلاتی ہے۔ اکثر دہشت گرد سیاسی موجبات کو تقویت دینے کے لیے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سخت اور وحشیانہ تشدد، دہشت گردی کی ذیل میں آتے ہیں۔ اس عمل میں قتل، اغوا، ہائی جیکنگ اور سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے بم کا استعمال بھی شامل ہے۔ سیاست دانوں اور ذرائع ابلاغ کے زیر استعمال آنے کے بعد یہ لفظ اپنی اصل ہیئت میں ہر قسم کے سیاسی تشدد کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔ خاص کر انقلابی اور گوریلا جنگی حکمت عملی کے ضمن میں مکمل جنگ کے علاوہ دیگر تمام پُر تشدد سیاسی اقدامات دہشت گردی

کے مترادف ہیں۔“

امریکی دانشور نوم چومسکی کہتا ہے:

”دہشت گردی، تشدد یا تشدد کی دھمکی کا نپاتلا استعمال ہے، جو دباؤ ڈال کر اور جبر و خوف پیدا کر کے سیاسی، مذہبی یا نظریاتی نوعیت کے اہداف حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔“ (۵)

ان تمام تعریفوں میں ہر ایک نے اپنے اپنے نقطہ نظر کو بیان کیا ہے، تاہم ان سب میں جارحیت اور تشدد کا مفہوم پایا جاتا ہے، جو سب سرگرمیوں میں قدر مشترک ہے۔ ہر ایسی جارحانہ اور پر تشدد کارروائی، جس سے سیاسی و معاشی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، دہشت گردی کہلائے گی۔

دہشت گردی ایک ایسا عمل ہے، جس میں منصوبہ بندی کے ساتھ تشدد اور تباہی کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ بے گناہ شہریوں کے خلاف طاقت کے ایسے استعمال یا استعمال کی دھمکی کو دہشت گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو کسی سیاسی یا معاشرتی تبدیلی لانے کی غرض سے ہو۔ کسی حکومت کو دھمکانے، خوف زدہ کرنے اور اپنے سیاسی اور معاشرتی مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے، اس حکومت کی شہری آبادی یا اس کے کسی حصے کی جان و مال کے خلاف تشدد کا غیر قانونی استعمال دہشت گردی ہے۔

حیاتیاتی، کیمیائی یا جوہری ترکیبوں کے علاوہ سیاسی بنیاد پر کیے جانے والے قتل بھی دہشت گردی ہیں۔ ان تمام جنگی جرائم کو بھی دہشت گردی شمار کیا گیا ہے، جن کا دنیا کی اکثر حکومتوں خاص طور پر بڑی طاقتوں نے ارتکاب کیا ہے۔

دہشت گردی کی یہ مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، تاہم دنیا ابھی تک دہشت گردی کی کوئی قابل قبول تعریف متعین نہیں کر سکی، جسے عالمی سطح پر یکساں پذیرائی حاصل ہو۔ کیا آزادی کی تحریکوں کی پر تشدد کارروائیوں کو بھی دہشت گردی کہا جائے گا؟ اس سوال کے جواب پر اتفاق رائے مشکل نظر آتا ہے۔

## ۲۔ دہشت گردی کی تاریخ

دہشت گردی (Terrorism) یا دہشت گرد کے الفاظ کو پہلی مرتبہ مارچ ۱۷۷۳ء سے جولائی ۱۷۹۴ء تک فرانسیسی حکومت کے برپا کیے ہوئے عہد دہشت کے لیے مثبت معنوں میں استعمال کیا گیا۔ حکومت مخالف سرگرمیوں کے اظہار کے لیے دہشت گرد کا لفظ ۱۸۲۶ء میں آئرلینڈ اور ۱۸۸۳ء میں روس کے حوالے سے تحریری شکل میں آیا۔

۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء کی دہائی میں زیر زمین کام کرنے والے یہودیوں کو دہشت گرد کہا جاتا تھا اور اس کے بعد تو یہ لفظ اس قدر کثرت سے استعمال ہونے لگا کہ زبان زد عام و خاص ہو گیا، شاید اس لیے کہ دنیا میں ہر طرف دہشت گردی کی واردات کثرت سے ہونے لگی ہیں۔

### ۳- دہشت گردی کے عناصر

دہشت گردی کے حسب ذیل تین عناصر ہیں:

- ۱- master mind، جو منصوبہ بندی کرتا ہے۔
- ۲- facilitator جو سرمایہ اور سہولت فراہم کرتا ہے۔
- ۳- operator جو منصوبے پر کام کرتا ہے۔

### ۴- دہشت گرد کون؟

صرف پاکستان میں دہشت گردی کے واقعات کا جائزہ لیا جائے تو:

- ۱- اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ مختلف ملکی اور غیر ملکی جاسوسی اداروں مثلاً راء، خاد، موساد اور ایف بی آئی نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے دہشت گردی کی وارداتوں کے ذریعہ پاکستان کے مختلف شہروں میں امن و سکون کو تباہ کیا۔
- ۲- اندرون ملک مثلاً بلوچستان میں قومی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے لیے دہشت گردی کی واردات کو باخبر حلقے بعض قبائلی جنگ جوؤں اور ”را“ کی کارروائی قرار دیتے ہیں۔
- ۳- بعض قوم پرست تنظیمیں بھی اس قتل و غارت میں شریک رہی ہیں۔
- ۴- باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ سیاسی اور فوجی دونوں طرح کے حکمرانوں نے اپنی سیاسی کارروائیوں کے لیے بھی پاکستان میں دہشت گرد عناصر کی سرپرستی کی۔
- ۵- مختلف مذہبی جماعتوں نے جو عسکری تنظیمیں قائم کیں، وہ دہشت گردی میں ملوث پائی گئی ہیں۔

### ۵- دہشت گردی کی مختلف صورتیں

- ۱- ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۶ء کے درمیان میں ملک میں ایک ہزار سے زیادہ دھماکے ہوئے۔

۲۔ مذہبی اور سیاسی شخصیات و اجتماعات سے لے کر صدر، وزیراعظم، قومی و فوجی رہنماؤں، قومی اہمیت کی تنصیبات اور ضروری سہولتوں کی فراہمی کے مراکز تک کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔  
دہشت گردی کے ان واقعات کے تجزیہ میں دہشت گردی کے ممکنہ مقاصد پر بھی غور کیا گیا تو مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد کی نشاندہی ہوئی:

## ۶۔ اغراض و مقاصد

- ۱۔ خوف و ہراس کی ایسی فضا پیدا کرنا، جس سے مطلوبہ مقاصد حاصل کیے جاسکیں۔
  - ۲۔ ان مقاصد میں سیاسی، معاشی اور مذہبی پہلو شامل ہیں۔
  - ۳۔ بعض اوقات ذاتی مقاصد کے لیے بھی دہشت گردی کی جاتی ہے، جیسے ذاتی دشمنی کا انتقام، ڈکیتی وغیرہ۔
  - ۴۔ جماعتیں، حکومتیں اور قومیں بھی اپنے مخصوص مقاصد کے لیے دہشت گردی کی کارروائیاں کرتی ہیں۔
  - ۵۔ دہشت گردی کے بعض واقعات غیر ملکی مفادات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، مثلاً ایسے حالات پیدا کرنا جن میں حکمران اپنے ملک میں قدم مضبوط کرنے کی بجائے عوامی مخالفت میں اس طرح گھرے رہیں کہ ان کی بقا کی ضمانت غیر ملکی مفادات کی رکھوالی ہی میں نظر آئے۔
  - ۶۔ حکومت کو دہشت گردانہ کارروائیوں سے زیر عتاب اور انڈر پریشر رکھ کر عالمی کردار سے محروم رکھا جائے۔
  - ۷۔ بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ پوری دنیا پر امریکی بالادستی کا منصوبہ نڈل ایسٹ میں تیل کی دولت پر قبضہ کے لیے اور مغربی دنیا کی تہذیب کو اسلامی ممالک میں ٹھونسنے کے لیے ہے۔ امریکی بالادستی کے اس منصوبے کی مخالفت کو دہشت گردی کا نام دیا جا رہا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ خود دہشت گردی کی شکل اختیار کر چکی ہے۔
- ان مباحث پر مشتمل ایک رپورٹ ”اسلام اور دہشت گردی اسباب، تجزیات، سفارشات“ کے زیر عنوان اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے 2006ء میں شائع کی گئی ان مباحث کے ساتھ ساتھ کونسل نے بین المذاہب ہم آہنگی، اسلام اور مغرب اور ذرائع ابلاغ میں اسلام کے خلاف پراپیگنڈے کے موضوعات پر بھی مذاکرات کا

اہتمام کیا۔ ۳ فروری ۲۰۰۹ء کو ایک گول میز مذاکرے کا اہتمام کیا جس میں اسلام آباد میں متعین سفرائے کرام، علماء و دانشوروں اور صحافیوں کے مابین مکالمے کا اہتمام کیا تاکہ عالم اسلام کو درپیش مسائل پر باہمی گفتگو ہو۔ اس مذاکرے میں بھی دہشت گردی بحث کے موضوعات میں شامل رہا اور جو سفارشات مرتب ہوئیں ان میں بھی انتہا پسندی اور دہشت گردی کا ذکر رہا۔ اس مذاکرہ کی بعض سفارشات اگلے باب میں شامل ہیں۔

## حواشی

- ۱- Webster's New World College Dictionary, (Third Edition) USA, Macmillan 1997.p.1382.
- ۲- Ibid
- ۳- The World Book Encyclopedia, Chicago (Field enterprise) Education Corporation, 1998, 19/178.
- ۴- Encyclopedia of knowledge / Grolier Danbury, Conn.: Grolier, 1991.
- ۵- حقانی، ارشاد احمد، ”کیا نوم چومسکی انسان سے مایوس ہو رہے ہیں؟“ روزنامہ جنگ لاہور (کالم: حرف تمنا) ۸ نومبر ۲۰۰۱ء۔

باب دہم:

## سفارشات

دہشت گردی کے مسئلے پر ۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۵ء میں کونسل کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے گروپ مباحثوں میں بحث کے دوران اس بات پر زور دیا گیا کہ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کے اسباب پر غور کیا جائے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل باتیں سامنے آئیں:

### اسباب و وجوہات

- ۱- جب کسی شخص کے بنیادی حقوق غصب کیے جائیں، تو وہ تنگ آکر ان حقوق کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب اسے ہر طرف سے مایوسی ہوتی ہے، تو مایوسی کے عالم میں وہ سوچتا ہے کہ اپنے آپ کو ختم کر دے اور ساتھ ہی حقوق غصب کرنے والے غاصب کو بھی ختم کر دے۔
- ۲- دہشت گردی کی بنیادی وجہ ملکی و بین الاقوامی سطح پر غیر منصفانہ نظام ہے۔ غیر منصفانہ نظام ہمیشہ مایوسی کو جنم دیتا ہے اور انسان جب مایوسی میں مبتلا ہو تو وہ کسی بھی اقدام سے دریغ نہیں کرتا۔
- ۳- ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ملک میں قانون کی حکمرانی اور سیاسی نظام مستحکم نہیں ہے، جب تک یہ مستحکم نہیں ہوگا، دہشت گردی ختم نہیں ہوگی۔
- ۴- بعض مذہبی طبقات کا اپنی رائے پر شدت سے اصرار کرنا اور فرقہ واریت کو پروان چڑھانا بھی دہشت گردی کا ایک سبب ہے۔
- ۵- قوت کے ذریعے اختیارات کے حصول کا جذبہ بھی داخلی انتشار اور دہشت گردی کو جنم دیتا ہے۔
- ۶- مختلف طبقات پر مظالم بھی دہشت گردی کا سبب بنتے ہیں۔

- ۷۔ محروم طبقات اپنے مطالبات منوانے کے لیے دہشت گردی کو استعمال کرتے ہیں۔
- ۸۔ اب یہ بات کوئی راز نہیں کہ بعض ممالک اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے ہمارے پڑوسی ممالک کی مدد سے دہشت گردانہ کارروائیوں کی سرپرستی کرتے رہے ہیں۔
- ۹۔ دہشت گردی کا ایک بڑا سبب عالمی صورت حال بھی ہے کہ مسلمانوں کے وسائل پر ناجائز قبضہ کرنے کے لیے بعض مسلمان ممالک کو آلام و مصائب کا تختہ مشق بنایا گیا تو رد عمل کے طور پر دہشت گردی نے جنم لیا۔

## تجاویز و سفارشات

- ۱۹۸۰ء کے بعد خصوصاً ۱۹۹۰-۲۰۰۵ء تک کے واقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد شریک بحث دانشوروں نے وطن عزیز سے دہشت گردی اور تخریب کاری کے خاتمہ کے لیے حسب ذیل تجاویز و سفارشات پیش کیں:
- ۱۔ دہشت گردی کے واقعات کا حقیقی سرا ملک سے باہر ہے، عالمی منظر نامے میں اس کا سراغ لگانے، دہشت گردی کی کارروائیوں کی ڈور ہلانے اور ان کی منصوبہ بندی کرنے والے ذہن پر نظر رکھنا از بس ضروری ہے۔
- ۲۔ تمام مسلم ممالک کو دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے مل جل کر متفقہ لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ اس کے لیے او آئی سی میں ماہرین کی ایک خصوصی کمیٹی قائم کی جائے۔
- ۳۔ دہشت گردی کو جہاد کا نام دینے یا اس بنیاد پر جواز فراہم کرنے کو سختی سے روکا جائے۔
- ۴۔ مذہبی گروہوں کی قیادت کو بقائے باہمی اور رواداری کے اصولوں پر پختہ معاہدے کا پابند کیا جائے اور بیرونی مداخلت کے دروازے بند کیے جائیں۔
- ۵۔ ہر قسم کے جلسے جلوسوں کو اپنی اپنی آبادیوں میں محدود کر دیا جائے۔
- ۶۔ مسلک کی تبلیغ کو مسجدوں اور امام باڑوں تک محدود کر دیا جائے۔ غیر مسلکی مساجد اور مدارس کو رواج دیا جائے۔
- ۷۔ سیاسی نظام مستحکم کیا جائے، ہر علاقے میں برابر ترقیاتی کام ہوں، مستحق لوگوں کو ان کے جائز حقوق دیئے جائیں۔ معاشی مفادات، ملازمتیں اور شہری سہولتیں بہم پہنچتی رہیں تو تخریب کاری ختم کرنے میں مدد ملے گی۔
- ۸۔ مذہبی اور نسلی تفریق کو ختم کیا جائے۔
- ۹۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ختم کی جائیں۔
- ۱۰۔ حکومت سارک ممالک کی سطح پر محققین، دانشوروں، مبصرین، بیوروکریٹس، فوج، پولیس اور ناہرین جرمیات کی ایک کونسل تشکیل دے، جو ان محرکات و عوامل کا پتہ چلائے، جو دہشت گردی کو جنم دیتے



ہیں۔ یہ کونسل یہ بھی طے کرے کہ وہ کون سی واردات ہے، جو دہشت گردی ہے اور کون سی ہے، جو دہشت گردی نہیں ہے۔

- ۱۱۔ وزارت داخلہ کو پرائیویٹ سراغ رسانی کے لائسنس جاری کرنے چاہئیں، جو انفرادی اور تنظیمی سطح پر ہوں تاکہ پوشیدہ چہرے سامنے آسکیں اور دہشت گردی کا انسداد کیا جاسکے۔
- ۱۲۔ دہشت گردی و تخریب کاری میں ملوث کیمپوں کو ختم کیا جائے۔
- ۱۳۔ قومی اٹیلی جنس اداروں بالخصوص ایف آئی اے، آئی بی، آئی ایس آئی اور ایم آئی وغیرہ کا ازسرنو جائزہ لے کر انہیں مضبوط بنایا جائے تاکہ دہشت گردوں کی سیاسی سرپرستی کا انسداد ہو سکے۔
- ۱۴۔ قومی میڈیا کو نظم و ضبط اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے، واقعات اور شخصیات کے بارے میں سنسنی خیزی پھیلانے کی بجائے عوام کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دینی چاہیے۔
- ۱۵۔ دینی اداروں کی اصلاح کی طرف بھی بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔
- ۱۶۔ چھوٹے گروہوں کی طرف سے محدود تشدد کے واقعات پر ضرورت سے زیادہ رد عمل ظاہر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے قومی یگانگت اور حکومت پر عوام کے اعتماد کو ٹھیس پہنچ سکتی ہے۔
- ۱۷۔ انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالتوں کو مزید مستحکم کیا جائے اور دہشت گردی کے مقدمات کو کسی خوف یا حمایت کے بغیر منطقی انجام تک پہنچایا جائے۔
- ۱۸۔ ملکی سرحدیں متعین اور مکمل طور پر بند ہونی چاہئیں اور قبائلی علاقوں کو مکمل طور پر ریاست کی حدود کے اندر شامل کرنا چاہیے۔
- ۱۹۔ علماء کرام کو آگے بڑھ کر ملک میں اتفاق و اتحاد اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا کرنے میں خصوصی کردار ادا کرنا چاہیے۔ مساجد میں فرقہ واریت اور مذہبی منافرت کے خلاف تعلیم دی جائے۔
- ۲۰۔ اپنے اپنے علاقوں میں قانون اور امن عامہ کی صورت حال کی نگرانی کے لیے وفاقی، صوبائی، ڈویژنل اور ضلعی سطحوں پر تحفظ امن کمیٹیاں بنائی جائیں۔
- ۲۱۔ بیرون ملک سے آنے والوں کے سامان اور سفری دستاویزات کو بہت احتیاط کے ساتھ چیک کیا جائے۔
- ۲۲۔ اختلاف کو برداشت کرنے کی ثقافت کو فروغ دیا جائے۔ اختلاف کو منافرت، تشدد اور دہشت گردی کو جواز نہ بننے دیا جائے۔

## گول میز کانفرنس کی سفارشات

۳ فروری ۲۰۰۹ء کو اسلامی نظریاتی کونسل کے زیر اہتمام پاکستان میں متعین سفرائے کرام، علماء، دانشوروں اور صحافیوں پر مشتمل گول میز کانفرنس کے شرکاء نے امریکہ میں صدارتی انتخابات کے پس منظر میں بین الاقوامی تعلقات میں خوشگوار تبدیلی کے تصور سے اتفاق کیا۔ انھوں نے امن کے عزم کو ایک اہم پیش قدمی کے طور پر سراہا لیکن اس امر پر زور دیا کہ مسلمان اور مغربی ممالک اپنی پالیسیوں اور مستقبل کی حکمت عملیوں پر نظر ثانی کریں تاکہ امن کا حصول ممکن ہو سکے۔ عام تاثر یہ تھا کہ انیسویں صدی سے انسانیت امن کے قیام کے لئے ارادے کرتی رہی ہے لیکن بد قسمتی سے اسے جنگوں، تشدد اور بڑے پیمانے پر تباہی کا سامنا کرنا پڑا ہے جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ شرکاء کے نقطہ نظر کے مطابق عموماً حفظ ماقدم اور تصادم کے تناظر میں عمومی خارجہ پالیسیاں تشکیل دی جاتی ہیں اور اب انھیں امن کے تناظر میں تبدیل کیا جانا چاہیے۔ دنیا تیزی سے ایک ایسی عالمگیریت کی جانب گامزن ہے جس کے سبب باہمی انحصار، تعاون اور باہمی اعتماد کی بنیاد پر تعلقات پیدا ہو رہے ہیں۔ معاشیات اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں پہلے ہی سے یہ امر واضح ہے۔ اس نئی عالمگیر حقیقت کے پیش نظر حصول غلبہ کی خواہش پر مبنی تعلقات نقصان دہ ہیں۔ ابھرتی ہوئی عالمگیریت میں یک قطبی یا دو قطبی دنیا کا تصور ناقابل عمل ہے۔ یہ پہلے سے ہی کئی قطبوں کی حامل ہے۔ نتیجتاً ایک ایسے نئے تصور کی ضرورت ہے جس میں جنگ اور تصادم کے صدیوں پرانے اصول کو جراثمدانہ انداز سے خیر باد کہہ دیا جائے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تشدد کی ان نئی صورتوں کے خلاف روایتی جنگ اب مؤثر نہیں رہی ہے۔ روایتی جنگ نہ صرف اپنے اہداف کے حصول میں ناکام رہی ہے بلکہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ تباہ کن بھی ہے۔ دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے نئی حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ ریاستوں کی جانب سے دہشت کے استعمال نے دہشت گردی کی ساکھ کو تقویت دی ہے جس کے سبب تشدد کی مزید صورتوں نے جنم لیا ہے۔

مسلمانوں اور مغربی ممالک کے درمیان خراب تعلقات، مغربی معاشروں میں پایا جانے والا اسلام سے بے جا خوف اور مغربی میڈیا کی جانب سے اسلام اور مسلمانوں کی بگڑی ہوئی تصویر کی عکاسی کا اسلامی نظریاتی کونسل انتہائی فکر مندی کے ساتھ مشاہدہ کرتی رہی ہے۔ کونسل کے زیر اہتمام ”اسلام اور مغرب“ کے عنوان سے ایک منصوبہ روبہ عمل ہے۔ عوامی رابطوں کے ایک سلسلے کا اہتمام کیا گیا جس میں جرمنی، سپین، اٹلی، برطانیہ، امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک کی مسلمان برادریوں کے نمائندوں اور اسکالرز نے مسلمان برادریوں کے مسائل پر بحث کی۔ ان مباحث میں نہ صرف ان ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کو درپیش مسائل اور چیلنجوں کی اہمیت پر زور دیا گیا بلکہ آزاد اور پر امن ماحول کی ضرورت کو بھی اجاگر کیا گیا۔ مزید برآں، ان مباحث میں اس امر پر زور دیا گیا کہ اسلام اور مغرب اب علیحدہ علیحدہ اکائیاں نہیں ہیں بلکہ لوگوں کی ایک

کثیر تعداد نے باہمی اعتماد اور ہم آہنگی کے حصول میں کامیابی حاصل کی ہے۔ مغرب میں اسلام کے خلاف پائے جانے والے بے جا خوف میں مبتلا افراد کی تعداد بہت کم ہے۔ اسلام اور مغرب کا خوف جس کا مسلمان اور مغربی ممالک میں میڈیا کی جانب سے پروپیگنڈا کیا جاتا ہے، بد قسمتی سے نفرت اور تشدد کو جنم دے رہا ہے۔ ۳ فروری ۲۰۰۹ء کی گول میز کانفرنس انہی مباحث کا حصہ ہے جو اسلام اور مغرب کے موضوع پر منعقد کیے گئے ہیں۔ ذیل میں ان چند نکات کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس گول میز کانفرنس میں سامنے آئے، اس امید کے ساتھ کہ یہ مستقبل کی منصوبہ سازی کے لئے مددگار ہوں گے:

## تشدد اور دہشت گردی

مسلمان اور مغربی ممالک کو تناؤ کے حسب ذیل شعبوں پر توجہ دینی چاہیے جن سے تشدد اور دہشت گردی جنم لے رہی ہے اور نتیجتاً مسلمان اور مغربی ممالک کی امن کوششوں میں رکاوٹ کا باعث ہیں۔

(۱) فلسطین و کشمیر میں بڑے پیمانے پر لوگوں کے حقوق کی پامالی، اسرائیل اور بھارت کی ریاستوں کی جانب سے دہشت اور طاقت کا استعمال بالخصوص نوجوانوں میں مایوسی اور عسکریت پسندی کا رجحان پیدا کر رہا ہے۔

(۲) آزادی کے تصور اور حقوق کی غلط توضیح بعض لوگوں میں خوف اور پریشانی کا احساس پیدا کر رہی ہے۔

(۳) دوسرے مذاہب اور ثقافتوں کے بارے میں لاعلمی یا مناسب معلومات کی کمی باہمی ہم آہنگی کے مقصد کے حصول میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ نظام تعلیم ایسا نہیں ہے جو تنوع کا احترام سکھائے اور برداشت کی تعلیم دے۔

(۴) معیشت، سائنس، ٹیکنالوجی اور بین الاقوامی تعلقات بالخصوص اقوام متحدہ اور سیکورٹی کونسل میں بالادستی پر مبنی عالمگیریت سے غربت، استحصال اور سیکورٹی کے تناؤ کے حوالے سے خوفناک خلا پیدا ہو رہا ہے۔

## مشترکہ اہداف

اس گول میز کانفرنس میں حسب ذیل اہداف کی نشاندہی کی گئی:

وہ مشترکہ اہداف جن کے حصول کے لئے مسلمان اور مغربی ممالک میں اتحاد ہونا چاہئے:

☆ غربت کا خاتمہ

☆ ماحول کا تحفظ

- ☆ دہشت گردی اور انتہا پسندی کے اسباب کا خاتمہ  
☆ انسانی وسائل کی ترقی

ایسے اہداف جن کے حصول کے لیے تمام مسلم ممالک کو اپنے طور پر کوشش کرنی چاہیے

- (۱) اچھا طرز حکمرانی
- (۲) قانون کی عملداری
- (۳) عدل و انصاف کی فراہمی
- (۴) تعلیم یافتہ معاشرہ
- (۵) فلاح و بہبود اور ترقی

### مسلم ممالک میں اٹھائے گئے اقدامات

- حکومت پاکستان کی جانب سے روشن خیال اعتدال پسندی اور مصالحت کی مسلسل کوششیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی جانب سے اسلام، مغرب اور بین المذاہب ہم آہنگی کے بارے میں منعقدہ پروگرام۔
- او آئی سی نے مسلم دنیا کے لیے ۱۰ سالہ پروگرام تیار کیا ہے۔
- مسلم ممالک مثلاً سعودی عرب، ایران، پاکستان، قازقستان، مراکش اور دیگر ممالک کی جانب سے اٹھائے گئے کئی اقدامات جن کا مقصد بین المذاہب مکالمہ ہے تاکہ پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کو سمجھا جاسکے۔

ایسے نوجوان جو شدت پسندی میں ملوث ہوں، ان کی کامیاب بحالی کے لئے کئی مسلم ممالک بشمول مصر، سعودی عرب وغیرہ کی جانب سے شروع کیے جانے والے پروگرام۔

### اہم معاملات کی نشاندہی

- گول میز کانفرنس میں بعض دوسرے معاملات کے علاوہ درج ذیل ایسے معاملات کی نشاندہی کی گئی جن کے بارے میں مسلم ممالک اور مغربی ممالک کی فوری توجہ درکار ہے۔ ایسے معاملات کا عمیق جائزہ اور ان پر مکمل تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ اسباب کی نشاندہی کی جاسکے اور مستقبل کے لیے حکمت عملی تجویز کی جاسکے۔
- دہشت گردی بشمول ریاستی دہشت گردی

- اسلام سے خوف
- طرز حکومت
- غربت
- غلبہ پر مبنی عالمگیریت

## مجوزہ حکمت عملی: دہشت گردی: تعین کردہ اسباب

- دہشت گرد اکثر اپنے اقدامات کے لیے جواز کے طور پر مشرق وسطیٰ میں کشیدگی کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کشیدگی کا باعث پہلے برطانوی اور پھر امریکی خارجہ پالیسی ہے۔
- اسرائیل اور بھارت کو نا انصافی پر مبنی امتیاز دینے کی پالیسی۔
- مغرب میں مصلحت اندیش قیادت کی کمی۔
- جنگ سے امن کی جانب پیش رفت کی اصولی دشواریاں جو فقط طاقتور کے لئے قابل عمل ہیں۔
- قومی مفادات پر خارجہ پالیسی کا انحصار۔
- مشرق وسطیٰ میں بحران کے حل کے لیے مسلم ممالک کے لئے مشاورتی یا مؤثر کردار کی عدم موجودگی۔

## مجوزہ اقدامات

- جنگی جرائم کی مرتکب ریاستوں سے باز پرس۔
- سیکورٹی کونسل میں مسلمانوں کی مؤثر رکنیت۔
- عراق، افغانستان، فلسطین اور کشمیر کے متاثرہ علاقوں میں امن کے حصول کے لئے ہمسایہ ممالک کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے علاقائی بنیادوں پر ہمسایوں کو اس عمل میں شریک کیا جانا چاہیے، پاکستان میں فوجی مداخلت کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے۔

## حکمت عملی کے خطوط

- مسلمان آبادی کا قلیل حصہ دہشت گردی میں ملوث ہے۔ دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے اس وقت جو اقدامات کیے جا رہے ہیں وہ ناموزوں ہیں اور ان حکمت عملیوں کے خلاف مایوسی پیدا کر رہے ہیں۔ بعض اوقات دہشت گرد اس مایوسی کو اپنے مفادات کے استعمال کرتے ہیں۔

- دہشت گرد ذہنی طور پر یرغمال نوجوان تصور کیے جائیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس امر میں سہ مرحلہ حکمت عملی کی ضرورت ہے۔
- ۱ اُن ممکنہ وجوہات کا خاتمہ جو نوجوانوں کی ذہنی گمراہی کا باعث بنتی ہیں۔
- ۲ ان نوجوانوں کی بحالی، ان کے برتاؤ اور رویوں میں عقل کے استعمال کے لئے مدد کی جانی چاہیے اور ان کے لیے ماحول مہیا کیا جانا چاہیے تاکہ وہ اپنے آپ کو سدھار سکیں۔
- ۳ بحالی کے بعد ان کی پیش رفت کی نگرانی۔
- دہشت گردی کے خلاف جنگ نئے اصولوں کی متقاضی ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ جنگ کے بجائے امن کی کوششوں کی جانب توجہ مبذول کی جائے۔
- ایسے ممالک جو دہشت گردی سے متاثر ہیں انہیں یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنا مسئلہ خود حل کریں، بین الاقوامی برادری مدد کی پیشکش کر سکتی ہے لیکن براہ راست مداخلت نقصان دہ ہو سکتی ہے۔
- مسلم ممالک کے حق خود ارادیت اور خود مختاری کا احترام کیا جائے۔

## اسلام سے خوف

### مسلم ممالک کے لئے مجوزہ حکمت عملی پر مبنی اقدامات

- اہم مسائل مثلاً جہاد، خلافت، امر بالمعروف اور مذہبی آزادی کے بارے میں انتہا پسندانہ اور مغربی تحریروں کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔
- اسلام کی از سر نو توضیح کے لیے مسلم دنیا میں مضبوط فکری اور علمی بنیاد وضع کرنا۔
- مسلم ممالک میں نظریات کے باہم تبادلے کی حوصلہ افزائی۔
- مسلم ممالک میں ناقدانہ مفکرین کی بہت بڑی تعداد پیدا کرنا۔
- علم کی کمی اور غربت کے باعث مسلمانوں کو پہنچنے والے ضرر سے انہیں باخبر رکھنا۔
- ثقافتی تبادلے، علماء اور مغربی سکالروں کے درمیان باہمی روابط کے ذریعے اسلام کی اصل روح کی ترویج۔
- اپنے آپ پر تنقید اور عوامی سطح پر برداشت کی روایت کی حوصلہ افزائی۔
- انسانی حقوق، خواتین کو با اختیار بنانے، غیر مسلم اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرنے، تقریر، جمعیت اور مجلس کی آزادی کے بارے میں مباحث کا آغاز۔

- آزاد اور معتبر میڈیا کا فروغ۔

مغربی ممالک کے لئے مجوزہ اقدامات

- سیاسی تعصب کے بغیر اسلام کی تفہیم۔

- مذہب کے مثبت کردار کا اعتراف۔

- مغرب میں اسلام کے ممکنہ کردار پر نظر ثانی تاکہ یہ مسلم اور مغربی ممالک کے درمیان فاصلوں کو کم کر سکے۔

- تہذیب کی ترقی میں اسلام کے کردار کی قدر دانی۔

- مسلم ممالک کے نقطہ نظر کو سننا نہ کہ ان کو خارجہ پالیسی کے لئے ہدایات دینا۔

- شعائر اسلامی کی تعظیم۔

- با مقصد تعلقات کے لئے پر خلوص انداز میں پالیسیوں کا تعین۔

- مسلمان آبادی کو اقلیت کے طور پر نہیں بلکہ اپنی تہذیب کے ایک حصے کے طور پر تسلیم کرنا۔

- مشترکات کی بنیاد پر تعلقات وضع کرنا اور ان کو مضبوط بنانا۔

- کثیرالفریقی سیاست اور پالیسیوں کو اختیار کرنا۔

- نظریاتی اداروں کا قیام۔

- بہتر تفہیم کے لیے ثقافتی تبادلے۔

## طرز حکمرانی اور غربت

- آمرانہ حکومتوں کی حمایت سے انکار۔

- مدنی معاشروں کو مستحکم کرنا۔

- ایسی حکومتوں کی حمایت کرنا جو نا انصافی، غربت اور استحصال کے خاتمے کے لئے اقدامات کر رہی ہوں۔

- بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرنے والی ریاستوں کی حوصلہ شکنی۔

- عالمی معاشی تنظیموں مثلاً WTO کی تشکیل نو تاکہ تجارت کی غیر منصفانہ شرائط کا تدارک کیا جاسکے اور

امیر اور غریب کے درمیان فرق کم کیا جاسکے۔

- غربت زدہ علاقوں میں تعلیم، معاشی سرگرمی اور صحت کے لئے ضروری بجٹ مختص کرنا۔

- دہشت گردی سے مقابلے کے لیے دہشت گردی کے استعمال کی پالیسی کی ممانعت۔

## بالادستی پر مبنی عالمگیریت

- معاشی، سیاسی اور خارجہ پالیسی کے شعبوں میں مختلف ممالک کے درمیان باہمی انحصار کے اصول کو تسلیم کرنا۔
- کثیر القطبی تعلقات کی ضرورت کو تسلیم کرنا۔
- اقوام متحدہ اور اس کی تنظیموں کی از سر نو تشکیل۔
- ایسے معاشرتی نظام کی جانب پیش قدمی جس میں مختلف ثقافتی اقلیتوں کو اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کا حق ہو۔
- دوسروں کے عقائد کا احترام۔
- متنوع ثقافتوں کی ترویج۔
- مشترکات کی ترویج۔
- اتفاق رائے کے حصول کے لیے اختلافات کا مطالعہ۔

## ترقی کی جانب قدم

- ترقی کی جانب سفر کے لیے ایک بڑی بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے، تصادم کے حل کے لیے نئے طریقے تلاش کرنے چاہئیں۔ شرکاء نے حسب ذیل نقطہ ہائے آغاز کا حوالہ دیا:
- تصادم کی بجائے پرامن حل کا راستہ۔
  - سیکورٹی کی بجائے امن کی حکمت عملی۔
  - تصادم کی بجائے تعاون کا اصول۔
  - بالادستی کی بجائے شراکت کا اصول۔
  - جنگ کی بجائے امن کی حکمت عملی۔
  - تہذیبوں کے ٹکراؤ کے نظریے کی جگہ تہذیبوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کا نظریہ۔



ضمیمہ

غیر متوقع حالات، تیاری اور اقدامات

ضمیمہ

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ  
فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا.

جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے  
کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا  
دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔

(المائدہ: آیت ۳۲)

## غیر متوقع حالات، تیاری اور اقدامات

دہشت گردی کے واقعات بالعموم غیر متوقع ہوتے ہیں تاہم جب ہمیں معلوم ہے کہ یہ بلائے ناگہانی کسی بھی وقت اور کسی بھی مقام پر آسکتی ہے تو اس کے لئے ممکنہ تیاری اور احتیاطی تدابیر عقل و دانائی کا تقاضا ہے۔ اس طرح ہم دہشت گردی کے کسی واقعے کے رونما ہونے کی صورت میں اپنے آپ کو یا اس کے شکار دیگر افراد کو بچانے یا انہیں امداد پہنچانے میں بھی اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ہم نے پہلے سے کچھ تیاری کی ہو اور کچھ ضروری آگاہی حاصل کر رکھی ہو۔ اس مقصد کے لئے ہلال احمر، شہری دفاع اور دیگر متعلقہ اداروں سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اُن کے لٹریچر کا مطالعہ بھی اس کے لئے مددگار ہوگا۔ دہشت گردی نے بعض علاقوں میں کچھ عرصے سے غیر معمولی صورت حال پیدا کر رکھی ہے ایسے میں متعلقہ اداروں کو چاہیے کہ دہشت گردی کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے عوام کی خصوصی تربیت کا اہتمام کریں۔ علاوہ ازیں ذرائع ابلاغ بھی اس کے لئے نہایت اہم اور موثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ذیل میں دہشت گردی اور غیر متوقع حالات کی تیاری کے لئے ریڈ کر اس کی طرف سے جاری کچھ ہدایات قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں:

### تیاری کے لئے آپ کیا کر سکتے ہیں؟

پہلے مرحلہ میں ایسے ممکنہ حادثات کو معلوم کریں۔ ایسے حادثات و واقعات کا تعین کرنے اور اپنی کمیونٹی پر ان کے اثرات کا جائزہ لینے کے بعد اپنے خاندان کے افراد کے سامنے ان کو زیر بحث لائیں۔ اہل خانہ سے مل کر تباہی سے بچاؤ کا منصوبہ تیار کریں۔

## ہنگامی ابلاغ کا منصوبہ وضع کریں

شہر سے باہر کسی ایسے فرد کا انتخاب کریں جو آپ کے گھر کے تمام افراد یا اہل خانہ کو کسی ناگہانی آفت کی صورت میں بذریعہ فون یا ای میل اطلاع دے سکے۔ آپ کا منتخب کردہ فرد آفت زدہ مقام سے دور رہنا چاہیے اور اسے ایسی آفت سے براہ راست متاثر نہیں ہونا چاہیے اور اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسے کس مقصد کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ اس بات کا تعین کر لیں کہ گھر کے تمام افراد کے پاس رابطہ کے لئے منتخب کردہ فرد اور ایک دوسرے کے ای میلز اور ٹیلی فونز، پتے، (گھر، آفس، پیجر اور سیل فونز نمبرز) موجود ہوں۔ ان ایڈریسز کی اپنے بچوں کے سکول اور اپنے آفس میں اطلاع دیں۔ اس بات کا بھی اہل خانہ کو پتہ ہو کہ اگر ٹیلی فونز کام نہیں کر رہے ہوں تو انھیں صبر سے کام لینا ہے اور بعد میں دوبارہ کوشش کرنی ہے۔ یا بذریعہ ای میل رابطہ کرنا ہے کیونکہ ایسے موقع پر ٹیلی فونز لائنوں کا تانتا بندھا ہوتا ہے اور ای میلز وہاں کارآمد ہو سکتی ہیں جہاں ٹیلی فون یا موبائل کا لڑا اپنے کام چھوڑ دیتی ہیں۔

## ملاقات کے مقام کا تعین

اگر آپ کا گھر متاثر ہوا ہو یا علاقہ خالی ہو گیا ہو تو پہلے ہی سے گھر سے دور ملاقات کے لئے کسی مقام کا انتخاب کر لیں۔ جو آپ کے وقت کو بچا سکے اور الجھنوں کو کم کر سکے۔ آپ کو ایسی جگہ کی ضرورت ہو سکتی ہے جہاں ایمر جنسی میں آپ اور اہل خانہ رہائش پذیر بھی ہو سکیں۔ اپنے منصوبے وضع کرتے وقت آپ اپنے پالتو جانوروں کو بھی ذہن میں رکھیں۔ کیونکہ ایسے موقع پر ہوٹلوں اور پناہ گاہوں میں جانور رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

## بوقت آفت کام آنے والی سپلائی کٹ کی ترتیب

اگر آپ کو گھر خالی کرنے کی ضرورت ہو اور اگر آپ کو کسی دوسری جگہ قیام کے لئے کہا جائے تو ایسی صورت میں آپ کے پاس ضرورت کی سپلائی ہونی چاہیے اس طرح آپ اور آپ کی فیملی زیادہ پرسکون ہوں گے۔

☆ بوقت آفت کام آنے والی سپلائی کٹ تیار کریں جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا آسان ہو، اس کے لئے عام سا بیگ یا چھوٹی پلاسٹک ٹریشن کین کا استعمال کریں۔

☆ کٹ میں ضروری استعمال کا سامان، جو (نومولود فارمولہ یا معذور افراد یا بزرگ افراد) کی ضرورت پوری کر سکے، مریض یا زخمی افراد کی ابتدائی طبی امداد کا سامان، سونے کے لئے کٹ، بیٹری سے چلنے والا ریڈیو یا ٹیلی ویژن، زائد بیٹریز، خوراک، پانی اور اوزار شامل ہوں۔

☆ یہ زیادہ بہتر ہے کہ کچھ نقدی اور ضروری فیملی دستاویزات کی کاپی مثلاً (پیدائش کا سرٹیفکیٹ، پاسپورٹ اور لائسنس)، آپ کی کٹ میں موجود ہوں۔

☆ بعض اہم دستاویزات کی کاپی مثلاً اثرائتی کے اختیارات، پیدائش اور شادی کے دستاویزات، پاسپورٹ، لائسنس، انشورنس پالیسی، انشورنس کے دستاویزات اور انشورنس سے مستفید ہونے والے افراد کے نام اور آپ کے وصیت نامے کی نقل آپ کے گھر سے باہر محفوظ جگہ پر موجود ہوں۔ اپنے کسی دوست یا فیملی ممبر کا گھر جو شہر سے باہر ہوں یا چیزیں جمع کرنے کے محفوظ بکس کا انتخاب زیادہ بہتر ہوگا۔

کسی بھی عمر کے سکول کے طالب علموں کے سکول ایمر جنسی پلان کا معائنہ یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ آیا سکول والے اس وقت تک بچوں کو سکول میں روکے رکھیں گے جب تک والدین یا ان کی جانب سے نامزد فرد بچوں کو لینے نہ آئے یا بچوں کو خود گھر چھوڑ آئیں گے۔ یقین کیجئے کہ سکول والوں کے پاس یہ تازہ ترین معلومات ہوتی ہیں کہ کیسے بچوں کو والدین کے پاس پہنچایا جائے اور بچوں کو گھر پہنچانے کے لئے ذمہ دار افراد کا انھیں علم ہوتا ہے۔ آپ سکول سے یہ معلومات بھی حاصل کریں کہ کسی دوسرے شخص جس کو والدین نے تجویز کیا ہے، کے لئے کس قسم کی منظوری بچہ کو سکول سے لینے کے لئے درکار ہے۔ اگر آپ ایمر جنسی میں اپنے بچے کو سکول سے نہیں لے سکتے تو آپ کسی دوسرے تفویض کردہ شخص کو یہ ذمہ داری سونپیں کیونکہ ایسے موقع پر ٹیلی فون کالز کا تانتا بندھ جاتا ہے۔

## اگر تباہی آن پہنچی ہے

☆ حوصلہ رکھیں اور صبر سے کام لیں۔

☆ ٹیلی ویژن اور ریڈیو میں ہدایات غور سے سنیں۔

☆ اگر تباہی آپ کے قریب ہوئی ہے۔ تو زخمیوں کا پتہ چلائیں ان کو ابتدائی طبی امداد دیں اور شدید زخمیوں کے لئے طبی مدد حاصل کریں۔

☆ اگر تباہی آپ کے گھر کے قریب ہوئی ہے اور آپ حادثہ کی جگہ موجود ہیں تو تباہی کا اندازہ فلش لائٹ سے کریں۔ ماچس، موم بتی، بجلی کے سوچ کا استعمال نہ کریں۔ گھر میں لگی ہوئی آگ، آگ کے خطرات اور دوسرے گھریلو نقصانات کا اندازہ لگائیں۔ اگر کہیں سے قدرتی گیس کا اخراج ہو رہا ہو تو

گیس سپلائی کو روکیں اس کے لئے گیس کے والو کو بند کر دیں۔ کھڑکیاں کھول دیں اور تمام افراد کو گھر سے باہر لے جائیں۔

☆ گھر کے تمام نقصان زدہ کنکشن بند کر دیں۔

☆ پالتو جانوروں کو محفوظ کریں۔

☆ فیملی کے رابطہ کے نمبر پر کال کریں۔ جان لیوا ہنگامی صورتحال کے علاوہ ٹیلی فون کا دوبارہ استعمال نہ کریں۔

☆ پڑوس میں نظر دوڑائیں۔ خاص طور پر اگر کوئی معذور یا بزرگ شخص پڑوس میں رہتا ہو۔

کیا ہو سکتا ہے: ایک جائزہ

دہشت گردی کے حملہ کے بعد حسب ذیل صورتحال کا سامنا ہو سکتا ہے:

☆ بڑی تعداد میں ہلاکتیں اور عمارتوں کی تباہی ہو سکتی ہے۔

☆ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ان واقعات میں حفاظتی ضروریات کے پیش نظر مداخلت زیادہ ہو سکتی ہے۔

☆ جسمانی صحت اور ذہنی صحت کے مسائل درپیش آ سکتے ہیں۔

☆ میڈیا کی جانب سے بہت زیادہ اشاعت کی وجہ سے عوام میں خوف و ہراس پھیلنے اور بین الاقوامی تاثر کی وجہ سے پیدا ہونے والے نتائج طویل عرصے تک جاری رہ سکتے ہیں۔

☆ آفس اور سکول کا بند ہونا، ملک میں اندرونی و بیرونی سفر پر پابندی بھی ممکن ہے۔

☆ آپ کی اور آپ کے اہل خانہ کی محفوظ جگہ پر منتقلی اور سڑکوں کی بندش سے بچنا آپ کے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔

☆ متاثرہ جگہ اور ارد گرد کی صفائی میں کچھ مہینے درکار ہوتے ہیں۔

انخلا

اگر مقامی حکام آپ کو حکم دیں کہ آپ اپنا گھر چھوڑ دیں تو اس کے پیچھے آپ کا تحفظ شامل ہے۔ آپ

کو چاہیے کہ فی الفور ایسا کریں۔ اپنے ٹیلی ویژن اور ریڈیو کی نشریات کو غور سے سنیں اور ان میں جو ضروری

ہدایات دی جائیں ان پر عمل پیرا ہوں۔

- ☆ کھلے کپڑے اور مضبوط جوتے زیادہ تحفظ کے ضامن ہوتے ہیں
- ☆ سپلائی کٹ جو ناگہانی حادثات میں استعمال ہوتی ہے، اپنے ساتھ رکھیں۔
- ☆ اپنے پالتو جانوروں کو اپنے ساتھ لیں انھیں پیچھے نہ چھوڑیں کیونکہ عام پناہ گاہوں میں انھیں جگہ نہیں دی جاتی، اپنے پلان پر عمل پیرا ہوں اپنے رشتہ داروں یا دوست احباب کے ہاں جائیں یا ایسے ہوٹل میں منتقل ہو جائیں جہاں پالتو جانوروں کی اجازت ہو۔
- ☆ اپنے گھر کو تالا لگائیں۔
- ☆ متعلقہ مقامی محکموں کی جانب سے متعین کردہ راستے پر ہی سفر کریں اور مختصر راستہ کو اپنانے سے گریز کریں۔ کیونکہ ایسے راستے عموماً خطرناک اور ناقابل گزر بھی ہو سکتے ہیں۔
- ☆ بجلی کی گری ہوئی بڑی بڑی لائنوں سے دور رہیں۔ متعلقہ مقامی محکموں کی ہدایات کو غور سے سنیں وہ آپ کو اپنے علاقے کے بارے میں بہتر معلومات فراہم کر سکتے ہیں اپنے ریڈیوسیٹ اور ٹیلی ویژن کی نشریات کو جاری رکھیں اور ہدایات پر عمل کریں۔
- ☆ اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ کے پاس وقت ہے۔ تو آپ:
- ☆ اپنے اہل خانہ کے لئے مختص کردہ ٹیلی فون پر اطلاع دیں کہ آپ کہاں جا رہے ہیں اور واپسی کب ممکن ہے۔
- ☆ پانی اور بجلی کی سپلائی کو جانے سے پہلے بند کر دیں اگر آپ کو ایسا کہا گیا ہو۔ اگر قدرتی گیس کی سپلائی کو جاری رکھنے کی ہدایات کی جائے تو اسے جاری رہنے دیں۔ آپ کو کھانا تیار کرنے اور سردی سے بچاؤ کے لئے گیس کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی پیشہ ور شخص ہی آپ کی قدرتی گیس کی سپلائی کو منقطع ہونے کے بعد دوبارہ بحال کر سکتا ہے۔ ایسے ناگہانی آفت کی صورت میں پیشہ ور فرد کا ملنا وقت طلب ہوتا ہے۔

### پناہ گاہ میں موجود رہیں

اگر آپ کو مقامی اہل کاران کی جانب سے مشورہ دیا جاتا ہے کہ آپ ”پناہ گاہ میں موجود رہیں“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ گھریا دفتر کے اندر موجود رہیں اور وہاں اپنے آپ کو محفوظ رکھیں تمام کھڑکیوں اور بیرونی دروازوں کو بند کر دیں۔ تمام پنکھوں، گرم کرنے والے آلات اور ایئر کنڈیشننگ نظام کو بند کر دیں۔ فائر پلیس ڈیمپر کو بند کر دیں۔ آفت سے نمٹنے کے ساز و سامان کی جو کٹ ہے وہ اپنے پاس رکھ لیں اور اس بات کو یقینی

بنائیں کہ آپ کا ریڈیو صحیح کام کر رہا ہے کہ نہیں۔ اندرونی کمرہ میں جائیں جو بغیر کھڑکیوں کے ہو اور گراؤنڈ سطح سے اوپر ہو۔ کیمیکل سے کوئی خطرہ ہونے کی صورت میں زمین سے اوپر کے مقامات زیادہ بہتر ہوتے ہیں اس لئے کہ کچھ کیمیکل ہوا سے بھاری ہوتے ہیں اور اگر کھڑکیاں بند بھی ہو تو پھر بھی اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ یہ کیمیکل تہہ خانے میں رس رس کر چلے جائیں۔ ڈکٹ ٹیپ استعمال کر کے دروازہ کے چاروں طرف کی تمام دراڑیں اور کمرہ کے اندر تمام سوراخوں کو مکمل طور پر بند کر دیں۔ اس وقت تک ریڈیو اور ٹیلی ویژن سنتے اور دیکھتے رہیں جب تک یہ اعلان نہ ہو جائے کہ اب کسی قسم کا خطرہ موجود نہیں ہے یا آپ سے کہا جائے کہ آپ اس جگہ کو خالی کر دیں۔ مقامی اہل کاران آپ کو آپ کے علاقے میں بہت بڑا خطرہ موجود ہونے کی صورت میں کسی خصوصی علاقے کو خالی کرنے کے لئے کہہ سکتے ہیں۔

## اضافی مثبت اقدام جو آپ کر سکتے ہیں

دہشت گردی کے واقعات اور لوگوں کا ان واقعات کے خلاف ردعمل کی اصل، غیر مرتب شدہ تصویر آپ کے لئے اور خصوصاً بچوں کے لئے نہایت پریشان کن ہو سکتی ہے۔ ہم یہ سفارش کرتے ہیں کہ بچے ٹیلی ویژن پر ایسے واقعات کے بارے میں خبر کی رپورٹس کو نہ دیکھیں خصوصاً اگر نیوز رپورٹس میں ایک ہی حادثہ کی تصویر کو بار بار دکھایا جا رہا ہو۔ نوجوان بچے اس بات کو سمجھ نہیں پاتے کہ ایک ہی تصویر بار بار دکھائی جا رہی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ بار بار ہو رہا ہے۔ بالغ لوگوں کو بھی چاہیے کہ ذہن کو خراب کرنے والی اس تصویر کو مسلسل نہ دیکھیں۔ تاہم مقامی ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو سننے اور دیکھنے سے آپ کو ذمہ دار حکام کی سب سے صحیح اطلاع کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں گی کہ کیا کچھ ہو رہا ہے اور آپ کو اب کیا کرنا ہوگا۔ لہذا آپ چاہیں گے کہ آپ اپنے گھر کے دیگر بالغ افراد کے ساتھ دوبارہ خبریں سنیں۔

ہنگامی صورت حال میں آپ سب سے پہلے اپنی بہتری کے بارے میں سوچیں اور پھر فوری طور پر اپنے آس پاس موجود دوسرے لوگوں کے فرسٹ ایڈ کے بارے میں سوچیں۔ ان زخمی لوگوں کو عمارت سے نکالنے کے سلسلے میں ان کی ممکنہ مدد کریں اگر ضروری ہو۔

وہ لوگ جو بائیولوجیکل یا کیمیکل ایجنٹ سے رابطہ کرتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ وہ آلودگی کو دور کرنے کے طریق کار کا مطالبہ کریں اور طبی توجہ حاصل کریں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر مقامی اہل کاران کا مشورہ سنیں تاکہ آپ یہ فیصلہ کر سکیں کہ اپنے اور اپنے خاندان کے تحفظ کے لئے آپ کو کون سا قدم اٹھانے کی ضرورت ہوگی۔



## چند مزید قابل توجہ نکات

ریڈ کراس کی جانب سے بیان کردہ مذکورہ بالا امور کے علاوہ ہم چند مزید اقدامات بھی تجویز کرتے

ہیں:

☆ جن ممالک میں دہشت گردی کا خطرہ موجود ہے وہاں کے لوگوں کو ارد گرد پر غور و فکر کرتے ہوئے گزرنا چاہیے۔

☆ لاوارث اور مشکوک unattended سامان، بیگ، گاڑی، موٹر سائیکل وغیرہ کی طرف متوجہ رہنے کی ضرورت ہے اور متعلقہ اہل کاروں کو ان کی طرف توجہ دلانی چاہیے۔

☆ جہاں پر دہشت گردی کا کوئی واقعہ رونما ہو جائے اس کی طرف دوڑنا نہیں چاہیے۔ کئی ایسے ہولناک واقعات رونما ہو چکے ہیں کہ ایک چھوٹے دھماکے کے بعد جب لوگ وہاں اکٹھے ہوئے تو پھر ایک نیا اور بڑا دھماکہ ہو گیا۔

☆ لوگوں کو چاہیے کہ اگر کسی منبر، اسٹیج، یا ذرائع ابلاغ پر نفرت انگیز اور فتنہ انگیز بات ہو رہی ہو تو اس کے خلاف رد عمل ظاہر کریں اور اسے روکنے کی کوشش کریں۔

☆ عوام کو چاہیے کہ ایسا لٹریچر جس میں انتہا پسندی یا فرقہ واریت کی تبلیغ کی گئی ہو اس کے خلاف بھی اقدام کریں اور ذمہ دار حکام کو اس کی طرف توجہ دلائیں۔

لا تغلوا في دينكم

اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو

اسلام  
اور

انتہا پسندی

ایک تجزیاتی مطالعہ

پبلشرز: اسلام آباد

۲۰۰۹ء